

سراج السنہ



فیض رضایی کیشنر

مترجم: احسان علی
حضرت علامہ محمد اقبال مہر علی مصطفوی
رئیس تبلیغ اوقاف پنجاب، داتا دربار، لاہور
باہتمام: حضرت علامہ شبلی رضا اعظمی

سراج السنہ

مؤلف

استاد العلماء حضرت علامہ محمد اقبال مصطفوی

باہتمام

حضرت علامہ ریاض احمد سعیدی

فیض رضا پبلیکیشنز

جامعہ قادریہ رضویہ رشت - مصطفی آباد - سرگودھا روڈ - فیصل آباد

فون نمبر: 041-8860777

﴿جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	_____	سراج السنۃ
مؤلف	_____	حضرت علامہ اقبال مصطفوی
ترجمین و اہتمام	_____	سید جمایت رسول قادری
صفحات	_____	384
اشاعت	_____	بار اول، جنوری 2008ء
تعداد	_____	1100
مطبع	_____	اشتقاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ناشر	_____	جامعہ قادریہ رضویہ، فیصل آباد
قیمت	_____	150/- روپے

ملنے کے پتے

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز داتا گنج بخش روڈ، لاہور، فون 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ، بغدادی جامع مسجد گلبرگ اے فیصل آباد فون 2626046

ضیاء القرآن پبلی کیشنز	مکتبہ غوثیہ ہول سیل	مکتبہ المدینہ
انفال سنٹر اردو بازار کراچی	پرانی سبزی منڈی کراچی	فیضانِ مدینہ، کراچی
021-2630411	021-4910584	021-4126999

احمد بک کارپوریشن	اقراء بک سیلر	مکتبہ المدینہ
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی	امین پور بازار، فیصل آباد	اندرون بوہڑ گیٹ، ملتان
مکتبہ رضویہ	اہل السنۃ پبلی کیشنز	مکتبہ بستان العلوم
آرام باغ روڈ کراچی	شاندار بیکری ولی گلی،	کڈھالہ، آزاد کشمیر
021-2216464	منگلا روڈ، دینہ جہلم	

التفضل

ولاتنسوا الفضل بینکم

نہ بولایا کرو احسان کو آپس کے معاملہ میں۔ الآیۃ

من مسکین (راقم الحروف) اپنی پہلی تالیفات - نماز ابوالکرام

دعوات صالحات - الدعوات المبارکات کی جمع و ترتیب جملہ تالیفات کے سلسلہ میں اپنے محسن کریم الحاج صوفی غلام صفدر مرحوم مغفور کا دل سے شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے مجھے دینیات پر لکھنے کے معاملہ میں تخریص، تخریض کیساتھ پوری ہمت دلائی کہ دینیوی چار روزہ زندگی میں مسائل شرعیہ جمع کرنے۔ دین بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے کچھ کام کرنیکا حوصلہ دیا۔ مزید یہ کہ موصوف نے مجھے دینیات کی تالیفات کی صرف ترغیب ہی نہ دی بلکہ تیار ہونیوالی تالیفات کے معاملہ میں پوری پوری مالی اعانت کی یقین دہانی کرائی الحمد للہ 1990ء میں واجب القدر موصوف کی تجویز پر بندہ نے مسائل نماز و دعا پر مشتمل مسودہ نماز نور کے نام سے تالیف کیا اس کی کتابت، طباعت کے تمام تر اخراجات موصوف مرحوم نے اپنی گره سے ادا کر کے نمازیوں میں تقسیم کرائی چنانچہ نماز نور کی قبولیت پر بتوفیق الہی بندہ دلیر ہو گیا مزید مسائل و دعوات کی جمع تالیف کیلئے کمر بستہ ہو کر عقل و فکر کی جولانی اور نورِ علم کی بدولت 1995ء میں ایک بیاض دعوات صالحات کے نام سے ترتیب دیا جو برکاتِ شش آیات شفاء اور فوائد استغفار پر مشتمل پاکٹ مطبوع ہو تھا ساتھ ہی دوسرا بیاض الدعوات المبارکات کے نام سے جمع کیا جو قرآن مجید میں منزلہ دعوات طیبات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام و دیگر دعوات طیبات پر مشتمل تالیف کیا دونوں خوشنما ٹائٹل اور رنگین صفحات کے زیور طباعت سے مزین ہوئے یعنی دریا دل موصوف مرحوم نے خوبصورت انداز میں چھپوا کر ہدیہ قارئین عالمین کئے۔

چونکہ طلبہ نے ان کو بڑا سراہا۔ شائقین مطالعہ قارئین نے بڑی پسندیدگی کی اطلاعات بھیجیں اور آئندہ ان کو جاری رکھنے کی استدعا کی چنانچہ قارئین کرام کی تائیدات و تحسینات سے اطمینان قلبی حاصل ہوئی بنیاد پر بندہ نے مزید سعی بلیغ کر کے اللہ ذوالفضل العظیم اور رسول ﷺ رحمۃ اللعلمین کی بارگاہ قدسیہ میں رسائی اور قبولیت کی خاطر سنت الرسول ﷺ پر قدرے کشادہ بیاض سراج السنۃ کے نام سے یعنی کتاب ہذا چار صد صفحات کی مختلف اقسام سنن کا مجموعہ قارئین کے مطالعہ کیلئے پیش کر نیکا شرف حاصل کیا ہے آخر میں دعا ہے اللہ کریم حاجی غلام صفر مرحوم، مغفور کو جنت الفردوس میں مقام و قیام نصیب فرمائے۔

التعاون۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ

ترجمہ: اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں

قضاء الہی اور فیصلہ ربانی کے مطابق حاجی غلام صفر مرحوم مغفور 30 اپریل 2002ء میں دنیا دوں سے رحلت کر کے راہی دار بقاء ہوئے مگر الحمد للہ مرحوم کے خلف رشید حاجی خالد محمود ماشاء اللہ عادات و اطوار اور عطاء و سخاء میں اپنے والد کریم مرحوم کا بدل ہیں چنانچہ کتاب مستطاب ”سراج السنۃ“ کی کمپوزنگ، طباعت و اشاعت کے سارے اخراجات کشادہ ظرفی۔ کشادہ دستی اور خندہ پیشانی سے ادا کئے مشورہ (الولد سر لابیہ) بیٹا اپنے باپ کا نمونہ ہوتا ہے بندہ دل کی گہرائیوں سے ان کا مشکور و ممنون ہے شکر کا عملی نمونہ یہ ہے کہ بندہ زبان سے خوبصورت تعریفی کلمات ادا کرے اور عمل نیک کی طرح ڈال کر بیان حال کرے آیت مبارکہ لئن شکرتم لا زیدنکم ترجمہ: اگر اللہ کا شکر ادا کرو گے تو تمہیں اور زیادہ دیا جائیگا۔ اللہ کریم حاجی خالد محمود کی حیات و بقاء اور مال و

اولاد مزید کب معاش میں برکات وافرہ بخشے اور اپنا خاص فضل و احسان سب
بھائیوں کے شامل حال فرمائے۔

الاحسان انّ الله يحبّ المحسنين

پیشروانِ دریا دل شخصیات کے علاوہ میری رفیقہء حیات سیدہ دختر سید بحر العلوم
(مفتی سید محمد افضل حسین رحمہ اللہ مصنف تصانیف کثیرہ) بھی مستحق شکر یہ ہیں۔

چنانچہ موصوفہ نے تصحیح عبارات کے سلسلہ میں پوری محنت اور باریک فکری سے
کتاب مستطاب (سراج السنۃ) پر نظر ثانی میں شبہا بیداری کر کے درجہ تکمیل تک پہنچانے
میں میرا ساتھ دیا ان کی دلداری کیلئے ہدیہء تشکر از بس ضروری ہے کہتا ہوں سیدہ تیرا شکر یہ
اور یہ بھی

لکھاں وچ رلدے سن بخت میرے لکھوں لکھ کیتا ای بھلا ہووی
اللہ کریم محترمہ کو جزائے خیر دے اور ان کے علم و عمل۔ عبادت و تقویٰ اور
نورِ بصیرت میں اضافہ فرمائے ولد عزیز محمد نعیم حسن اور انکے بھائیوں کا بخت و اقبال بلند
کرے مزید دعا ہے اللہ کریم میری ساری ولد و زرت کو علم و ہنر اور فضل و کمال سے بہرہ ور
فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

سَاعَةٌ مِنْ عَالَمٍ يَتَكَيُّ عَلَى فِرَاشِهِ يَنْظُرُ فِي عِلْمِهِ خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ الْعَابِدِ
سَبْعِينَ عَامًا (الحديث)

ترجمہ: عالم دین کی ایک گھڑی کہ وہ بستر پر تکیہ سے ٹیک لگائے اپنے علم میں نظر و فکر کرتا ہے
عبادۃ گزار (عابد) کی ستر سالہ عبادت سے بہتر ہے۔

ثم الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على محمد النبي الكريم وآله واصحابه اجمعين
اقبال مصطفى عفى عنه

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سرنامہ

انتساب

بِحَضْرَتِ وَالِدَيَّْ وَوَالِدَيْهِمَا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی جُو

میرے نعمت و جود اور قول ثابت کا سبب اصلی بنے

وَرَبِّ اَرْحَمُهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

رَبِّ اَنْتَ وَّلِيٌّ فِی الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۝ ۝ ۝

اقبال مصطفوی عفی عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمين الذي استغنى في حمده عن حامدين
وما استنصر في تنفيذ او امره عن الناصرين وما احتاج في خلق
كل صغير وكبير من الناطقين و الصّامتين وهو احسن الخالقين
فهو يعلم كل رطب ويابس من العالين والسافلين ويرزق كل
حيوان من المتحركين و الساكنين وهو خير الرازقين ويمتاز
بالعبادة والذكر من عباده الصالحين الكاملين المهتدين
والصلوة والسلام على سيدنا محمد ن المبعوث بالمعجزات الباهرة
و السنن البارعة و الخصائل البالغة وهو خاتم النبيين وعلى آله
الطاهرين الصادقين وازواجه الطيبات امهات المؤمنين واصحابه
الراشدين الهادين و علماء امته الغلمين المفسرين المخلصين و
المحدثين العاملين وفقهاء ملتة المجتهدين المسترشدين وعلى كل
عباده المؤمنات و المؤمنين اما بعد فيقول الله تعالى هو الذي بعث
في الاميين رسولا منهم يتلوع عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب و
الحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين

علامہ اقبال مصطفوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الارشاد

وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلَى الْخَيْرِ

(جریدہ عالم پر مروج دین اسلام (یہ دین قیم) جس نے عالم بشریت کی تقدیر بدل دی ہر زمانہ میں اسکی تبلیغ و اشاعت ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اگر اس ملت میں ایسے افراد نہ ہوں جو اس پیغام رحمت کو دنیا کے ہر گوشہ اور ہر قوم کے رسم و رواج تک پہنچانے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو یہ عالمگیر پیغام ہدایت چند ملکوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا بایں صورت یہ اس پیغام حق سے بھی جفا ہوگی اور ان قوموں اور بکھرے قبائل و افراد انسانی پر بھی ظلم ہوگا جو اسلام سے ناواقف گپ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اور شاہراہ حق کی جانب دین و ایمان کی روشنی کی کوئی کرن ان کو دکھائی نہیں دیتی جن کی زندگی کی تاریک تاریخ کسی روشن چراغ کے لئے ترس رہی ہے۔

نیز وہ قوم اور ملک جس نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اس کے دل و دماغ پر بھی غفلت و تکاسل کی گرد پڑ سکتی ہے اور ان کی گرمی عمل کمزوری فکر اور سستی عمل کا شکار ہو سکتی ہے ان کی تازہ بہ تازہ نیک عملی کی راہ چمکانے کے لئے اگر ایسی علم و ہنر اور تقوی و صلاح کی مالک ہستیاں تعلیم و تربیت انسانی کے لئے نہ ہوں جن کا کام ہی اسلام کے حکیمانہ انداز سے لوگوں کو خواب غفلت سے پیدا کرنا اس کی گرمی عمل کو باقی رکھنا بیرونی اور اجنبی تاثرات و تحریکات مزید تحریفات اور اندرونی خرافات سے ان کے دل و دماغ کو محفوظ رکھنا ہے۔

اس مقصد عظیم کے لئے جماعت اصحاب رشد و ہدایت اور طائفہ اصحاب علم و حکمت کو ہر

زمانہ میں تیار کرنا ملت کا اجتماعی فریضہ ہے جس کا علم و عمل ظاہر و باطن، سیرت و کردار رسول اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی کا مظہرِ کامل ہوتا کہ ملت اپنا مقصود حقیقی حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔ بایں ہمہ، اس مقصد عزیز کے لئے ہر طرح کی بڑی سے بڑی مالی قربانی، حسن سلوک و احسان سے راہ ہموار کرنا ملت کی ذمہ داری بھی ہے اگر ملت اپنے اس اہم ترین فریضہ کو ادا نہ کرے گی یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی اس لاپرواہی اور سرد مہری کے لئے جواب دہ ہوگی۔ تاریخ شاہد ہے جب تک علم و عمل میں کامل ایسے افراد تیار ہوتے رہے گلشن اسلام میں بہار و بالیدگی آتی رہی ہے، حق کی قوت باطل حصاروں کو توڑتی رہی اور شرک و بتاں کے قلعوں کو مسخر کرتی رہی، کفر و بد عملی کے ظلمت کدے اسلام کے نور سے روشن ہوتے رہے (اولئک ہم الراشدون فضلا من اللہ و نعمة) (الحجرات آیت نمبر ۸)

اللہ اکبر ولله الحمد

والصلوة والسلام علی سید المرسلین محمد بن النبی
الکریم خاتم النبیین و علی آلہ واصحابہ اجمعین

اقبال مصطفوی عنی عنہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ابتدائیہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَهٗ عِوَجًا قِیْمًا لِّیَنْذِرَ
بِاسَا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهٖ وَّیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنْ
لَّهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّا کَثُرْنَ فِیْهٖ اَبَدًا وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ
الْمُرْسَلِیْنَ اَکْرَمِ الْاَوَّلِیْنَ وَّ الْاٰخِرِیْنَ قَائِدِ الْغُرِّ الْمَحْجَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ
وَاصْحَابِہٖ الْعَامِلِیْنَ وَاَزْوَاجِہٖ الْمَوْمِنِیْنَ اَمَّا بَعْدُ:

اللہ کریم نے اپنے بندوں پر بے شمار انعامات و احسانات فرمائے لیکن ان تمام میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی صلاح و فلاح اور ہدایت راہنمائی کے لئے نبوت و رسالت کا مقدس و مبارک سلسلہ جاری فرمایا اور جب بھی لہسانوں کو آسمانی ہدایت کی ضرورت پیش آئی انہیں میں سے کسی پاک طینت نیک سیرت اور حسین صورت ذات بابرکات کو اپنا نبی و رسول اور ان کا ہادی کامل بنا کر اپنی ہدایت کے ساتھ ان میں پیدا فرمایا

انبیاء و مرسلین کی آمد کا سلسلہ ہزار ہا سال جاری رہا یہاں تک کہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس سلسلہ کو ختم فرما دیا گیا اور آنحضرت ﷺ کے ذریعہ وہ آخری اور مکمل تعلیم و ہدایت بھیج دی گئی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافی، وافی ہے مزید کی احتیاجی نہ ہے۔ خداوندی تعلیم و ہدایت کا جو ذخیرہ خاتم النبیین ﷺ کے ذریعہ دنیا والوں کے نصیب میں آیا اسکے دو حصے ہیں ایک کتاب اللہ قرآن حکیم جو لفظاً و معنی کلام اللہ ہے اور اصل سرچشمہ رشد و ہدایت ہے دوسرا حصہ آپ کے ارشادات اور آپ کریم کی وہ تمام قولی، عملی ہدایات و تعلیمات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اسکی مرضی کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے امت کو

دیئے تھے جس کو صحابہ کرام نے محفوظ رکھ کر بعد والوں کو پہنچایا اور بعد والوں نے اس کو پورے سلسلہ روایت کے ساتھ کتابوں میں محفوظ کر دیا۔ آپ کی تعلیمات و ہدایات کے اس حصہ کا عنوان حدیث اور سنت ہے۔ آنحضرت ﷺ تو انہی سرطبی، حیات مستعار پوری کر کے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اس دنیا دون سے کہ چ فرمائے لیکن انسانی دنیا کی ہمیشہ کے واسطے رہنمائی کے لئے اپنی دی ہوں ہم و ہدایت کے یہ دونوں حصے یعنی قرآن کریم اور سنت طیبہ چھوڑ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اپنے اپنے درجہ کے مطابق ہر دور میں محفوظ رکھا اور ان کو کامل مشعل راہ قائم رکھنے کے ایسے ظاہری و باطنی انتظامات فرمائے کہ غور و فکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے وہ ایک بڑی نشانی اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ دائمہ ہے۔

انہی خداوندی انتظامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی بھی دور میں کتاب و سنت کی جس قسم اور جس طرز و طرح کی خدمت کی ضرورت و احتیاج پیش آئی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک فطرت بندوں کے دلوں میں اس کا داعیہ پیدا کر کے ان کو اس طرف یعنی امت کی رہنمائی کے لئے متوجہ فرمادیتے ہیں چنانچہ زمانہ نبوی سے لے کر اس وقت تک قرآن و حدیث کی خدمات مختلف انداز اور اشکال میں انجام دی گئی ہیں۔ اگر کوئی تفکر کی نگاہ اور تدبر کی روشنی میں دیکھے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ جو کچھ ہوا ہر دور کی ضرورتوں کا ایک خداوندی انتظام تھا اور جن بندوں کے ذریعے ہوا گویا صرف آلہ کار اور نائبین بعد نائبین متبعین حکم و ارشاد تھے۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقان
مصلحت را تہمت بر آہوئے چین بستہ اند

سیدہ دختر سید بحر العلوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فکر اولین

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ -

بالیقین قرآن حکیم دین و شریعت کی اصل اساس ہے اور ادلہ شرع شریف میں وہی سب سے مقدم اور سب سے محکم ہے تاہم اس کا کام صرف اصول بتانا ہے

تفصیل - توضیح و تشریح حدیث و سنت کا وظیفہ ہے ہر باخبر جانتا ہے کہ قرآن کریم

امت آخرہ کو بلا واسطہ رسول نہیں دیا گیا تھا کہ تم بدعات خود یا اپنے ہی جیسے غیر نبی لوگوں کی مدد سے پڑھو اور اس پر عمل کرو بلکہ اس کتاب ہدایت کے نزول سے قبل ایک برگزیدہ رسول کو دنیا میں بھیج کر ان پر قرآن حکیم نازل کیا گیا اور یہ صرف اسلئے کیا گیا تا کہ لوگ اپنے اپنے طور پر نہیں بلکہ صرف رسول کے بیان اور تشریح کی روشنی میں اللہ کی اس کتاب کو سمجھیں اور صحیح راہ عمل اختیار کریں۔ چنانچہ آیت مبارکہ میں ارشاد ہوا ہے وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (سورہ النحل)

ترجمہ: اور نازل کیا ہم نے آپ کی طرف (ذکر) کتاب کو اس لئے کہ آپ کھول کھول کر بیان کریں لوگوں کے واسطے اس چیز کو جو نازل کی گئی ان کی طرف امید ہے کہ وہ اس میں غور و فکر کریں۔ علاوہ ازیں قرآن مجید ہی کے ذریعہ رسول کے فرائض اور ان کے منصب سے دنیا والوں کو آگاہ کیا گیا اور بار بار اعلان کیا گیا کہ تم کو قرآن شریف کے کلمات و حروف سنائیں

اور یاد کرائیں اور یہی تم کو اسکے معانی و مطالب اور رموز و حکم بھی بتائیں گے چنانچہ
ارشاد مبارک ہے

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ -

ان دونوں آیتوں میں دو چیزیں الگ الگ ذکر کی گئی ہیں (۱) تلاوت آیات، (۲) تعلیم
الکتاب: پہلی شے تلاوت آیات قرآن مجید کا مطلب ظاہر واضح ہے ہاں دوسری شے تعلیم
الکتاب کی نسبت و خوض کرنا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے اگر اس کی مراد بھی قرآن مجید کے
مربوطہ مرتبہ کلمات پڑھ کر سنانا اور یاد کرنا ہی ہے تو یہ تلاوت آیات سے الگ کوئی چیز نہیں
حالانکہ وہ تعلیم اس الگ ذکر کی گئی ہے پس یقیناً اس سے مراد آیات کی تشریح اس کے معانی
و مطالب کی توضیح آیات کے حکم و احکام کا بیان ہے، پس جب قرآن کریم ہی سے معلوم
ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے فرائض رسالت میں جس طرح الفاظ و کلمات قرآن کی
تلاوت و تبلیغ ہے اسی طرح اس کے معانی و مطالب کا بیان بھی فرائض رسالت میں داخل ہے
تو لازمی طور پر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جس طرح متن قرآن مجید حجت ہے اسی طرح اس کی
نبوی تشریحات بھی حجت اور واجب القبول ہیں ورنہ آپ کی تعلیم کتاب کا مکلف بنانا اور تعلیم
کتاب کو آپ کا وظیفہ بتانا بالکل بے معنی ہوگا۔

الغرض ان آئی نصوص کی رو سے رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغام رساں
ہونے کے ساتھ پیغام حق کے معلم اور مبین بھی ہیں۔

خلاصہ بحث (۱) قرآنی نصوص کی رو سے رسول خدا ﷺ قرآن کے معلم و شارح
اومبین ہیں (۲) آپ کریم ﷺ نے جس طرح متن قرآن کی تبلیغ فرمائی اسی طرح اس کی

شرح و تبیین بھی فرمائی (۳) آپ کی تشریحات و بیان قرآن کا قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہنا ضروری ہے تو اس سے حاصل مفصل تشریحات مختلف انواع سنت ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی تعلیم دو طرح سے دی ہے، آپ کریم ﷺ نے اپنے فعل و عمل سے بھی اس پر عمل کرنے کی صورت سکھائی اور ساتھ ہی اس کا مفہوم سمجھایا ہے اور اسکی قوی تشریح بھی فرمائی ہے۔ عملی تشریح کی صورت یہ تھی کہ قرآن کریم میں ایک حکم نازل ہوا آپ نے اس حکم پر عمل کر کے لوگوں کو دکھا دیا، جسکی وجہ سے الفاظ قرآن کا مفہوم بھی متعین ہو گیا اور جس بات کا حکم ہوا ہے اس کا عملی نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آ گیا مثلاً قرآن پاک میں اقامت صلوٰۃ کا تاکید واجبی حکم نازل ہوا اور اس کے ارکان اور بعض اجزائے ترکیبی مثلاً قیام، قرأت، رکوع، سجود کا ذکر بھی قرآن میں کیا گیا مگر ان اجزاء کو کسی خاص ترکیب کے ساتھ ادا کرنے کا بیان اور نماز کی پوری پوری ترتیب اس میں کہیں ذکر نہیں کی گئی، پس ان اجزاء کو خاص ترکیب کے ساتھ باہم مربوط کر کے نماز قائم کرنے کی ایک خاص شکل آنحضرت ﷺ کے عمل سے متعین ہوئی اقیما الصلوٰۃ اس حکم پر عمل کس طرح کیا جائے اور اقامت صلوٰۃ کا طریقہ کیا ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي اُصْلٰی موجود ہے علاوہ عملی تشریح سے گاہے گاہے آنحضرت کریم نے اقامت صلوٰۃ کی ترکیب اور وضع زبانی، کلامی بھی فرمائی ہے۔

اسی طرح قرآن پاک میں حج بیت اللہ کو مَنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا فرما کر فرض قرار دیا گیا ہے مگر ادا نیگی کا طریقہ اور ترتیب وار اسکے مناسک و ارکان بیان نہیں کئے گئے لیکن آنحضرت ﷺ نے عملی نمونہ سے حج کر کے دکھا دیا کہ اس طرح فریضہ کی بجا آوری ہونی

چاہیے بایں وجہ قرآن کی تشریح و تبیین صرف آپ ہی کے قول و عمل سے ہو سکتی ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں جہاں سارے حجاج اکٹھے تھے اعلان فرمایا

خذوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ لَعَلِّي لَا أَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هَذَا

ترجمہ: لوگو تم حج کے مناسک مجھ سے سیکھ لو شاید اس سال کے بعد میں تم کو اس اجتماعی

حالت میں نہ دیکھوں۔ حضرت عدی بن حاتم نے آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمایا کہ

الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ اور الْخَيْطُ الْاَسْوَدُ ودھاگے مراد ہیں آپ نے فرمایا بل ہوسواؤ

الليل وبياض النهار۔ حدیبیہ کے سفر میں حضرت کعب بن حجر کے سر میں بے انتہا جوئیں پڑ

گئیں تھیں، آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اتنی تکلیف و مشقت

میں مبتلا ہو چکے ہو، کیا تم ایک بکری پاسکتے ہو انہوں نے کہا نہیں، ہمت و استطاعت نہ ہے

اس پر آپ نے فرمایا سر منڈالو اور فدیہ میں تین روزے رکھ لو۔ یا چھ مسکینوں کو فی مسکین ایک

صاع دانے جو یا ایک صاع کھجور صدقہ دے دو۔ اس واقعہ میں بظاہر آیت میں حوالہ یا اشارہ

نہیں ہے مگر فمن كان منكم مريضاً او به اذى من رأسه ففدية من صيام او

صدقة او نسكٍ کا نزول چونکہ اسی واقعہ میں ہوا ہے اسلئے اس مثال کو اسی ضمن میں ذکر کرنا

مناسب تر ہے۔

البتہ یہ عجب نہیں کہ بعض احادیث کا قرآنی ماخذ ہمارے اپنے علم و عقل کی کوتاہی اور غمور

فہم کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن ایسی حدیثوں کی تعداد بھی کم نہیں جن کا قرآنی ماخذ

تھوڑی سی توجہ اور تامل سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اس کی مثال حدیث میں ملتی ہے، رسول اللہ

ﷺ کا ارشاد مبارک ہے لا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئَتْ بِهِ

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان والا نہ ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش،

رجحان اس تعلیم و ہدایت کا تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں۔

اس حدیث مبارک کا پورا مفہوم و مطلب قرآن مجید کی دوسری آیت مبارکہ میں پورا پورا سمویا

ہوا ہے فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا

فی انفسهم حرجًا مما قضيت و يُسلموا تسلیمًا (سورة النساء آیت ۶۴)

یہاں تک کہ حاکم بنا میں آپ کو ہر اس جھگڑا میں جو پھوٹ پڑے ان کے درمیان پھر نہ پائیں

اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں دل و جان سے اور دوسری

آیت کریمہ اسی مضمون کی وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله

امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم

مذکورہ آیات مبارکہ سب کی سب احادیث نبوی اور سنن رسول اللہ ﷺ کی تائید میں ہیں

کہ رسول خدا ﷺ کے فرامین مبارکہ کی پیروی عمل اور اتباع میں فلاح و فوز کی شہراہ موجود ہے

تعلیم حکمت: قرآن حکیمنے تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت بھی آنحضرت ﷺ کا ایک

فریضہ بتایا ہے۔ یہ حکمت کیا چیز ہے اس کو سمجھنے کے لئے فکر صحیح اور فہم سلیم کی ضرورت ہے۔

حکمت کی مراد معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے خود قرآن کریم کی طرف رجوع لازم ہے

کہ قرآن عظیم میں ایسی متعدد آیات کریمہ ملیں گی جن سے

معلوم ہوگا کہ حکمت بھی ایسی نافع چیز ہے جس کو اللہ پاک نے اتارا ہے آیت مبارکہ وارد ہے

وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ

عَلَيْكَ عَظِيمًا

ترجمہ: اور اللہ نے تم پر کتاب (یعنی قرآن کریم) اور حکمت اتاری اور تمہیں

سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے (امور دین و احکام شرع و علوم غیبیہ) اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے

ایک اور آیت مبارکہ ہے واذکروا نعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من
الکتاب و الحکمة یعظکم بہ (سورۃ بقرۃ آیت ۲۳۱)

ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور وہ جو تم پر کتاب اور حکمت اتاری۔ کتاب
سے مراد قرآن اور حکمت سے احکام قرآن و سنت رسول ﷺ مراد ہے۔

مزید ایک آیت مبارکہ میں وارد ہے واذکرن ما یتلی فی بیوتکن من آیات

اللہ و الحکمة

سوچنے کی یہ بات ہے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں قرآن کریم کی آیات مبارکہ کے
علاوہ دوسری کیا چیز پڑھی جاتی تھی جو آنحضرت ﷺ ان کو قرآن کریم کے علاوہ سناتے
بتلاتے تھے واضح ہے کہ امہات المؤمنین کے گھروں میں یقیناً آپ کی حدیث مبارکہ اور سنت
شریفہ کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی کہ آپ کے عام دینی نصح اور دینی افادات اور ارشادات
تعلیم ہوتے تھے کیونکہ اس آیت مسطورہ بالا میں حکمت کے ذکر کا یعنی اس کو یاد کرنے اور یاد
رکھنے کا حکم اور مزید آگے سے آگے پہنچانے کا حکم ہے مزید یہ کہ اسی آیت کریمہ سے حدیث
و سنت یاد کرنے اور یاد رکھنے کا اس کو مزید آگے پہنچانے کا وجوب معلوم ہو گیا اور یہ بات بھی
تقریباً بدیہی اور مسلم ہے کہ علم و ذکر زبانی و حفظ مقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ عمل کے لئے مقصود
ہیں اس لئے اس آیت سے حدیث و سنت کا واجب اور مامور بہ ہونا بھی معلوم ہو گیا خلاصہ یہ
کہ جب سنت ہی کا دوسرا نام حکمت ہے تو اس سے پہلی آیتوں میں کتاب کی طرح حکمت
کو بھی منزل من اللہ فرمایا گیا، ثابت ہوا کہ سنت بھی منزل من اللہ اور وحی خداوندی ہے۔
بنا بریں قرآن کریم کے بعد جب ہم معلم قرآن ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو جس
طرح قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جس کا نام حکمت

ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر اتاری اور نازل فرمائی ہے اسی طرح معلم قرآن کی تعلیمات بھی ہم کو یہی بتلاتی ہیں۔ ارشاد مبارک ہے اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قرآن کریم عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی اسکی مثل دی گئی۔ کتاب و سنت کے انہیں نصوص کی بنا پر تمام ائمہ کرام و علماء سلف اس بات پر متفق ہیں کہ وِیَعْلَمُہُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَةَ اور ان کے ساتھ اسی مضمون کی دوسری آیات طیبات میں جو لفظ حکمت بار بار وارد ہوا ہے اس سے مراد سنت ہی ہے اور سنت بھی وحی الہی کی ایک قسم ہے اسی سلسلہ میں علامہ ابن قیم اپنی انتہائی مشہور کتاب ”کتاب الروح“ میں لکھتے ہیں۔

فَاَللّٰہُ سَبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَنْزَلَ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَحٰیۡیۡنٍ وَاَوْجِبُ عَلٰی عِبَادِهِ الْاِیْمَانَ بِہِمَا وَ الْعَمَلَ بِمَا فِیْہِمَا وَہُمَا الْکِتَابُ وَ الْحِکْمَةُ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَةَ وَقَالَ تَعَالٰی هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمَمِیۡنَ رَسُوْلًا مِنْہُمْ یَتْلُو عَلَیْہِمُ آیَاتِہٖ وَ یُرْکِیْہِمُ وَ یَعْلَمُہُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَةَ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَ اذِکْرٰنَ مَا یَتْلٰی فِیْ بَیوتِکُمْ مِنْ آیَاتِ اللّٰہِ الْحُکْمَةَ وَ الْکِتَابَ هُوَ الْقُرْآنُ وَ الْحِکْمَةُ هِیَ السَّنَةُ بِاتِّفَاقِ السَّلَفِ

وقد نقل بعض الأذکیاء محل فضل عظیم العلامة المدقق تاجی جلال الدین سیوطی ملا عبد العزیز پرہاروی فی کتابہ المشہور النبر اس شرح العقائد للفتازانی فی مسئلۃ المعراج ہو فی الیقظة ام فی المنام قال صاحب النبر اس عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ صاحبة المناقب الرفیعة الحافظة یعلم الحدیث و الفقه حتی قیل روی عنہا ثلث الشریعة و كانت

الصحابه اذا اشكل عليهم مسئلة رجعوا اليها وكان النبي صلى الله عليه وسلم يُحبها حباً شديداً تزوجها وهي ذات تسع سنين ومات عنها وهي ذات ثمانى عشرة چنانچہ آیت مبارکہ واذكرن ما يتلى في بتوتكن من آيات الله و الحكمة توفظ احاديث عائشة صدیقه ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے تناظر میں واضح ہو رہا ہے کہ حکمت سنت ہے اور قرآن مجید کی وہ آیات مبارکہ جن میں حکمت کا لفظ آیا ہے اکثر جگہ حکمت سے مراد سنت رسول یعنی سنت عمل مراد ہے کہ آنحضرت ﷺ تلاوت و ترکیہ سے صحابہ کرام کو سنت اور راہ عمل سکھاتے تھے۔

ما قبل میں مذکور امام ابن قیم کی عبارت کا مطلب / ترجمہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول کریم ﷺ پر دو قسم کی وحی فرمائی ہے اور دونوں وحیوں کے ساتھ ایمان لانا اور عمل کرنا اپنے بندوں کے لئے واجب و لازم قرار دیا ہے ایک وحی کتاب اللہ ہے اور دوسری وحی حکمت ہے۔ ابن قیم فرماتے ہیں وهما الكتاب و الحکمة پھر لکھتے ہیں الكتاب هو القرآن و الحکمة هي السنة باتفاق السلف اسکی تائید میں علامہ الدھر سیوطی ثانی حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی مدفون من قریب کوٹ ادو نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ حافظہ علم حدیث و علم تفسیر تھیں تا آنکہ ثلث شریعت مطہرہ آپ سے مروی ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا جسکو وہ حل نہ کر سکتے تھے حضرت عائشہ کی طرف رجوع کرتے در اقدس پر کھڑے ہوئے دریافت کرنے پر ام المؤمنینؓ پس پردہ مسئلہ کی وضاحت فرماتیں اور ہمہ پہلو تفصیل سے بیان فرماتیں حتیٰ کہ اجتہاد کی حد تک ید طولیٰ کی مالکہ تھیں اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو احادیث و سنن رسول اللہ ﷺ سے عبور کی وجہ سے پورا احاطہ تھا ذالک فضل اللہ یؤتیه من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

التقدیم

دین اسلام اور شریعت آخرہ کے تمام ارکان میں سے ایمان سب پر مقدم ہے کیونکہ ایمان ہی پر تمام اعمال کی مدار ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ جوشی اصل بنیاد اور نڈار کسب و عمل ہوتی ہے اسکی تقدیم لازمی امر ہے لہذا احکام و اعمال میں حقیقت ایمان سے بحث از بس ضروری ہے آیت کریمہ ہدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب کی صراحت میں یہ دونوں کلمے یعنی ایمان اور غیب باعتبار معنی لغوی اور اصطلاحی تفصیل طلب ہیں۔

چنانچہ اہل علم حضرات نے اپنی پوری علمی و فکری کاوش سے مذکورہ دونوں کلموں کی حقیقت اور ان کے معانی و مصادیق سے جو سیر حاصل بحث فرمائی ہے اسی سے خوشہ چینی کرتے ہوئے اور الاول فالاول کے فارمولا کی رو سے اولاً یؤمنون سے ایمان اور بالغیب سے غیب کی وضاحت مقصود ہے البتہ غیب بلکہ تمامہ مغیبات کے پردہ غیبوت میں مستورہ حقائق کے چہرہ سے نقاب کشائی کرتے ہوئے قلم کی روانی میں جولانی کو عمل میں لانے کی کوشش ہے دعا ہے اللہ کریم مسکین بے بضاعت پر حقائق کو روشن فرمائے وہو المستعان گرچہ مشہور است کہ دانایاں از کشودن استار امور مہمہ در ورطہ حیرت اندولے امید دارم کہ انشاء اللہ تعالیٰ راہ حق یافتم

وبعونه تعالیٰ کل عاقل فاعل اذعن بتکمیله المقاصد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الم - ذالک الکتاب لا ریب فیہ = ہدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنہم ینفقون -

ترجمہ: یہ کتاب بلند شان متقین کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لائے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

آیت مبارکہ میں متقین کی تین صفات بیان کی گئی ہیں (۱) ایمان بالغیب (۲) اقامت صلوٰۃ (۳) انفاق فی سبیل اللہ، متقین کی پہلی صفت ایمان بالغیب ہے اس کے دونوں جزءوں ایمان اور غیب سے بحث کو بیان میں لانا ضروری سمجھا گیا ہے وباللہ التوفیق

علامہ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ایمان امن سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی نفس کا مطمئن ہونا اور خوف کا زائل ہونا، امن، امانت اور امان اصل میں مصادر ہیں۔ امان انسان کی حالت امن کو کہتے ہیں، انسان کے پاس جو چیز حفاظت کے لئے رکھی جائے اسکو امانت کہتے ہیں قرآن مجید کی آیت یا ایہا الذین امنوا لا تخونوا اللہ و الرسول وتخونوا انکم

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو دوسری آیت مبارکہ انا عرضنا الامانۃ علی السموات و الارض و الجبال (سورۃ الاحزاب آیت ۷۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی اور آیت مبارکہ ہے ومن دخلہ کان امنا (سورہ آل عمران ص ۹۷)

میں بھی ایمان کا اطلاق تصدیق پر کیا گیا ہے - وما انت بمومن لنا ولو كنا
صدیقین (سورہ یوسف آیت ۱۷۱) ترجمہ: اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے
نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں۔

اور اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے (وما كان الله
ليضيع ايمانكم (سورہ البقرہ آیت ۱۳۲)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ (تحویل قبلہ سے پہلے تمہاری پڑھی ہوئی) نمازوں
کو ضائع کر دے۔

جب جبرائیل امین علیہ السلام نے نبی ﷺ سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا
اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اسکے صحیفوں، اسکے رسولوں، قیامت اور ہر اچھی اور بری چیز کو تقدیر
کے ساتھ وابستہ مانتا ایمان ہے (اس حدیث میں چھ چیزوں کے ماننے پر ایمان کا اطلاق
کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور حدیث مبارک کی دوسری کتابوں میں بھی ہے) (المفردات
ص ۲۵-۲۶ المکتبہ المرتضویہ ایران ص ۱۳۲۲)

چنانچہ علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ ایمان تصدیق ہے، علامہ زنجبیری نے اساس میں
اس پر اعتماد کیا ہے اور اہل علم سے اہل لغت کا اسی پر اتفاق ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی
نے کہا ہے کہ ایمان کا حقیقی معنی تصدیق ہے اور کشاف میں لکھا ہے کہ کسی
شخص پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اس کی تکذیب سے مامون اور محفوظ رکھا جائے
بعض محققین نے کہا ہے کہ ایمان کا معنی تصدیق ہو تو یہ بنفسہ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا
معنی اذعان (ماننا اور قبول کرنا) ہو تو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنی اعتراف
ہو تب بھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ علامہ ازہری نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس
امانت پر امین بنایا ہے اس میں صدق کے ساتھ داخل ہونا ایمان ہے۔ بندہ جس طرح زبان

--- سے تصدیق کرتا ہے اگر اسی طرح دل سے بھی تصدیق کرے تو وہ مومن ہے اور جو صرف زبانی اقرار کرے اور دل سے تصدیق نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت کو ادا نہیں کر رہا وہ منافق ہے اور جس کا یہ زعم ہے کہ تصدیق بالقلب کے بغیر صرف زبان سے اظہار کرنا ایمان ہے وہ یا تو منافق ہوگا یا جاہل (علامہ زبیدی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ کبھی صرف زبانی اقرار پر بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے

ذالك بانهم امنوا ثم كفروا فطبع على قلوبهم (سورہ المنافقون آیت ۳)

ترجمہ: یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ زبان سے ایمان لائے پھر انہوں نے (دل کا) کفر (ظاہر) کیا تو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے اور اس آیت میں بھی زبانی اظہار پر ایمان کا اطلاق ہے۔ ان الذین امنوا ثم كفوا ثم امنوا ثم كفروا ثم ازدادوا كفرا (سورہ النساء آیت ۱۳۷)

ترجمہ: بے شک جو لوگ زبان سے ایمان لائے پھر دل سے کافر ہوئے (پھر زبان سے ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں اور بڑھ گئے۔

محقق زجاج نے کہا ہے کبھی ایمان کا اطلاق اظہار خشوع پر کیا جاتا ہے اور کبھی شریعت کے قبول کرنے پر اور نبی کریم ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں اس پر اعتقاد رکھنے اور دل سے اسکی تصدیق کرنے پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ امام راغب اصفہانی نے فرمایا ہے کہ ایمان نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا نام ہے اور کبھی بطور مدح حق کی تصدیق کرنے اور ماننے کو ایمان کہتے ہیں۔

ایمان تصدیق، اقرار اور عمل سے متحقق ہوتا ہے اور ان میں سے ہر جگہ ایک ایک پر الگ

میں خلل ہو وہ منافق ہے، جس کے اقرار میں خلل ہو وہ کافر ہے اور جس کے عمل میں خلل ہو وہ فاسق ہے۔ لیکن اعمال میں خلل والا دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پالے گا اور جنت میں داخل ہو جائے گا۔

مومن ہونے کے لئے تسلیم کرنا اور ماننا ضروری ہے۔ علامہ بدرالدین فقیہ محدث شارح بخاری شریف لکھتے ہیں ایمان کی تعریف جو تصدیق بالقلب معتبر ہے:

اس سے مراد علم، معرفت اور جاننا نہیں بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کو تسلیم کرنا اور نبی کریم ﷺ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق کرنا اور آپ کریم کو مخبر صادق ماننا ہے کیونکہ بعض کفار بھی حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو جانتے تھے لیکن وہ مومن نہیں تھے قرآن مجید میں آیت کریمہ ہے الذین اتینہم الكتاب يعرفونہ کما يعرفون ابناءہم (سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۶)

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس آخری نبی کریم کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

دوسری آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حکایت کی ہے انہوں نے فرعون سے فرمایا آیت قل لقد علمت ما انزل ہؤلاء الارب السموت و الارض بصائر وانی لاظنک یا فرعون متبوراً (سورۃ نبی اسرائیل آیت ۱۰۲)

ترجمہ: حضرت موسیٰ نبی علیہ السلام نے فرمایا یقیناً تو جانتا ہے کہ ان (چمکتی ہوئی نشانیوں) کو آسمانوں اور زمینوں کے رب نے اتارا ہے جو آنکھیں کھولنے والی ہیں اور اے فرعون میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔

دونوں آیتوں کا مفاد یہ ہے اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا کفار اہل کتاب اور فرعون ملعون کو علم تھا اس کے باوجود وہ کافر تھے

اور وہ مومن نہیں تھے، نیز اس سے واضح ہوا کہ ایمان کے مستحق کے لئے صرف جاننا کافی نہیں ہے، ماننا ضروری ہے یعنی مومن اپنے قصد اور اختیار سے مخر کی طرف صدق کو منسوب کرے اور اسے اس کی دی ہوئی خبروں میں صادق کا اقرار کرے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب اس آیت مبارکہ سے مفصل بحث و تفسیر مطلوب تھی اور اس آیت مبارکہ کے دو اجزاء ہیں پہلا جزء یؤمنون اور دوسرا جزء بالغیب ہے چنانچہ پہلا جزء یؤمنون (ایمان) والا مکمل ہو چکا ہے اور مفصل طور پر محدثین و مفسرین کے اقوال مبارکہ دربارہ ایمان بیان ہوئے ہیں۔ بحث ایمان و اسلام کے بعد اب دوسرے کلمہ بالغیب کے مفہوم اور مصداق سے بحث کی جاتی ہے۔

(غیب کا معنی) اس سلسلہ میں صاحب مفردات القرآن علامہ رابع اصفہانی لکھتے ہیں جس چیز کا حواس (خمسہ) سے ادراک نہ کیا جاسکے اور نہ ہی اس کو بداہتہ عقل سے معلوم کیا جاسکے وہ غیب ہے اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے (المفردات ج ۳) اور علامہ زبیدی لکھتے ہیں جو چیز تم سے غائب ہو وہ غیب ہے۔ امام ابو اسحاق زجاج نے یؤمنون بالغیب کی تفسیر کی ہے جو چیز متقین سے غائب تھی اور نبی کریم ﷺ نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے جیسے مرنے کے بعد اٹھنا۔ جنت، دوزخ اور ہر چیز جو ان سے غائب تھی نبی کریم ﷺ نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے۔ (تاج العروس ص ۴۱۵ جلد ۱)

آیت مذکورہ میں غیب کا مصداق: علامہ قرطبی لکھتے ہیں اس جگہ غیب کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے ایک گروہ نے کہا اس آیت میں غیب سے مراد اللہ سبحانہ ہے ابن العربی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، دوسرے مفسرین نے کہا اس سے مراد قضا و قدر ہے۔

ایک جماعت نے کہا اس سے مراد قرآن اور قرآن میں مذکور غیب ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہر ایسی چیز جس کی طرف عقل کی رسائی نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ نے اس کی خبر دی ہے وہ غیب ہے، مثلاً علامات قیامت، عذاب قبر، حشر و نشر، صراط، میزان اور جنت، دوزخ وغیرہ، ابن عطیہ نے کہا یہ اقوال متعارض نہیں ہیں بلکہ ان سب پر غیب کا اطلاق ہوتا ہے۔ الجامع لاحکام القرآن جلد ۱ ص ۱۱۳ آیت مذکورہ میں مؤمنین بالغیب کا مصداق)

علامہ سمرقندی لکھتے ہیں اس سے مراد صحابہ کرام اور ان کے قیامت تک کے متبعین ہیں کیونکہ وہ قرآن کے غیب کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کے حلال کو حلال اور اسکے حرام کو حرام قرار دیتے ہیں حارث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے کہا اے اصحاب محمد ہم آپ کو اس لئے افضل سمجھتے ہیں کہ آپ نے سیدنا محمد ﷺ کا دیدار کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم تم کو اس لئے افضل سمجھتے ہیں کہ تم آنحضرت کریم پر بن دیکھے ایمان لائے اور افضل ایمان بالغیب ہے، پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھی (الذین یؤمنون بالغیب) (تفسیر سمرقندی جلد ۱ ص ۹۰)

حضرت امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ کو دیکھا اس کے لئے ایک سعادت ہے اور جس نے مجھ نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اسکے لئے سات سعادتیں ہیں، (مسند امام احمد جلد ۵ ص ۲۶۴)

(امام مسلم روایت کرتے ہیں) حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے ان میں سے ایک شخص کی یہ خواہش ہوگی کہ کاش وہ اپنے (سارے) اہل اور مال کے بدلہ میں میری زیارت کر لے

مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق جائز ہے یا نہیں

اس آیت میں متّقین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی جنت، دوزخ وغیرہ کی تصدیق کرتے ہیں اور تصدیق علم کی قسم ہے، اس کا معنی ہے وہ غیب کا علم رکھتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متّقین کے علم پر علم غیب کا اطلاق فرمایا ہے، لیکن یہ واضح رہے کہ اس غیب سے مراد غیب المطلق (جمع معلومات الہیہ) نہیں ہے بلکہ غیب کے وہ افراد مراد ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے متّقین کو رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے خبر دی ہے ہمارا مدعا صرف اتنا ہے کہ مخلوق کی طرف علم غیب کا اسناد عقلاً جائز ہے شرک نہیں ہے بشرطیکہ اس سے مراد مخصوص غیب ہو (الغیب المطلق) تمام معلومات کا علم نہ ہو

علامہ زنجشیری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب سے مراد وہ مخفی چیز ہے جس کا ابتداءً صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہوتا ہے اور ہم کو اس میں سے صرف ان ہی چیزوں کا علم ہوتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم دیا ہے یا جن کے علم پر دلیل قائم ہے، اس لئے مطلقاً یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص کو غیب کا علم ہے اور یہاں غیب سے مراد صانع اور اس کی صفات، امور نبوت، حشر و بشر اور حساب وغیرہ ہیں (تفسیر کشاف جلد ۱ ص ۱۷)

امام رازی وضاحت کرتے ہیں: رباوہ غیب جس کے حصول پر دلیل قائم ہے تو یہ کہنا ناجائز نہیں کہ ہمیں اس غیب کا علم ہے جس کے حصول پر ہمارے لئے دلیل قائم ہے۔

(تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۲۲۹)

متعدد مفسرین کرام نے (وعلمناہ من لانا علما -- سورة الکہف) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت خضر کو غیب کا علم تھا (حضرت امام سیوطی شافعی لکھتے ہیں حضرت خضر ایک مرد تھے جو علم الغیب جانتے تھے) (الدر المنثور ج ۴ ص ۲۳۱)

علامہ ابن جوزی جنبلی لکھتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے

حضرت خضر کو علم الغیب سے علم عطا فرمایا تھا (زاد المسیر جلد ۵ ص ۱۶۹)

حضرت علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں ہم نے ان کو اپنا علم لدنی سکھایا یعنی علم الغیب

(الجامع لاحکام القرآن)

علامہ ابو سعود حنفی نے اس علم کے متعلق فرمایا ہے یہ غیوب کا علم ہے۔

علامہ آلوسی حنفی نے بھی لکھا ہے یہ غیوب کا علم ہے (روح المعانی جلد ۵ ص ۳۳۰)

انکے علاوہ علامہ ابن جریر طبری، علامہ ابو حیان اندلسی، علامہ شوکانی، علامہ اسماعیل حنفی

حنفی، علامہ بیضاوی شافعی اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی ظاہری نے اس آیت کی

تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے ان کے علاوہ بعض دیگر مستند علماء نے مخلوق کی طرف علم غیب کی

اضافت کو جائز لکھا ہے

علامہ ابن حجر مکی شافعی لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں کہتا ہوں کہ مؤمن کو علم غیب

ہے اس سے میری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اولیاء کو بعض غیوب کا علم عطا فرماتا ہے تو اس کا یہ

قول مقبول ہوگا کیونکہ یہ عقلاً جائز ہے اور نقلاً واقع ہے، یہ ان جملہ کرامات سے ہے جو شمار

سے باہر ہیں۔ بعض اولیاء کرام کو خطاب (الہام) کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے، بعض کو

کشف حجاب کے ذریعہ غیب کا علم ہوتا ہے اور بعض اولیاء اللہ کے لئے لوح محفوظ کو منکشف

کر دیا جاتا ہے اور وہ اسکو دیکھ لیتے ہیں اور اسپر دلیل کے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت خضر

بعض کے نزدیک ولی تھے) اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ وہ نبی تھے اور قرآن کریم نے ان کے علم

غیب کو بیان کیا ہے، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کے حمل کے متعلق

خبر دی کہ ان کے ہاں لڑکا ہوگا اس کے لئے حصہ میراث رکھنا اسی طرح ہوا اور حضرت عمرؓ

۱۱۱۹۹

رضی اللہ عنہ پر عجم میں ساریہ اور اسکا لشکر منکشف ہو گیا اور انہوں نے جمعہ کے دن دوران خطبہ کہا اے ساریہ پہاڑ کی اوٹ میں ہو جاؤ۔ رسالہ قشیریہ اور عوارف المعارف میں بعض اولیاء کے غیب کی خبر دینے کے بہت واقعات ہیں۔ فتاویٰ حدیثیہ جلد ص ۲۵۶ حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں: شیخ اکبر ابو عبد اللہ نے اپنی کتاب معتقد میں لکھا ہے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ بندہ اپنے احوال میں ترقی کرتا ہو ا مقام روحانیت میں داخل ہو جاتا ہے پھر اس کو غیب کا علم ہوتا ہے (مرقات جلد ص ۶۲)

علامہ شامی لکھتے ہیں جس شخص نے ایک معاملہ میں یا چند معاملات میں علم غیب کا دعویٰ کیا اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، علامہ نووی نے روضۃ الطالبین میں جو تکفیر کی نفی کی ہے اس کا یہی محمل ہے اور جس نے تمام معاملات میں علم کا دعویٰ کیا اس کی تکفیر کی جائے گی اور جن فقہاء نے علم غیب کے مدعی کی تکفیر کی ہے اس کا یہی محمل ہے (ریل ابن عابدین جلد ۲ ص ۳۱)

نیز علامہ شامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں علامہ ابن حجر مکی نے کہا ہے کہ قرآن مجید کی جن آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے غیر سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہ اس کے منافی نہیں ہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرحمۃ کا علم اللہ کے اعلام (خبر دینے) سے ہے

اور ہمارا علم ان کے اعلام سے ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس علم کا غیر ہے جس کے ساتھ وہ متفرد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اس کی صفات قدیمہ ازلیہ دائمہ ابدیہ میں سے ایک صفت ہے، جو علامات حدوث، تغیر اور نقص سے منزہ ہے، بلکہ وہ علم واحد ہے جس سے اس کو تمام کلیات اور جزئیات اور ماکان و مایکون کا علم ہے (صفت واحدہ امور غیر متناہیہ کے لئے منشاء انکشاف ہے اور مخلوق کا علم اس طرح نہیں ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے جس علم کے ساتھ اپنی مدح کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کے علم میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا وہی علم ہے اور اللہ کے علاوہ اگر کسی کو غیب کا علم ہے تو اس کو اللہ

تعالیٰ کے اعلام اور اس کی اطلاع سے چند جزئیات کا علم ہے اور اس وقت مطلقاً یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان کو غیب کا علم ہے کیونکہ ان کے پاس کوئی ایسی صفت نہیں ہے جسکے ساتھ وہ مستقلاً علم غیب کو حاصل کرنے پر قادر ہوں نیز ان کو از خود علم نہیں ہوتا انکو علم دیا جاتا ہے اور وہ غیب مطلق کو نہیں جانتے اور ان کو جس چیز کا علم دیا جاتا ہے اس میں فرشتے اور دوسرے بھی ان کے شریک ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کو بعض غیب کی خبر دیتا ہے کسی وجہ سے محال کو مستلزم نہیں ہے اسلئے اس کا انکار کرنا عناد کے سوا کچھ نہیں۔

مزید تفصیل میں علامہ شامی لکھتے ہیں حاصل بحث یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ (الغیب المطلق)

کے علم کے ساتھ متفرد ہے جو تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور وہ اپنے رسولوں کو ان بعض غیب پر مطلع فرماتا ہے جو ان کی رسالت کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں ان کو یہ اطلاع وحی صریح کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے جو واضح اور جلی ہوتی ہے اور اسمیں کوئی شک نہیں ہے اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ اپنے بعض اولیاء کو بھی بعض غیب سے مطلع فرمائے اور یہ اطلاع انبیاء علیہم السلام کی اطلاع سے کم مرتبہ کی ہوتی ہے

بہر حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو غیب مختص ہے وہ (الغیب المطلق) ہے اور بندہ جس غیب کا مدعی ہوتا ہے وہ غیب حقیقی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اعلام اور اس کی اطلاع سے ہوتا ہے (رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۳۱۳)

حضرت مجدد امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے اس کی تشریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کر دی ہے اور یہ یقیناً حق ہے کہ کوئی شخص کسی مخلوق کے لئے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے (المملفوظ جلد ۳ ص ۴۶-۶۷)

علامہ میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ کشاف پر لکھا ہے

غیر اللہ کی طرف مطلقاً، علم غیب کی نسبت کرنا اسلئے جائز نہیں ہے کہ اس سے متبادر ہوتا ہے کہ وہ شخص ابتداءً اور از خود علم غیب رکھتا ہے نیکن جب مقید کر کے یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو علم غیب دیا ہے، یا اللہ تعالیٰ نے اس کو غیب پر مطلع کیا ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (حاشیہ کشاف پر کشاف جلد ۱ ص ۱۲۸)

نیز سیدی امام احمد رضا خان قادری رحمہ اللہ لکھتے ہیں علم غیب میں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کریم ﷺ کو علم غیب عطا فرمایا (الی قولہ) برابری تو درکنار میں نے اپنی کتابوں میں تصریح کر دی ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین کا علم جمع کیا جائے تو اس علم کو علم الہی سے وہ نسبت ہرگز نہیں ہو سکتی جو ایک قطرے کے کروڑوں حصہ کو کروڑ سمندر سے ہے کہ یہ نسبت متناہی کی متناہی کے ساتھ ہے اور وہ (علم الہی) غیر متناہی ہے، غیر متناہی کو متناہی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم کی آیت مبارکہ ہے **عَلَّمَ الْغَيْبَ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا** (سورہ الجن آیت ۲۶)

ترجمہ: وہ عالم الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا مگر جن کو اس نے پسند فرمایا ہے جو اس کے رسول ہیں

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے اور اولیاء کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا اور یہ کرامات اولیاء کے خلاف ہے؟ چنانچہ علامہ تفتازانی اسکے جواب میں لکھتے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں الغیب سے مراد عموم نہیں ہے یعنی (الغیب المطلق مراد نہیں ہے) بلکہ مطلق الغیب مراد ہے (یعنی غیر رسول سے ہر غیب کی نفی مراد نہیں) یا غیب سے غیب خاص مراد ہے اور وہ وقت وقوع قیامت ہے، جیسا کہ سیاق کلام

سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ بعض رسل ملائکہ یا بعض رسل بشر کو وقت وقوع قیامت پر مطلع فرمائے گویا کہ اولیاء کرام کو وقت وقوع قیامت پر مطلع نہیں فرماتا اور باقی غیوب میں سے جس قدر چاہے

مطلع فرماتا ہے (اور اگر اس استثناء کو منقطع قرار دیا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ جب اسم جنس مضاف ہو تو وہ بہ منزلہ معرف باللام ہوتا ہے یا یہ کلام سلب عموم کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ہر غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض غیوب پر مطلع فرمائے اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ بہ طریق وحی صرف رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے تب بھی کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ اولیاء کو بہ طریقہ الہام غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مخالفین کا استدلال اس پر قائم ہے کہ یہ کلام عموم السلب کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب میں سے کسی چیز کو کسی فرد پر ظاہر نہیں فرماتا اور یہ لازم نہیں ہے (شرح مقاصد جلد ۵ ص ۷۷/۷۶)

حضرت علامہ آلوسی بغدادی حنفی لکھتے ہیں

حق کی آنکھ سے کل کا مشاہدہ کرنا غیب ہے کبھی کثرت نوافل کی وجہ سے بندہ پر کرم ہو جاتا ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ اسکی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور قرب فرائض کے بعد وہ اور ترقی کرتا ہے پھر وہاں ایسا نور ہو جاتا ہے کہ اسکے لئے غیب شہود ہو جاتا ہے اور جو چیزیں ہمارے سامنے سے غائب ہوں وہ اس کے سامنے ظاہر ہو جاتی ہیں، اسکے باوجود جو شخص اس مقام پر واصل ہو، میں اسکے حق میں یہ کہنا جائز نہیں قرار دیتا کہ اس کو غیب کا علم ہے (

آیت مبارکہ (قل لا یعلم من فی السموات و الارض الغیب الا اللہ سورۃ النمل
آیت ۶۵)

ترجمہ: حبیب فرمادیتے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی (بذات خود) غیب کو
نہیں جانتا (روح المعانی جلد ۱ ص ۱۱۴)

نیز حضرت علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں = حق یہ ہے کہ جس علم کی اللہ کے غیر سے نفی ہے یہ
وہ علم ہے جو بذاتہ ہو اور بلا واسطہ ہو اور جو علم خواص کو حاصل ہے وہ اللہ عزوجل کے افاضہ
کرنے کی وجہ سے ہے اسلئے یہ کہنا جائز نہیں کہ انہوں نے بذاتہ اور بلا واسطہ

غیب کو جان لیا) بلکہ یہ کفر ہے اس لئے یہ کہا جائے گا کہ ان پر غیب ظاہر کیا گیا یا وہ غیب
پر مطلع کئے گئے ہیں، ہر چند کہ عقلاً یہ کہنا جائز ہے کہ انہیں غیب کا علم دیا گیا۔ وہ انہیں غیب کا علم
ہے، یا وہ غیب جانتے ہیں لیکن اسکا استعمال شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی
ظاہر آیات سے تصادم اور تعارض ہے = اللہ کریم فرماتا ہے قل لا یعلم من فی السموات
و الارض الغیب الا اللہ - اور اس میں سوء ادب بھی ہے (روح المعانی جلد ۱ ص ۲۰)

خلاصہ بحث: اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو علی حسب
المراتب غیب کی خبروں پر مطلع فرمایا ہے لیکن غیب مطلق (یعنی تمام معلومات کا احاطہ کاملہ) یہ
اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اسی کو غیب مطلق کا علم ہے اور غیب کی جن خبروں پر اللہ تعالیٰ
نے اپنے خواص کو مطلع فرمایا ہے، ان کے اعتبار سے ان بندوں کو غیب کا علم ہے، لیکن اس کو علم
الغیب کہنا درست نہیں ہے کیونکہ ان کو ایسی صفت حاصل نہیں ہے جس سے ان پر غیب منکشف
ہو، یہ علامہ شامی کی بیان کردہ توجیہ ہے۔

اور علامہ آلوسی کی توجیہ یہ ہے کہ اگرچہ ان کو بعض غیوب پر مطلع کیا گیا لیکن ظاہر آیات سے

تعارض کی بنا پر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان کو غیب کا علم ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کو غیب پر مطلع کیا گیا ہے، یا ان پر غیب ظاہر کیا گیا ہے اور امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے کہ مطلقاً علم غیب بولا جائے تو اس سے علم ذاتی مراد ہوتا ہے اس لئے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص کو علم غیب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر بعض غیب کو ظاہر فرمایا، آپ کو بعض غیب پر مطلع کیا گیا یا آپ کو غیب کی خبریں دی گئیں، اور جن علماء اور فقہاء کی عبارات میں مخلوق کی طرف علم غیب کا اسناد کیا گیا ہے، وہاں چونکہ غیب سے مراد غیب مطلق نہیں ہے اس لئے وہ عبارات عقلاً جائز ہیں اور کفر و شرک نہیں ہیں لیکن ایسا کہنا مستحسن نہیں ہے جس غیب کی خبر دے دی جائے آیا وہ غیب رہا یا نہیں؟

ایک عام سوال یہ کیا جاتا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو غیب کی خبر دے دی گئی تو پھر وہ غیب نہ رہا

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ غیب ایک امر اضافی ہے، سو جن لوگوں کو اس کی خبر نہیں دی گئی ان کے اعتبار سے وہ غیب ہے جیسے اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز غیب نہیں، سو اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا بھی اضافی ہے یعنی جو چیز ہمارے اعتبار سے غیب ہے وہ اس کا عالم ہے لیکن یہ سوال و جواب غیب کے لغوی معنی کے اعتبار سے ہے غیب کے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے یہ سوال وارد نہیں ہوتا، کیونکہ غیب کا اصطلاحی معنی ہے جو چیز حواس خمسہ (عادیہ) اور بداہتہ عقل سے معلوم نہ ہو سکے) اور جس غیب کی خبر دے دی جائے وہ پھر بھی غیب ہے کیونکہ اس کو حواس خمسہ اور بداہتہ عقل سے معلوم نہیں کیا جاسکتا مثلاً ہم کو دوزخ، جنت اور قیامت کی خبر دے دی گئی لیکن یہ چیزیں پھر بھی غیب ہیں کیونکہ ہم ان کو حواس خمسہ (عادیہ) سے معلوم نہیں کر سکتے، نہ بداہتہ عقل سے جان سکتے ہیں اگر یہ سوال کیا جائے کہ صاحب قوت

قد سیه تو مغیبات کا مشاہدہ کر لیتا ہے اسکے لئے یہ چیزیں غیب نہ رہیں
اسکا جواب یہ ہے کہ یہ چیزیں اس کے لئے بھی غیب ہیں کیونکہ وہ بھی اپنے حواسِ خمسہ
عادیہ سے ان چیزوں کو نہیں جان سکتا اس نے ان کو غیر معمولی اور غیر مادی قوتوں سے جانا ہے
اور اللہ کریم کو عالم الغیب اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ جو چیز انسان کے حواسِ خمسہ (عادیہ) اور
اس کی بداہتہ عقل سے معلوم نہ کی جاسکے، وہ اسکا عالم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حواسِ خمسہ اور عقل
سے پاک اور منزہ ہے۔

اعمالِ حقیقتِ ایمان میں داخل نہیں

اس مسئلہ کی تفصیل میں آیات قرآن مجید اور احادیث نبویہ شریفہ پیش کی جاتی ہیں
ملاحظہ ہو آیت مبارکہ ان الذین امنوا و عملوا الصلحت کانت لهم جنۃ
الفردوس نزل (سورہ کہف آیت: ۱۰۷)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے جنت
الفردوس کی مہمانی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف میں
اصل تغایر ہے اس سے معلوم ہوا کہ اعمالِ ایمان کا غیر ہیں اور ایمان میں داخل نہیں۔ ایک
دوسری آیت مبارکہ میں ہے من عمل صالحاً من ذکر وانثی و هو مؤمن
فلنحییہ حیوۃ طیبۃ (سورہ النحل آیت ۹۷)

ترجمہ: جس نے نیک عمل کئے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہے تو ہم اسکو
ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔ اس آیت مبارکہ میں اعمال کو مشروط
اور ایمان کو اعمال کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے اور مشروط خارج از شرط ہوتا ہے اس سے
واضح ہو گیا کہ اعمالِ ایمان سے خارج ہیں اسی نہج پر مزید آیات موجود ہیں۔ آیت کریمہ ہے و من

ومن يعمل من الصلحت من ذكرا وانثى وهو مؤمن فاولئك يدخلون
الجنة (سورة النساء آیت ۲۴)

ترجمہ: اور جس نے نیک کام کئے خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ
جنت میں داخل ہوں گے - ومن يعمل من الصلحت وهو مؤمن فلا يحف
ظلمًا ولا هضمًا (سورة طہ آیت ۱۱۲)

ترجمہ: اور جس نے نیک کام کئے بشرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کو ظلم کا خوف نہ ہو گا نہ
کسی نقصان کا - واصلحو اذات بينكم واطيعوا الله ورسوله ان كنتم
مؤمنين (سورة انفال آیت ۱۰)

ترجمہ: اور اپنے باہمی معاملات درست رکھو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو
بشرطیکہ تم مومن ہو

مزید یکہ قرآن مجید میں مرتکب کبیرہ پر بھی مومن کا اطلاق کیا گیا ہے اگر نیک اعمال ایمان
کا جزء ہوتے تو معصیت کبیرہ کرنے والے پر مومن کا اطلاق نہ کیا جاتا اور نہ ہی قرآن
مجید سے مومن کا لقب دیتا - آیت مبارکہ ہے یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم
القصاص فی القتل (سورہ بقرہ آیت ۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر ان کا بدلہ فرض کیا گیا ہے جن کو ناحق قتل کیا گیا ہے مقصدیکہ
قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور اس آیت میں قاتل پر مومن کا اطلاق کیا گیا اور مومن کہا
گیا ہے حالانکہ ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ - ایک دوسری آیت مبارکہ میں ہے وان
طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما (سورہ الحجرات آیت ۹)

ترجمہ: اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتال کریں تو ان میں صلح کرادو جب
دو جماعتیں قتال کریں گی تو ان میں سے ایک حق پر اور دوسری باطل پر ہوگی اور اس آیت

میں دونوں جماعتوں پر مؤمنوں کا اطلاق کیا گیا ہے دونوں کو مومن ٹھہرایا گیا ہے۔ و سوبوا
الی اللہ جميعا ايها المؤمنون (سورة النور آیت ۳۱)

ترجمہ: اے مومنو تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔ اور واضح ہے کہ معصیت پر توبہ
واجب ہوتی ہے اس آیت میں اللہ نے مومنین کو توبہ کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ
معصیت خواہ کتنی بڑی ہو ایمان کے منافی نہیں ہے ایک دوسری آیت میں ہے یا ایہا
الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا (سورة التحريم آیت ---)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی طرف خاص توبہ کرو۔

بحث دیگر (ایمان کی کمی، زیادتی کے جواز و عدم جواز کی بحث)

ائمہ ثلاثہ، محدثین اور دیگر اسلاف کا دعویٰ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی
و زیادتی ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی آیات سے استدلال کیا جاتا ہے آیت شریفہ ہے و اذا تلبیت
عليهم آیاتہ زادتهم ایمانا (سورة الانفال آیت ۲۰)

ترجمہ: اور جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو زیادہ کر دیں
ایک دوسری آیت ہے و اذا ما انزلت سورہ فمنہم من یقول ایکم زادته ہذہ
ایمانا ، فاما الذین امنوا فزادتهم ایمانا وہم یستبشرون (سورة التوبہ آیت ۱۲۳)

ترجمہ: اور جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس
سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کر دیا ہے سو جو ایمان والے ہیں تو اس سورت
نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

دیگر آیت مبارکہ ہے الذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم
فاخشوهم فزادهم ایمانا (سورة آل عمران آیت ۱۷۳)

لوگوں نے ان سے کہا بے شک لوگوں نے (تم سے مقابلہ کے لئے بڑے لشکر) جمع کر لئے ہیں سو تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا

ولما رأى المؤمنون الأحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله وما زادهم الا إيماناً وتسليماً (سورة احزاب آیت ۲۲)

ترجمہ: اور جب مسلمانوں نے (کافروں کے) لشکر دیکھے (تو) کہنے لگے یہ وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اسلام زیادہ ہی ہوا۔

والذين اهتدوا زادهم هدى (سورة محمد آیت ۱۷)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے ہدایت کو قبول کیا اللہ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کر دیا
وما جعلنا عدتهم الا فتنة للذين كفروا ليستيقن الذين اوتوا الكتاب
ويزداد الذين امنوا ايماناً سورة المدثر آیت ۳۱

اور ہم نے (دوزخ کے فرشتوں کی تعداد) صرف اسلئے مقرر کی ہے کہ کافروں کی آزمائش ہو، اہل کتاب یقین کر لیں اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے

هو الذى انزل السكينة فى قلوب المؤمنين ليزدادوا ايماناً مع ايمانهم
(سورة الفتح آیت ۴)

ترجمہ: وہی ذات ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں ایمان کی اور زیادتی ہو۔

آیات قرآن کریم کے علاوہ احادیث مبارکہ سے استشہاد کے طور پر مرویات ذکر کی جاتی ہیں ائمہ ثلاثہ، محدثین اور دیگر اسلاف جن کے نزدیک اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے انہوں نے بکثرت احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں سے

بعض احادیث یہ ہیں

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایمان کے ساٹھ اور کچھ حصے ہیں اور حیا بھی ایمان کا ایک حصہ ہے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے مستحق نہیں اور محمد کریم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور جب وہ یہ کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں کو محفوظ کر لیں گے ماسوا اس کے جو اسلام حق ہو اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

ایمان کی کمی اور زیادتی کے دلائل کا جواب

مذکورہ الصدر آیات اور احادیث سے ائمہ ثلاثہ اور محدثین نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان کا جزء ہیں اور ایمان میں کمی و زیادتی ہوتی ہے اگر اعمال کم ہوں گے تو ایمان کم ہوگا اور اگر اعمال زیادہ ہوں گے تو ایمان زیادہ ہوگا

ان تمام آیات و احادیث کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام آیات و احادیث ایمان کامل پر محمول ہیں اور ایمان کامل میں اعمال داخل ہیں اور نفس ایمان میں اعمال داخل نہیں اور ان آیات اور احادیث میں نفس ایمان بالاتفاق مراد نہیں ہے۔

بعض متاخرین نے یہ کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے خواہ ایمان تصدیق اور اعمال کا مجموعہ ہو یا فقط تصدیق کا نام ہو کیونکہ تصدیق بالقلب جو اعتقاد جازم ہے اور قوت و ضعف کو قبول کرتا ہے کیونکہ جس شخص کو ہم قریب سے دیکھتے ہیں اس کی ہمیں اس سے زیادہ تصدیق ہوتی ہے جس کو ہم دور سے دیکھتے ہیں۔۔۔۔۔ بعض محققین نے یہ کہا

ہے کہ حق یہ ہے کہ تصدیق دو وجہوں سے کی اور زیادتی کو قبول کرتی ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تصدیق کیفیت نفسانیہ ہے جیسے خوشی، غم اور غصہ وغیرہ کیفیات نفسانیہ ہیں اور ان میں قوت، ضعف اور کمی، زیادتی ہوتی ہے اسی طرح تصدیق میں بھی کمی اور زیادتی ہوتی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ اور عام افراد امت کا ایمان برابر ہو اور یہ اجماعاً باطل ہے اور دوسری وجہ ہے تصدیق تفصیلی کیونکہ انسان کو جس، جس چیز کے متعلق علم ہوتا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ اسکو لے کر آئے ہیں اس کا ایمان اسکے ساتھ متعلق ہوتا جائے گا اور ایمان زیادہ ہوتا جائے گا۔ بعض علماء نے اسکی تفصیل میں یہ کہا ہے کہ پہلے انسان اجمالی طور تمام شریعت پر ایمان لاتا ہے پھر جیسے جیسے اس کو احکام شرعیہ کی تفصیل کا علم ہوتا جاتا ہے وہ ان سب پر ایمان لاتا جاتا ہے اور یوں اس کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور بعض محققین نے یہ کہا ہے زیادہ غور و فکر کرنے اور کثرت و کمال سے ایمان زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے صدیقین اور علماء راہنہ کا ایمان دوسروں کی نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے یہی وجہ ہے تشکیک اور مغالطہ آفرینی سے ان کا ایمان متزلزل نہیں ہوتا = عمدہ القاری جلد ۱ ص ۱۰۸/۱۰۹

کیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں ایک بحث یہ ہے کہ آیا ایمان اور اسلام متغایر ہیں یا متحد ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں کہ لغت میں اسلام کا معنی ہے انقیاد (طاعت) اور اذعان (ماننا اور تسلیم کرنا) اور اسلام کا شرعی معنی ہے رسول اللہ ﷺ کو مان کر اللہ کی اطاعت کرنا، کلمہ شہادت پڑھنا، واجبات پر عمل کرنا اور ممنوعات کو ترک کرنا، کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے اسلام کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کریم کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز

قائم کرو، زکوٰۃ مفروضہ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو، اور اسلام کا اطلاق دین (محمد ﷺ) پر بھی کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں دین یہودیت، دین نصرانیت، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان الدین عند اللہ الاسلام (سورہ آل عمران آیت ۱۹)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ذاق طعم الاسلام من رَضِيَ بالله رباً وبالاسلام ديناً
ترجمہ: جس شخص نے اللہ کو رب مان لیا اور اسلام کو دین مان لیا اس نے اسلام کا ذائقہ چکھ لیا

پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے: محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام متغایر ہیں اور یہی صحیح ہے اور بعض محدثین، متکلمین اور جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام شرعاً مترادف ہیں ایمان کی اصل تصدیق ہے اور اسلام کی اصل استلام اور انقیاد (اطاعت) ہے۔ بسا اوقات انسان ظاہر میں اطاعت گزار ہوتا ہے اور باطن میں اطاعت گزار نہیں ہوتا اور کبھی باطن میں صادق ہوتا ہے اور ظاہر میں اطاعت گزار نہیں ہوتا

میں کہتا ہوں (مصنف تبیان القرآن) کہ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوتی ہے جیسا کہ بعض فضلاء نے اسکی تصریح کی ہے اور تحقیق یہ ہے کہ ان میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے کیونکہ کبھی ایمان بغیر اسلام کے ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر رہے اپنی عقل سے اللہ کی معرفت حاصل کرے اور کسی نبی کی دعوت پہنچنے سے پہلے اللہ کے وجود اور اس کی وحدت اور اس کی تمام صفات کی تصدیق کرے، اسی طرح کوئی شخص تمام ضروریات دین پر ایمان لے آئے اور اقرار اور عمل کرنے سے پہلے اچانک مر جائے تو یہ مومن ہے اور مسلم نہیں ہے کیونکہ اسنے باطنی اور ظاہری اطاعت نہیں کی اور منافقین ظاہری اطاعت کرتے تھے اور باطنی اطاعت نہیں کرتے تھے تو وہ مسلم تھے مومن نہیں تھے اور صحابہ کرام، تابعین اور بعد کے مسلمان مومن بھی ہیں اور مسلم بھی

ہیں لہذا ایمان اور اسلام میں ایک ایک مادہ اجتماعی اور دو بادے افتراقی ہیں = علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: ایمان اور اسلام واحد ہیں کیونکہ اسلام خضوع اور انقیاد ہے یعنی احکام کو قبول کرنا اور ماننا اور یہی ایمان کی حقیقت ہے چنانچہ اسکی تائید اس آیت شریفہ سے ہوتی ہے

فاخرجنا من كان فيها من المؤمنين - فما وجدنا فيها غير بيت من المسلمين (سورة الذريات آیت ۳۶/۳۵) بستی میں جو مومنین تھے ہم نے ان سب کو نکال لیا تو ہم نے اس میں مسلمین کے ایک گھر کے سوا اور کوئی گھر نہ پایا

اگر اسلام ایمان کا غیر ہو تو اس آیت میں مومنین سے مسلمین کا استثناء صحیح نہیں ہوگا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فلاں شخص مومن ہے اور مسلم نہیں ہے یا مسلم ہے اور مومن نہیں ہے۔ ایمان اور اسلام کے اتحاد سے ہماری یہی مراد ہے (یعنی ان دونوں کا مصداق واحد ہے خواہ مفہوم متغایر ہو) اور مشائخ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کو مصداق کے لحاظ سے واحد اور مفہوم کے لحاظ سے متغایر مانتے ہیں جیسا کہ کفایہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبروں، اس کے اوامر اور نواہی کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے اور انقیاد اور خضوع (طاعت) کا نام اسلام ہے اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی تصدیق نہیں کرے گا، انقیاد متحقق نہیں ہوگا اس لئے ایمان اسلام سے مصداق کے لحاظ سے الگ نہیں ہوتا۔

ما شاء اللہ آیت کریمہ ہدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب کی تفسیر کے سلسلہ میں کلمہ یؤمنون سے بقدر استطاعت علمی اپنی بے بضاعتی کے باوجود مطالعہ سے کام لے کر بحث ایمان پر سیر حاصل بحث کرنے کی کوشش میں محدثین، مفسرین اور اصحاب علم عقائد کیتدقیقات بروئے کار لا کر حقیقت اسلام و تصدیق کو واضح کر دیا۔ اللہ کریم میری اس سعی کو قبول فرمائے

اقبال مصطفوی غفرلہ والوالدیہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
 اَمَّا بَعْدُ : لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اَسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو
 اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (سورة احزاب آیت: ۲۱)

”بے شک تمہاری راہنمائی کے لئے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ
 نمونہ اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھے ہوئے اور
 کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے“

دانشمند پر واضح ہے کہ نظریات جب تک صرف نظریات ہوں، نہ ان کے حسن و فتح کا صحیح
 اندازہ لگایا جاسکتا ہے نہ ان میں اتنی پوری کشش اور جاذبیت پائی جاسکتی ہے کہ وہ کسی کو عمل
 پر ابھار کر ایک مستقل طریق عمل پر لگا سکیں۔۔۔۔۔۔ دلائل کی کثرت اور فصاحت و بلاغت
 اور روانی کلام سے متاثر ہو کر لوگ تحسین و آفرین ضرور کریں گے، لیکن ان نظریات کو مکمل طور
 پر اپنانے اور اپنانے کے بعد ان کو پورا نبھانے کی راہ میں پیش آنے والے خطرات کو
 برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے۔

ہمارا دین اسلام فلسفیانہ نظریات کا مجموعہ نہیں اور نہ ہی محض اباحت کا اکھاڑہ ہے کہ اپنے
 ذہن رسا سے طرح طرح کی ترمیمیں کر کے ہر زمانہ میں رد و بدل کی گنجائش سے ایک نئے
 تجربہ میں آزما یا جائے، بلکہ یہ تو ایک مکمل نظام حیات ہے، جو زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی
 کرتا اور ہر مرحلہ پر پیغام دیتا ہے اور ہر معاملہ میں صحیح عمل کا درس اور حکم دے کر اس پر تعمیل
 کی ضمانت لیتا ہے اس کی تعلیمات پر کار بند ہونا اس وقت تک آسان نہیں، جب تک ایک
 عملی نمونہ ہمارے سامنے نہ ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی راہنمائی اور برکات سے
 مستفیض فرمانے کے لئے صرف قرآن حکیم نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی تبلیغ

کرنے کے لئے اپنے محبوب کو منتخب فرمایا تاکہ وہ ارشادات خداوندی پر عمل کر کے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی میں جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے، اس کا عملی نمونہ پیش کرے اور جو حق کے متلاشی ہیں وہ قرآنی تعلیمات اور عملی طرز زندگی کی تصویر دیکھ کر اس کے قبول حسن سے اس پر عمل پیرا ہو جائیں

شان نزول: یہ آیہ کریمہ غزوہ خندق کے ایام میں نازل ہوئی جب کہ دعوت حق

دینے اور تبلیغ دین کرنے والوں کے راستہ میں ساری مشکلات کے ساتھ مصائب و آلام پوری شدت سے آگئے۔ دشمنان اسلام قبائل عرب کو اپنے ساتھ ملا کر حملہ آور ہوئے اور اتنا اچانک حملہ کہ اس کے پسپا کرنے کے لئے کوئی خاطر خواہ وقت تھا نہ تعداد فوج، سامان رسد اتنا قلیل کہ نوبت فاقہ کشیوں پر رہی۔ یہود مدینہ نے عین وقت اجتماع کفار مسلمانوں سے دوستی اور معاونت کا معاہدہ توڑ دیا اور صحابہ کے خلاف سازشیں کر مچے لگے۔ دشمن کے سیلاب جدال کو روکنے کے لئے مدینہ طیبہ کی مغربی سمت کو خندق کھود کر محفوظ کر لینا انتہائی ضروری ہو گیا۔

ان تمام ناگفتہ بہ حالات میں عزم و استقلال اور صبر و استقامت کے ساتھ منافقین کی غدار چالوں سے صرف نظر کرتے ہوئے دشمنان اسلام کا دفاع اس طریقہ سے کیا جاتا ہے اور ایسی جنگی تدبیریں بروئے کار لائی جاتی ہیں کہ دشمنان خدا اور رسول آپس میں ٹکراتے ہیں کہ ایک دوسرے پر بد دل اور غضب ناک ہو کر غدار یوں کا الزام لگا کر محاصرہ چھوڑ کر بکھر جاتے ہیں۔ ان مہیب خطرات میں یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی جا رہی ہے کہ میرے سچے رسول کا طریقہ زندگی و اسلام دیکھ لیا اے قیامت تک آنیوالے مسلمانوں، رسول اللہ ﷺ کی سچائی، اخلاص، للہیت، راست بازی تمہاری زندگی کے ہر موڑ پر تمہارے لئے ایک خوبصورت مینار نور اور عمدہ عملی نمونہ ہے۔ اس ذات بابرکات کے نقش قدم کو خضرِ راہ بنا لو، یقیناً منزل تک پہنچ جاؤ گے۔

تحقیق لفظ اسوہ: کلمہ اسوہ کی تحقیق کرتے ہوئے ماہر لغات عربیہ علامہ منظور

لکھتے ہیں کہ الاسوۃ والاسوۃ القدوة یعنی پیشوا-راہنما-امام

اور علامہ جوہری نے صحاح میں یوں واضح کیا ہے الاسوۃ و الاسوۃ بالکسر و

الضمة لغتان ہی مایتاسیٰ بہ الحزین ویتعزیٰ

علامہ قرطبی وضاحت کرتے ہوئے تفصیل سے بیان کر گئے ہیں:

الاسوۃ القدوة، و الاسوۃ مایتاسیٰ بہ ای یتعزیٰ فیقتدی بہ فی

جمیع احوالہ ویتعزیٰ بہ فی جمیع افعالہ و قد شجّ وجہہ و کسر

رباعیتہ و قتل عمہ و جاع بطنہ و لم یلف الاصابر ا محتسبا

و شاکرا راضیا۔

ترجمہ: اسوہ کا ایک معنی راہنما ہے اور اس کو بھی اسوہ کہتے ہیں جو غمزدہ دل کی تسلی

کا باعث ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور زخمی کیا گیا داندان مبارک توڑے گئے۔ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا شفیق کو شہید کیا گیا، بھوک برداشت کی، لیکن ان تمام حالات میں صابر و شاکر

رہے۔ اللہ کریم کی رضا کے طلب گار اور اس کی قضا پر راضی اور کسی مشکل سے مشکل وقت

میں بھی عبادات و فرائض اور تمام امور شرعیہ کی ادائیگی میں کمی واقع نہ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے انہی اطوار کا دوسرا نام سنت رسول ہے اور ہمارے لئے اصل سرمایہ زندگی و آخرت تعمیل

سنت رسول ہے اور یہی مقصد زندگی ہے، باعث فوز و فلاح بین الاقوام و دارین ہے۔

وذلك هو الفوز الكبير۔

تعریف السنۃ: دانا یا ان امت نے سنت کے مختلف معانی بیان فرمائے ہیں، لیکن

باوجود لفظی اختلاف کے، حاصل ایک ہی نکلتا ہے، چنانچہ علامہ ابو محمد عبد الحق بن امیر صاحب

نامی شرح حسامی سنۃ کالغوی اور مصطلح معنی بیان کرتے ہیں السنۃ فی اللغۃ الطریقة والعبادۃ وفی الشرع تطلق علی العبادات النافله التي يتعلق بفعالها الثواب ولايتعلق بتركها العقاب وايضا يطلق علی ما صدر من النبي ﷺ غير القرآن اور مزید وضاحت کرتے ہوئے سنت کے دونوں معنوں اور حدیث کے درمیان واضح فرق کرتے ہیں

والفرق بينهما وبين الحديث هو ان السنۃ تُطلق علی قوله وفعله وسكوته علیہ السلام وعلی اقوال الصحابة وفعالهم و الحديث يطلق علی قوله علیہ السلام خاصة وعند المحدثين السنۃ والخبر والحديثُ بمعنى واحد يطلق كل واحد منها علی قوله وفعله وسكوته علیہ السلام وعلی قول الصحابي و التابعی وعلی فعلهما وسكوتهما و بعضهم فرق بين الحديث والخبر فقال ما جاء منه علیہ السلام من الصحابي او التابعی فهو حديث وما فيه احوال السلاطين والاخبار الماضية خبر (نامی شرح حسامی ص ۱۳۵)

ترجمہ: اصطلاح شریعت میں سنت جامعہ ہے ان تمام عبادات نافلہ کو جن کے ادا کرنے پر ثواب حاصل ہوتا ہے اور ترک کر دینے سے کوئی مواخذہ یا عذاب نہ ہو، اسی طرح سنت ان امور پر بھی سچی آتی ہے، جو حضور اکرم ﷺ سے صادر و نمودار ہوئے ہیں، ماسوائے قرآن مجید کے علاوہ سنت کے ان دونوں معنوں اور حدیث کے درمیان فرق یہ ہے کہ سنت کا اطلاق قول و فعل و سکوت نبی علیہ السلام اور اقوال و افعال صحابہ پر ہوتا ہے اور حدیث کا اطلاق فعل نبی علیہ السلام پر خاص ہے اور محدثین کے نزدیک سنت، خبر، حدیث، سب ایک معنی میں ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا اطلاق قول و فعل و سکوت نبی علیہ الصلوٰۃ

والسلام اور قول صحابی و تابعی اور دونوں کے فعل و سکوت پر ہوتا ہے اور بعض واقفان حدیث نے حدیث و خبر کے درمیان فرق کرتے ہوئے بیان کیا ہے جو کچھ نبی علیہ السلام سے ظہور میں آیا ہے یا صحابی و تابعی سے بہترین عمل سرزد ہوا ہے، وہ حدیث ہے اور وہ تفصیل جس میں احوال سلاطین اور اخبار گزشتہ آئی ہوں، وہ خبر ہے۔

اور امام راغب اصفہانی اپنی بے مثل تصنیف ”لغات القرآن مفردات فی غریب

القرآن“ میں سنت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سنت النبی علیہ الصلوٰۃ و السلام طریقته التی کان یتحراها سنت نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کا وہ عملی طریقہ مبارک ہے کہ آپ کریم جسکی تعین میں کوشاں رہتے تھے۔۔۔۔۔۔ کتب لغات میں سنت کا معنی طریقۃً واسعۃً بھی آیا ہے یعنی اس کشادہ راستہ کو کہا جاتا ہے، جس پر تواتر سے چلنے کے باعث وہ انتہائی صاف اور واضح ہو گیا ہو۔ (المنجد) کتاب مستطاب جہیت حدیث میں سنت کے معنی کو مختلف طرق سے مزید واضح کیا گیا ہے، لکھتے ہیں کہ سنت لغت میں اس راستہ کو کہا جاتا ہے جس پر متواتر چلنے کی وجہ سے وہ صاف اور واضح ہو گیا ہو، جسے طریق معتبہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ راسخ عادات اور مستمرہ اعمال پر بھی سنت کا اطلاق متعارف ہے اسی محاورہ کے مطابق طریقہ اور سیرت بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں چنانچہ صحیح مسلم شریف میں خبر واحد ہے: من سن سنةً حسنةً فله اجرٌها واجرٌ من عمل بها (مسلم شریف ص ۳۲۷: ج ۱)

مزید برآں یہ کہ اصول فقہ کے متون میں بعض علماء نے فرمایا سنت کا لفظ صرف آنحضرت ﷺ کے اعمال پر اطلاق کیا جاتا ہے اور حدیث کا لفظ اقوال پر لیکن ادلہ شرعیہ کے تذکرہ میں وہ حدیث اور سنت کو مترادف اور ہم معنی خیال کرتے ہیں۔

سنت کا لفظ جب اضافت سے مستعمل ہو تو سنت نبویؐ سے مراد احادیث نبویؐ ہی لی جاتی ہیں

خلاصہ البحث: سنت اور حدیث مترادف ہیں، شرعیہ دونوں حجت ہیں بلکہ جن

احادیث کو آنحضرت ﷺ کے اقوال سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ بھی دراصل افعال ہی ہیں کیونکہ قول زبان کا فعل ہے، اسی طرح تقریر اور اجتہاد یہ بھی دراصل فعل ہی ہیں اور سنت ان سب کو شامل ہے اور تکمیل دین کے لئے ان سب پر یقین و ایمان لانا ضروری ہے ورنہ متواترات کثرت کے باوجود زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی اور محیط نہیں ہو سکتے۔ اصول فقہ کی معرکہ الآراء کتاب ”مسلم الثبوت“ میں سنت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے ماصدر عن الرسول غیر القرآن من قول و فعل و تقریر مقصد یہ کہ سنت حجت شرعیہ شمار کی گئی ہے اور جسے احکام کا ماخذ سمجھا گیا ہے، وہ ضروری ہے کہ قرآن کے علاوہ ہو۔

سنت پر قرآن سے استدلال: چنانچہ سنت کا مقام اطاعت میں قطعاً مستقل

ہے جس طرح قرآن کریم کی تصریحات واجب الاطاعت ہیں اسی طرح قرآن عزیز کے علاوہ جو تصریحات پیغمبر علیہ السلام سے منقول ہوں گی۔ اگر قرآنی نصوص میں بصراحت موجود نہ ہوں تو بھی ان کی اطاعت یہ نص قرآن فرض ہے اور انکار کفر ہے کیونکہ وحدت فی الاطاعت کی آیات مبارکہ قرآن مجید میں کثرت سے وارد ہیں یعنی اللہ اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت میں تفریق نہیں ہے، کیونکہ یہ درحقیقت دو نہیں بلکہ ان کا منبع اور اصل ایک ہی ہے

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ اللہ کے رسول کی اطاعت فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ (پارہ: ۵ آیت: ۸۰)

ان دونوں اطاعتوں میں فرق نہیں ہے وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ تعالیٰ

کے اذن سے۔ (سورۃ النساء آیت: ۶۳)

واضح ہوا کہ ہر رسول کی اطاعت اللہ کریم کی اجازت سے ہے۔ ارشاد اللہ تعالیٰ کا ہے،
زبان آنحضرت کریم ﷺ کی ہے۔

ياايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم
فان تنازعتم في شئ فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله
و اليوم الاخر ذلك خير واحسن تاويلا (سورۃ النساء آیت: ۵۹)

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کریم ﷺ کی اور ارباب حکم و اقتدار کی،
لیکن اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کے سپرد کرو۔
اگر تم اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ہو۔ یہ طریق انجام کار بہتر ہے۔“

اس آیت مبارکہ میں تین اطاعتوں کا ذکر ہے۔ پہلی دو اطاعتیں مستقل ہیں، جن میں تصادم
اور نزاع کا امکان ہی نہیں، اسلئے وہاں اس خطرے کا اظہار نہیں فرمایا گیا۔

تیسری اطاعت غیر مستقل اور عارضی قسم کی ہے، کیونکہ امراء اور ارباب اقتدار ممکن ہے
کوئی ایسی حرکت یا کثرت کر گزریں جو اللہ کی مرضی اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
ارشادات کے منافی ہو، اس صورت میں ان کی اطاعت ختم ہو جائے گی۔

ارباب اقتدار کے مصالح کچھ ہی کیوں نہ ہوں، انکو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ
کے ساتھ نزاع کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اس لئے ان کی اطاعت عارضی ہے مستقل نہیں۔
داوئی الامر سے مراد خلافت الہیہ ہے یا امارت شرعیہ یا مرکز ملت ان کی اطاعت عارضی ہوگی
اور غیر مستقل اس کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ خلفاء اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں رہیں اور
ان سے نزاع و خلاف نہ کریں۔ آیت مبارکہ کا واضح منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ سربراہ اور قائد
کا جو بھی نام رکھا جائے اس کی اطاعت اور وفاداری واجب ہے بشرطیکہ وہ خدا اور اس کے

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وفادار ہو اس لئے کہ حدیث شریف میں صراحت ہے لَا طَاعَةَ

لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ خَالِقٍ (الحدیث)

اسکے برعکس رسول کریم ﷺ کے ہر حکم پر تسلیم اور تعمیل کا طوق پہنایا جا رہا ہے اور ہر چھوٹی، بڑی شے سے روکنے پر قطعاً عمل ممنوع کیا جا رہا ہے مَا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

سیرۃ الرسول فی القرآن: آنحضرت ﷺ کی سیرت دنیا والوں کے سامنے

ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے لیکن اس کا زیادہ تر ذخیرہ احادیث و مرویات میں ہے منکرین حدیث ممکن ہے اس ذخیرہ پر اعتماد نہ کریں، اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی سیرت قرآن عزیز کے مطالعہ سے معلوم کی جائے تاکہ قرآن مجید کا طالب علم سمجھ سکے کہ جس شخص کی سیرت اس طرح روشن ہے آیا اس کا قول، فعل اور تقریر و اجتہاد قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ تو قرآن کریم نے کتنے عمدہ اور موثق طریقہ سے کردار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کی عصمت و علم اور اخلاق کریمانہ کو مفصل انداز میں بیان فرمایا تاکہ قیام قیامت تک قاری قرآن کو اس رسول معظم ﷺ پر حرف و نکتہ کی گنجائش نہ مل سکے بلکہ پوری تسلیم و اطاعت سے اس دانائے راز اور حکیم کائنات کے ہر قول و فعل اور تائید پر عمل کی راہ اختیار کرے اور بس

(۱) ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ مَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ وَإِن لَّكَ

لَا جْرَ غَيْرَ مَمْنُونٍ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (سورۃ القلم آیت نمبر: ۱، ۲، ۳)

ترجمہ: قلم اور اس کے لکھنے کی قسم، اللہ تعالیٰ کے فضل سے تم مجنون نہیں، تمہارے

لئے دائمی اجر ہے اور تم عظیم اخلاق کے مالک ہو۔

حضور نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات سے کہانت اور جنون ایسی مذموم عادات کی نفی کی

گئی ہے اور آپ کے اعمال و اطوار زندگی کو اس طرح سراہا گیا ہے اور انہیں یہ خصوصیت عطا

فرمائی گئی ہے کہ آپ کا اجر کبھی ختم نہ ہوگا۔ یہ صدقہ جاریہ ہے جو جناب کریم کے انتقال کے بعد بھی جاری رہے گا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی عملی زندگی کی بہت بڑی خوبی ہے کہ اس کی قبولیت اور دائمی اجر کا اعلان بذریعہ قرآن اسی دنیا میں کر دیا گیا۔ جس شخص کی پاکیزگی اور اخلاص عمل پر اسی دنیا میں اعتماد فرمایا گیا کیا اس کے ارشادات پر عمل و اعتماد نہ کیا جائے گا، یقیناً وہ ارشاد و عمل اعتماد کئے جانے کا حقدار ہے۔

خُلِقَتْ مَبْرَأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ حَقٌّ هُوَ

نگاہِ ناز جسے آشناؤ راز کرے

وہ اپنی خوبی قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

عمدہ اخلاق کی ان بلندیوں پر فوز کے بعد اور سیرۃ رسول کی اس سرفرازی کے باوصف جس کا اعتراف قرآن مجید نے اس صراحت کے ساتھ فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال و اعمال پر بالیقین کامل اعتماد ہوتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ کسی کمزوری کا تصور تک کیا جائے۔

(۲) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (سورہ آل عمران)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے امیوں میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، جب کہ یہ لوگ اسکی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔۔۔۔۔ آ یہ کریمہ سے چند امور ثابت ہو رہے ہیں

(۱) آنحضرت ﷺ ایسے ماحول میں نبوت سے سرفراز کئے گئے جہاں تعلیم کا چرچا

اور تعارف نہ تھا اور نہ ہی مہذبانہ ممتاز علمی رواج تھا۔

۲- ایسے گپ اندھیرے ماحول میں تعلیم و تطہیر اور حکمت کا چرچا کرنا کسی غیر نبی کے بس کی بات سے چارہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ آپ بیدریغ کھلم کھلا آیات الہیہ، وحی مبارکہ کی تلاوت فرماتے۔

۳- حضور نبی کریم ﷺ کی تربیت کے اثر سے اس ناخواندہ اور غیر مہذب اجڈ اور اکھڑ قوم کے ذہن صاف ہو گئے اور انہیں اخلاقی، روحانی اور جسمانی پاکیزگی نصیب ہوئی۔

اس جملہ میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام دونوں کی کامیابی کا اعلان ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی قوت موثرہ کا اور صحابہ کے اخذ و تاثر واقعی کی تعریف فرمائی گئی ہے۔

۴- رسول اللہ ﷺ انہیں کتاب الہی کی تعلیم دیتے تھے، وہ خود امی تھے اور معلم بھی اور حکمت فائزہ کی تعلیم بھی اس امی کی سیرت ہے۔ ان اوصاف کی روشنی میں آنحضرت ﷺ

کے ارشادات عالیہ کی جواہریت سے اور ہونی چاہیے، وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے، کیونکہ یہ کامل تعلیم کا قطعی عمدہ نتیجہ ازلی ہے، اس لئے کہ وہ ذات بابرکات

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین والے لقب سے مزین ہے۔

۵- وانزل اللہ علیک الكتاب والحکمة وعلّمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (سورہ نساء آیت: ۱۱۳)

ترجمہ: اور اتاری ہے اللہ نے اے نبی! تم پر کتاب و حکمت اور آپ کو وہ علوم سکھائے جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے،،

جب علم و حکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو سونپے گئے ہیں، تو ان کی تمام تر ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ پر ہوگی۔ پھر وہ امت کے حق میں قابل قبول حجت کیوں نہیں اور علوم نبوی کو علوم الہی سے جداگانہ کیسے کہا جاسکے گا۔

یہ ایک ایسی سند اور وحدت اطاعت ہے، جس سے راویوں پر کوئی شبہ نہیں، عنایات ربانی میں

سے خاص خاص عنایات کریمانہ کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ کریم نے آپ کو کتاب و حکمت دی اور آپ کو جملہ امور کا علم عطا فرمایا، جس کا آپ کو پہلے علم نہ تھا۔ آیت کے اس حصہ کی جو تفسیر امام المفسرین علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، اسی کی نقل پر اکتفا کرتا ہوں

وَمَنْ فَضِّلَ اللَّهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ مَعَ سَائِرِ مَا تَفَضَّلُ بِهِ عَلَيْكَ مِنْ نِعْمَةٍ إِنَّهُ أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَهُوَ الَّذِي فِيهِ بَيَانٌ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ وَالْحِكْمَةَ يَعْنِي وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ مَعَ الْكِتَابِ الْحِكْمَةَ وَهِيَ مَا كَانَ فِي الْكِتَابِ مُجْمَلًا ذَكَرَهُ مِنْ حَلَالِهِ وَحَرَامِهِ وَآمَرَهُ وَنَهَيْهِ وَأَحْكَامِهِ وَوَعْدِهِ وَوَعِيدِهِ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ مِنْ خَيْرِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ وَمَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ

ترجمہ: یعنی اے مصطفیٰ اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں احسانات سے آپ پر یہ احسان فرمایا کہ آپ کو قرآن حکیم جیسی کتاب سے نوازا جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ نیز اس میں ہدایت کا نور بھی ہے اور پسند و نصیحت بھی ایسی جامع کتاب کے ساتھ حکمت یعنی قرآن کریم کے حلال و حرام اور اوامر و نواہی وغیرہ کے اجمال کی تفصیل بھی نازل کی۔ نیز آپ کو ان امور کا علم عطا فرمایا، جن کا پہلے آپ کو علم نہ تھا یعنی گزرے ہوئے اور آنے والے لوگوں کی خبروں کا علم جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے، اس کا بھی علم عنایت فرمایا۔

امام ابن جریر دانا کے منقولہ الفاظ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ما کان وما ہو کائن عطا فرمایا تھا بعینہ یہی الفاظ امام مسلم نے صحیح مسلم میں حضرت ابو زید عمرو بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کئے ہیں علاوہ ازیں قرآن حکیم نے رسول کریم ﷺ کی تبلیغ کی

راہنمائی میں صراطِ مستقیم واضح فرما کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل، تقریر و تائید کو قطعی الثبوت والعمل قرار دیا ہے -

آخری فیصلہ: یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم (سورۃ محمد آیت: ۳۳)

اے راہِ حق کے متلاشیو اور صداقت کے فریفتہ مسلمانو! اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول ہادی ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ نتیجہ یہ کہ رسول کی اطاعت سے انکار و انحراف سے بھی تمہارے اعمال رائیگاں جائیں گے، جیسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ آیہ مبارکہ سے رسول معظم ﷺ کے موقف کی کس قدر کھلی تائید ہوتی ہے زیر بحث موضوع میں اصل مقصد یہ ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ کو عملی زندگی میں اپنایا جائے اور اس اسوہ رسول اللہ ﷺ میں اپنی تمام تر سرخرویاں اور کامرانیاں مضمر یقین رکھنا چاہئیں اور مزید سے مزید احکام قرآن مجید کے بعد سنت و حدیث پر یقین محکم کی صورت میں اعمال کا انحصار از بس ضروری ہے۔ ورنہ نجاتِ اخروی کی امید مشکل بلکہ بہت مشکل ہے کیونکہ حضور سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کی حکیمانہ اور فلسفیانہ زندگی مسلمان کے لئے مینار و نور کی حیثیت سے مشعلِ راہ ہے اور اسی ذات ستودہ صفات کے ساتھ اور اس کی سیرت طیبہ کے ساتھ وابستگی ہی اصل کامیابی دنیا و آخرت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ بڑے حکیمانہ انداز میں بیان ہوئی۔ اگر ان تمام مقامات کو بغور پڑھا جائے، تو سنت کی حجیت اور آنحضرت ﷺ کے اتباع کی فرضیت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل قوی میسر آ سکتی ہے کہ اللہ کریم نے بندے کو اپنا محبوب بنانے

کے لئے اپنے رسول مکرّم ﷺ کی اتباع کا حکم فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ میری بارگاہ میں تمہاری پسندیدگی کا معیار رسول رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ﷺ کی عملی زندگی کی پوری پوری اتباع اور اسکی سیرت حسنہ سے وابستگی اور عملی نمونہ کے ساتھ امتثال ہے۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله و يغفر لكم ذنوبكم
(سورہ آل عمران آیت: ۳۱)

کسی شاعر مخلص نے کیا خوب کہا ہے

لو كان حبك صادقاً لاطفته

فان المحب لمن يحب مطيع

ترجمہ: اگر تیری محبت سچی ہوتی، تو تو اپنے محبوب کی محبت میں سرگرم ہوتا، کیونکہ محبت تو ہمیشہ اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم تسمعون
(سورۃ انفال آیت: ۲۰)

”اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ روگردانی کرو اس سے،
حالانکہ تم سن رہے ہو“

اطاعت خدا اور اطاعت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام عقائد اسلامیہ اور شریعت بیضاء کا سنگ
بنیاد ہے۔ اس اطاعت کاملہ کے سوانہ اسلامی عقائد کا پتہ چل سکتا ہے اور نہ شریعت کا مقصد
پورا پورا حاصل ہو سکتا ہے

قرآن مجید کے طرز بیان اور اسلوب دعوت و تبلیغ پر غور کیجئے کہ مومنین کو منازل کا مرانی پر فائز
کرنے کے لئے بار بار اطاعت خدا کے ساتھ اطاعت رسول کا حکم دیا جا رہا ہے، کیونکہ اتباع
و اطاعت رسول کی راہنمائی ہی میں بندہ صحیح راہ شریعت پر کار بند ہو سکتا ہے اور اگر کوئی
آدمی بغیر اطاعت رسول کے اور ماسوائے اتباع رسول کے راہ حق کا متلاشی بنتا ہے، تو وہ
ہرگز ہرگز راہ صواب نہیں پاسکے گا بلکہ نشان منزل سے دور بھٹکتا ہوا جہالت کی تاریکیوں میں
گھر کر رہ جائے گا اور ہمیشہ کی محرومی کا نصیب بد نصیب مول لیتا ہوا خبیث و خسران کا مالک
رہے گا نعوذ باللہ ان نکون من الجاہلین

اسلامی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اور عملی زندگی کو مشعل راہ اور نشان کامیابی
بناتے ہوئے انسان اسلام، ایمان، احسان، خلق حسن، اخوت، ادب ایسی خصائل حمیدہ
سے آراستہ ہو سکتا ہے اور دنیا و آخرت میں سرخروئی اور سعادت ابدی سے بہرہ ور ہو سکتا ہے
جو اصول اصلیہ اسلام و انسانیت ہیں جن کی تعلیم مختلف طرق سے اس لئے دی گئی ہے، اور عملی
طور پر واضح کیا گیا ہے تاکہ محسوس طور خصائل حمیدہ اپنائے جاسکیں۔

اس سلسلہ میں سب سے بنیادی اور اہم حدیث رسول اللہ ﷺ حدیث جبریل علیہ السلام ہے، جو تقریباً تمام اطراف سیرت حسنہ پر محیط ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بینما نحن عند رسول اللہ ﷺ ذات یوم اذ طلع علینا رجلٌ شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر لا یرى علیہ اثر السفر ولا یعرفہ منا احد حتی جلس الی النبی ﷺ فاسند رکبتيہ الی رکبتيہ ووضع کفیه علی فخذیہ وقال یا محمد ﷺ أخبرنی عن الاسلام فقال رسول اللہ ﷺ الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسولُ الله وتقیم الصلوة وتؤتی الزکوة وتصوم رمضان وتحج البيت ان استطعت الیہ سبیلاً قال صدقت فعجبنا یسأله ویصدقه قال فاخبرنی عن الایمان قال ان تؤمن یا الله وملئکتہ وکتبه ورساله و الیوم الاخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ قال صدقت قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد الله کانک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک قال فاخبرنی عن الساعة قال ما المسئول عنها باعلم من السائل قال فاخبرنی عن اماراتها قال ان تلد الامه ربّتها وان ترى الحفلة العُراة العالة رعاء الشاة يتطاوئون فی البنیان قال ثم ینطلق فلبثتُ ملیاً ثم قال لی یا عمر اتدری من السائل قلت الله ورسوله اعلم قال فانه جبرئیل اتاکم یعلمکم دینکم (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے، صحابہ کرام سے ایک مجمع اور جم غفیر تھا جیسا کہ ایک دوسری روایت سے واضح ہے۔ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا، جس کا زیب تن لباس

نہایت سفید، سر کے بال بہت زیادہ سیاہ اور گھنگھریالے تھے، سفر کا اس پر کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا تھا، جسکو دیکھنے سے خیال گزرتا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے ہم صحابہ میں سے کوئی آدمی اس نووارد کو پہچانتا بھی نہیں تھا۔ حلقہ یاران نبی سے گزرتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے سامنے رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء کے گھٹنے مبارک سے گھٹنے ملائے، دوزانو ادب سے بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رانوں پر یا اپنی رانوں پر رکھ کر سائل ہوا، اے محمد! (ﷺ) مجھے بتلائیے اسلام کیا ہے؟ آپ کریم نے فرمایا: اسلام (یعنی اس کے ارکان) یہ ہیں کہ دل و زبان سے تم یہ شہادت ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور الہ یعنی مستحق عبادت و بندگی نہیں ہے اور محمد کریم (ﷺ) اسکے رسول ہیں اور نماز برپا کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور ماہ رمضان کے روزے رکھو اور اگر استطاعت رکھتے ہو تو حج بیت اللہ کرو۔ سائل بولا آپ نے سچ فرمایا۔

راوی کہتے ہیں کہ ہم حاضرین کو اس پر تعجب و حیرانی ہوئی کہ سائل دریافت کرتا ہے، پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے۔ پھر سوال کیا آپ مجھے بتلائیے ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخرت یعنی روز قیامت کو حق یقین کرو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو۔ دوبارہ کہا آپ نے سچ کہا ہے پھر سوال کیا، مجھے بتلائیے احسان کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی تم اس طرح سے کرو گویا کہ تم اپنے رب کریم کو دیکھ رہے ہو یا اگر نہیں دیکھ رہے تو وہ رب کریم تم کو ضرور دیکھ رہا ہے۔ پھر سوال کیا مجھے قیامت کے متعلق بتلائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے متعلق جس سے سوال کیا جا رہا ہے، وہ سائل سے قیام قیامت میں زیادہ نہیں جانتا ہے۔ پھر سائل نے گزارش کی مجھے چند نشانیاں بتلائیے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ لونڈی اپنی

لئے اور وہ احسان کرنے والا ہو۔

محسن کا مطلب یہ ہے کہ آتِ بالحسنات تاركٌ للسيئات اس سے صرف نیکی ہی صادر ہوتی ہو، برائی کا اس سے ظہور نہ ہو

اسلام کی اصل روح اور حقیقت اصل یہی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور ہر پہلو سے اس کا مطیع فرمان بن جائے پھر انبیاء کرام کی لائی ہوئی شرائع میں اس اسلام کیلئے کچھ مخصوص ارکان بھی ہوتے ہیں جنکی حیثیت اس حقیقت اسلام کے عملی پیکر میں محسوس ہوتی ہے۔ اس حقیقت کی جلو و تازگی بھی انہی سے ہوتی ہے، وہ صرف تعبیدی امور ہوتے ہیں اور ظاہری نظر انہی ارکان کے ذریعہ فرق و امتیاز کرتی ہے ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اپنا دستور حیات اسلام بنایا ہے اور ان کے درمیان جنہوں نے نہ بنایا ہو۔

پھر سب سے آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کا جو آخری اور مکمل دستور اور پیغام تمام امور زندگی و آخرت کو محیط ہمارے پاس آیا ہے۔ اس میں توحید خداوندی اور رسالت محمدی کی شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، اور حج بیت اللہ کو ارکان اسلام قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہے بِنِيِ الْاِسْلَامِ عَلٰی خَمْسٍ یہی ارکان خمسہ اسلام کے لئے پیکر محسوس ہیں اور حدیث مبارک میں انہی خمسہ ارکان کے ذریعے اسلام کا تعارف کرایا گیا ہے

الایمان: تعارف اسلام کے بعد ایمان کے معنی اور مصداق کے ساتھ ساتھ ایمان کا

تعارف بھی از حد ضروری ہے۔ چنانچہ ایمان کے اصل معنی کسی کے اعتبار و اعتماد پر کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور پیغمبر علیہ السلام ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے ماسوا ہوں احکام جو کچھ بتلائیں اور پیغمبر علیہ السلام ہمارے پاس جو علم و ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں،

ہم اس کو سچا مان کر ان میں انکی تصدیق کریں اور ان کو حق مان کر قبول کر لیں۔ بہر حال شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امور غیبیہ ہی سے ہوتا ہے جن کو ہم اپنے آلات احساس، ادراک، آنکھ، ناک، کان وغیرہ کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے مثلاً اللہ کی صفات اور اس کے احکام اور رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد مبداء و معاد کے متعلق انکی اطلاعات وغیرہ وغیرہ، تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول بیان فرمائیں۔ ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے اور پیغمبر علیہ السلام کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کر دیتی ہے۔ پس آدمی کے مؤمن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کل ما جاء بہ الرسول من عند اللہ۔۔۔۔۔ کی تصدیق یعنی تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی اور اللہ کے پیغمبر کی طرف سے لائی جانے والی شریعت کی تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے، لیکن ان سب چیزوں کی پوری تفصیل معلوم ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ تعین ایمان کے لئے یہ اجمالی تصدیق بھی کافی ہے، البتہ کچھ خاص اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے لئے انکی تصدیق تعین کے ساتھ ضروری ہے۔

چنانچہ حدیث زیر تشریح میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں جن امور کا ذکر فرمایا گیا ہے یعنی اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابیں، اللہ کے رسول، روز قیامت اور ہر خیر و شر کی تصدیق اور تقدیر تو ایمانیات میں سے ہے یہ وہی اہم اور بنیادی امور ہیں جن پر یقین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے چنانچہ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ان کا ذکر صراحتاً اور تعین کے ساتھ فرمایا اور قرآن کریم میں بھی ایمانی امور اسی تفصیل اور یقین کے ساتھ مذکور ہیں سورۃ بقرہ کے آخری رکوع کی اوائل آیات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

آمن الرسول بما انزل اليه من ربه و المؤمنون كل آمن بالله وملكته
وكتبه ورسله لا نفرق بين احد من رسله (سورہ بقرہ آیت: ۲۸۵)

تقدیر خیر وشر کا ذکر اگرچہ ان ایمانیات کے ساتھ اس آیت مبارکہ میں نہیں آیا ہے، لیکن
دوسرے مقام پر قرآن عظیم نے اسکو بھی صراحتہ اور واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔

ایک آیت مبارکہ میں ہے قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اے میرے رسول فرمائیے سب
اللہ کی طرف سے ہے، دوسری آیت مبارکہ میں ہے فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ ان يَهْدِيَهُ
يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ ان يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا
حَرَجًا (سورہ انعام آیت ۱۲۵)

المختصر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ ان سب پر ایمان کا مطلب کیا ہے۔

بہر حال اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اسکے وجود وحدہ لا شریک لہ کو خالق کائنات
اور رب العالمین ہونے کا تعین کیا جائے۔ عیب و نقص کی ہر بات سے پاک، اور ہر صفت
کمال سے اس کو متصف یقین کیا جائے۔

اور ملائکہ پر ایمان لانے کی صورت یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع نورانی کی حیثیت سے
ان کے وجود کو حق مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے بل عباد
مَكْرُمُونَ جن میں شر اور شرارت، عصیان و بغاوت، شہوت و خواہش نفس کا عنصر سرے سے نہیں
ہے، بلکہ انکا مشغلہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی اور طاعت ہے تسلیم و رضا کے پیکر ہوتے
ہوئے لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ان کے متعلق بھی کچھ احکام
اور ذمہ داریاں ہیں، جن کو وہ بخوبی انجام دیتے ہیں (سورہ تحریم آیت نمبر ۶)

ایمان بکسب اللہ: اللہ کی کتابوں کے ساتھ ایمان لانا یہ ہے کہ یہ یقین کیا جائے

کہ اللہ پاک نے اپنے رسولوں کے ذریعے وقتاً فوقتاً ہدایت کے صحیفے دنیا والوں کی راہنمائی اور انکو راہ حق پر چلانے کے لئے عنایت فرمائے۔ ان تمام میں سب سے آخری اور خاتم الکتب و الصحف قرآن حکیم ہے جو پہلی تمام کتابوں کا مصدق اور مؤید ہے یعنی سابقہ کتابوں میں جتنی ایسی باتیں تھیں کہ ان کی تعلیم و تبلیغ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ضروری ہوتی ہے، وہ سب اس قرآن مجید میں سموی گئی ہیں گویا قرآن کریم تمام کتب سماویہ کے بنیادی ضروری مضامین، محکم اصول و احکام پر حاوی اور باقی تمام کتابوں سے مستغنی کر دینے والا ہے۔ خداوند عالم کی آخری کتاب ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ کتابیں اب محفوظ بھی نہیں رہی ہیں، اسلئے اب صرف یہی کتاب ہدایت ہے جو سب کے قائم مقام اور سب سے زیادہ مکمل ہے اور زمانہ آخر تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری اسی لئے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے

اَنَا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اَنَا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر آیت ۹) بیشک ہم ہی نے اتارا اس ذکر (قرآن کریم) کو اور بے شک ہم ہی اسکے محافظ ہیں۔ یعنی ہم ہی اسکے نگہبان ہیں۔ اس میں کسی قسم کی تحریف یا کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں ہے ہمیشہ ہمیشہ اتم و اکمل درجہ کا مالک ہے

ایمان بالرسول: اللہ کے رسول کے ساتھ ایمان و تصدیق یہ ہے کہ اس حقیقت

واقعیہ کا تعین کیا جائے کہ اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت و راہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف قوموں میں مختلف علاقوں کے اعتبار سے اپنے دانا برگزیدہ بندوں کو اپنی ہدایت اور اپنی راہ رضا کا دستور دے کر بھیجا ہے اور انہوں نے پوری امانت و دیانت کے ساتھ خدا تعالیٰ کا وہ پیغام بندوں کو پہنچایا اور لوگوں کو راہ راست و راہ حق پر لانے کی پوری پوری کوششیں کی ہیں یہ سب پیغمبر اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور صادق بندے تھے۔ ان میں سے چند کے نام اور کچھ

حالات بھی قرآن مجید میں ہم کو بتلائے گئے ہیں۔ منہم من قصصنا علیک ومنہم
من لم نقصص علیک (سورۃ المؤمن آیت ۷۸)

بہر حال خدا کے سب رسولوں کی تصدیق کرنا اور بحیثیت پیغمبری ان کا پورا پورا احترام
کرنا ایمان کی شرائط میں سے ہے۔ ان تمام امور کے ساتھ ساتھ یہ ایمان و تصدیق از بس
ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ نبوت و رسالت کو حضرت محمد ﷺ پر ختم فرما دیا ہے۔
آنحضرت خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء خدا کے آخری رسول ہیں اور قیامت تک پیدا ہونے
والے انسانوں کے لئے نجات و فلاح آپ ہی کی اتباع اور آپ ہی کی ہدایت کی پیروی میں
ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علی سائر الانبیاء و علی کل من اتبعہم
باحسان الی یوم الدین

ایمان بالیوم الآخر: یہ ہے کہ اس حقیقت کا تعین کیا جائے کہ یہ دنیا ایک دن قطعی
طور پر فنا کر دی جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے دوبارہ اموات کو زندہ
فرمائے گا اور اس دار فانی میں جس کسی نے جس قسم کا کوئی عمل کیا ہے، اس کے مطابق جزایا
سزا دی جائے گی

معلوم ہونا چاہیے کہ دین و مذہب کے سارے نظام کی بنیاد جزا اور سزا ہی کے عقیدہ پر ہے کیونکہ
اگر آدمی اس کا قائل نہ ہو تو پھر وہ کسی دین و مذہب اور اس کی تعلیمات و ہدایت کو ماننے اور اس پر
عمل کرنے کی ضرورت کا قائل نہ ہوگا خواہ وہ دین انسانوں کا خود ساختہ ہو یا اللہ کا بھیجا ہوا
دین ہو۔

چنانچہ سلسلہ یوم آخرت میں جزا اور سزا کو بطور بنیادی عقیدہ کے تسلیم کیا گیا ہے، پھر انسانی
دماغوں کے بنائے ہوئے مذاہب میں اس کی شکل تاسخ و غیرہ تجویز کی گئی ہے لیکن خدائے
قدس کی طرف سے آئے ہوئے ادیان و مذاہب کل کے کل اور تمام تر اس پر متفق ہیں

کہ اُن کی صورت وہی حشر و نشر کی ہوگی۔ اسلام ہمیں بتاتا ہے اور قرآن کریم میں اس پر مزید اس قدر استدلال سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ کوئی پرلے درجہ کا احمق اور انتہائی نا سمجھ ہی ہوگا جو ان قرآنی دلائل و براہین کے آجانے کے بعد حشر و نشر، بعث بعد الموت کو ناممکن، محال اور مستبعد کہے گا۔

ایمان باللہ: یہ ہے کہ اس بات کو یقین و ایمان اور دلی تصدیق سے مانا جائے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے خواہ وہ خیر ہے یا شر، وہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہے۔ نعوذ باللہ اگر مانا جائے کہ پورا کارخانہ کائنات اس کی منشاء کے خلاف اور اس کی مرضی کے برعکس چل رہا ہے ایسا ماننے سے خدا تعالیٰ کی انتہائی عاجزی اور بے چارگی لازم آئے گی، لہذا یہ پختہ اعتقاد ہر عاقل پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جزا اور سزا کا مالک، قادر مطلق اور یفعل ما یشاء سمجھے۔

احسان: رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں سائل کا تیسرا سوال احسان کے متعلق تھا

وما الاحسان

احسان کی حقیقت و عملی نمونہ کیا ہے؟ احسان بھی اسلام و ایمان کی طرح خاص دینی بلکہ قرآنی اصطلاح ہے۔ آیہ مبارکہ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ (سورہ بقرہ آیت ۱۱۲)

ترجمہ: ہاں جس نے بھی جھکا دیا اپنے آپ کو اللہ کے لئے، یعنی اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا اور وہ مخلص بھی ہو تو اس کا اجر اپنے رب کے پاس ہے۔

نتیجہ یہ اخذ ہوا کہ نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ایمان خالص یعنی جس نے اپنی ذات، اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھکا دیا وہی بارگاہ رب العزت

اس وقت نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا دل اس تصور اور اس احساس سے خالی ہو تو اصل احسان یہی ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کی جائے گویا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم اس کے سامنے ہیں اور وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہی مقصد عمل ہے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کا الاحسان ان تعبد الله كأنك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك (مسلم شریف ص ۲۹) ایک دوسری روایت میں اسی طرح کے عنوان میں الاحسان ان تعمل لله كأنك تراه بھی وارد ہے ان دونوں حدیثوں سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ احسان کا تعلق صرف نماز ہی سے نہیں ہے، بلکہ انسان کی پوری زندگی سے ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر عبادت و بندگی اس کے ہر حکم کی اطاعت اور فرمانبرداری اس طریقہ سے کی جائے اور اس کے مواخذہ سے اس طرح ڈرا جائے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہے اور ہماری تمام حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہے۔

قیامت: اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوالات کے بعد آنحضرت ﷺ سے سائل نے عرض کیا تھا فاخبرني عن الساعة اے پیغمبر علیہ السلام مجھے قیامت کی بابت کچھ بتلائیے کہ کب آئے گی؟ آپ نے مختصر جواب فرمایا ما المسئول عنها باعلم من السائل

ترجمہ: جس سے سوال کیا جا رہا ہے وہ اس بارہ میں سائل سے کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ ہے یعنی قیامت پتا ہو جانے کی گھڑی کے متعلق جو علم و فکر سائل کا ہے، مسئول کا بھی وہی ہے بعض علماء نے ما المسئول عنها باعلم من السائل کا جو منفی ترجمہ کیا ہے وہ نقل و عقل کے منافی ہے اور شان رسالت اور شان شفیع المذنبین کے لئے نازیبا ہے۔ ان منفی فکروں کا ترجمہ ہے یعنی اس بارہ میں سائل سے زیادہ جاننے والے نہیں اور کسی نے یوں ترجمہ کیا ہے یعنی جس سے سوال کیا جا رہا ہے خود اس کا اس بارہ میں سائل

سے زیادہ علم نہیں یعنی قیامت کا خاص علم جس طرح سائل کو نہیں ہے، مجھے بھی نہیں ہے،

ایسے تراجم کرنے پر اہل ایمان کے ساتھ خصوصاً نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جفا

ہے کیونکہ یہ دو وجہ سے درست نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ عبارت مذکورہ میں نبی کریم ﷺ نے

اپنے جاننے کی نفی نہیں کی ہے، بلکہ زیادتی علم کی نفی کی ہے ورنہ فرماتے لاعلم

(میں نہیں جانتا) البتہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اے جبرائیل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا

علم برابر ہے کہ مجھے بھی خبر ہے جیسے تمہیں خبر ہے، مگر راز ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ دوسری وجہ

یہ کہ جبرائیل نے یہ جواب سن کر عرض کیا خبر نبی عن اماراتھا قیامت کی نشانیاں ہی

بتا دیجئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے چند نشانیاں بیان فرمائیں

سوچنا چاہیے کہ جس کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو، ان سے اس کی نشانیاں پوچھنا کیا معنی رکھتا

ہے؟ کیونکہ نشان اور پتہ جاننے والے ہی سے پوچھا جاتا ہے نہ کہ بے خبر سے

بخاری شریف کتاب بدء الخلق میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جس میں اول خلق، مخلوقات سے لے کر انتہاء تک کا علم رسول اکرم ﷺ کو حاصل ہے

اس سے استدلال حق ہے کہ ما المسئول عنها باعلم من السائل میں مقصد تھا

سائل اور مسئول برابر جانتے ہیں

روایت بخاری قام فینا رسول اللہ ﷺ مقاماً فاخبرنا عن بدء الخلق حتی

دخل أهل الجنة منازلهم وأهل النار منازلهم حفظ ذلك من حفظه

ونسیہ من نسیہ (باب بدء الخلق مشکوٰۃ شریف ۵۰۶)

اس روایت بخاری کے بعد یہ کیسے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قیامت کا علم نہ ہو کیونکہ دنیا

ختم ہوتے ہی قیامت برپا ہوگی حضور علیہ السلام کو علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا

آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہی دنیا کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتدا اس لئے کہ دو ملی ہوئی

چیزوں میں سے ایک کی انتہا کا علم دوسری کی ابتدا کا علم ہوتا ہے۔ شرح مواہب لدنیہ للرقانی
میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ان اللہ رفع لی الدنیا وانا
انظر الیہا والی ما ہو کائن فیہا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی
کفی هذا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے ساری دنیا کو پیش فرما دیا۔ پس میں اس دنیا کو اس
طرح دیکھ رہا ہوں جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے جیسے کہ اپنے اس ہاتھ
کی ہتھیلی کو دیکھ کر رہا ہوں۔

مشکوٰۃ شریف میں الفاظ حدیث مبارکہ ہیں فتجلی لی کل شیء و عرفت
مسند امام احمد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے لقد ترکنا
رسول اللہ ﷺ وما یحرک طائر جناحیہ الا ذکر لنا منه علما

ترجمہ: حضور علیہ التحیۃ والسلام نے ہم کو الوداع کرتے چھوڑا، اس حال میں کہ جہاں
میں کہیں کسی جگہ کوئی پرندہ فضا میں اپنا پر ہلاتا ہے وہ بھی ہمیں بتلا دیا

مشکوٰۃ شریف باب الفتن: میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت منقول ہے
فرماتے ہیں

ما ترک رسول اللہ ﷺ من قائد فتنۃ الی ان تنقضی الدنیا یبلغ من
ثلث مائۃ فصاعدا قد سماہ لنا باسمہ واسم ابیہ واسم قبیلتہ

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ ہم سے جدا ہوئے، تو ہمیں یہاں تک بتلا دیا کہ دنیا میں
فتنہ پانچ کرنے والے تین سو یا اس سے زائد ہوں گے، اس کا نام، اس کے باپ کا نام، اسکے
قبیلہ کا نام بھی بیان فرما دیا۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف کے باب الملاحم میں دجال سے جہاد کی تیاری کرنے والوں کے نام بتلائے۔

عن عبد الله ابن مسعود رضی اللہ عنہ انی لاعرف اسماءہم واسماء اباہم واللوان خیولہم خیر فوارس علی ظہر الارض۔

یہاں تک کہ مجاہدین اور ان کے آباء کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ بھی بتلا دیئے اور ان کو بہترین سوار قرار دیا۔ (مشکوٰۃ شریف ۴۶۷)

مزید بحث اثبات علوم آخرت، یہ آئیہ مبارکہ لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم ، بخاری شریف کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ اور تفسیر خازن میں زیر آیت مذکورہ حدیث مبارک وارد ہے

قام علی المنبر فذکر الساعة و ذکر ان بین یدیہا امورا عظاما ثم قال ما من رجل احب ان یسأل عن شیء فلیسأل عنہ فواللہ لا تسئلونی عن شیء الا اخبرتکم ما دمت فی مقامی هذا فقام رجل فقال این مدخلی قال النار فقام عبد اللہ ابن حذافۃ فقال من ابی قال ابوک حذافۃ ثم کثر سلونی سلونی (مسلم شریف ج ۲)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے اور قیامت کا ذکر فرمایا کہ اس کے قیام سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں۔ پھر فرمایا کوئی بھی شخص کوئی بات پوچھنا چاہے پوچھے قسم بخدا جب تک کہ میں اس جگہ منبر پر ہوں تم کوئی بھی بات پوچھو فوراً خبر دوں گا ایک شخص نے اٹھ کر دریافت کیا میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ فرمایا جہنم ہے

آپ کے مخلص صحابی حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا میرا باپ کون ہے فرمایا: حذافہ ہے۔ پھر آپ نے بار بار زور دار الفاظ میں فرمایا پوچھو جو پوچھنا

ہے۔ لوگو پوچھو جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو

اسی حدیث مبارک کی مزید تشریح میں شارح بخاری محدث ابن حجر نے فرمایا ہے

ای جميع الكائنات التي في السموات بل وما فوقها كما يستفاد من قصة المعراج و الارض هي بمعنى الجنس وجميع ما في الارضين السبع بل وما تحتها كما افاده اخباره عليه السلام عن الثور و الحوت الذي عليهما الارضون

ترجمہ: محدث ابن حجر نے فرمایا، آپ کے احاطہ علم میں ہے، وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں بلکہ جو ان سے بھی اوپر ہے جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ تمام چیزیں جو ساتوں زمینوں بلکہ جو ان کے نیچے ہیں جیسا کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جن میں حضور علیہ السلام نے بیل اور مچھلی کی خبر دی ہے، جن پر تمام طبقات زمین قائم ہیں مزید برآں اشعة اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ میں خاتم الحدیث حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی مزید وضاحت میں قلم حق کو وسعت دی

”عبارت است از حصول تمام علوم جزوی و کلی و حاظہ آں“

ترجمہ: اس حدیث میں آنحضرت کریم کو تمام علوم جزوی و کلی کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کا بیان ہے“

شارح مشکوٰۃ ملا علی بن سلطان القاری الحنفی مرقات شریف میں اسی فصل کی حدیث ۱۹ کے تحت شرح وسط سے کام لیتے ہیں فیہ مع کونہ من المعجزات دلالة علی ان علمہ علیہ السلام محیط بالکلیات والجزئیات من کلیات وغیرہا

ترجمہ: یہ حدیث مبارک معجزات سے ہے اور اسپر بھی دلالت کر رہی ہے کہ حضور علیہ السلام کا علم کلی و جزئی واقعات عالم کو گھیرے ہوئے ہے

سنہ ۱۲۰ھ کے امام شرف الدین بوسیری قدس سرہ العزیز نے اپنے قصیدہ مقبولہ بارگاہ رسالت، قصیدہ بردہ مقدسہ میں اپنی تصدیق قلبی کا اظہار اس شعر میں یوں فرمایا۔

فان من جودك الدنیا وضررتها

ومن علومك علم اللوح والقلم

ترجمہ: دنیا اور آخرت آنحضرت ﷺ کے کرم سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے

اسی شعر کی توضیح میں محدث حنفی ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

وکون علومهما من علومه عليه السلام ان علومه تتنوع الى کلیات

والجزئیات وحقائق و معارف و عوارف تتعلق بالذات و الصفات

و علمهما یكون نهراً من بخور علمه و حرفاً من سطور علمه

ترجمہ: لوح و قلم کے علوم آنحضرت ﷺ کے علوم کا بعض حصہ اس لئے ہیں کہ حضور علیہ

السلام کے علوم غیر منقسم ہیں۔ جزئیات و کلیات اور حقائق اور معرفتوں کی طرف جن کا تعلق

ذات اور صفات سے ہے، لہذا لوح و قلم کا حضور ﷺ کے علوم کے سمندروں سے ایک دریا

ہے بلکہ بے حساب عبارات میں سے ایک حرف ہے۔

خلاصۃ الکلام: جس ذات بابرکات نبی آخر الزماں ﷺ کے علوم کی یہ وسعت ہو،

جو صفحات گزشتہ میں گزری اور یہ مذکورہ عبارات دانایان امت کی محض ایک مشت نمونہ از

خروارے ہے، تو وہ ذات سید العالمین ﷺ علم قیامت سے کیونکر بے خبر ہے، آخر الامر

ہر مومن مخلص اس پر یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزماں ﷺ کو جملہ

علوم کے ساتھ علم قیامت سے بھی باخبر فرمایا ہے صرف راز کو فاش نہیں فرمایا گیا کیونکہ اطلاع

علوم غیبیہ نبوت کی شروط سے ایک شرط ہے اور فخر المکملین علامہ محمد عبدالعزیز شارح شرح

عقائد نے اس کی تصریح فرمائی ہے ملاحظہ ہونبر اس ص ۴۲۹ ناشر مکتبہ رضویہ حلقہ انجن شیڈ

لاہور

تحت بحث آیت وما ارسلناک الا رحمة للعالمین قال حکماء الاسلامیون
لا بد فی النبی ﷺ من ثلاثة شروط - احدها الاطلاع علی المغیبات
وهذا باتصال روحه بالملائكة المقربین ای العقول المنقشة بصور
الكائنات --- آگے ص ۵۷۴ پر علم غیب کی تعریف کر کے اخبار انبیاء علیہم السلام کا علم حق
بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہو عبارت مفصلہ، واعلم ان للناس فی مسئلة الغیب
کلمات غیر منقحة و التحقیق ان الغیب ما غاب عن الحس والعلم
الضروری والعلم الاستدلالی

ترجمہ: لیکن وہ امور جو سننے اور دیکھنے سے معلوم ہوتے ہیں ایک ان میں سے انبیاء علیہم
السلام کی بیان کردہ اخبار ہیں کیونکہ وہ خبریں وحی الہی سے حاصل ہوتی ہیں یا انبیاء علیہم
السلام کے اذہان و عقول میں علم پیدا کر دینے سے یا انبیاء کے حواس صالحہ قدسیہ میں کائنات
منکشف ہو جاتی ہے
پھر آخر میں لکھتے ہیں:

فاما الامور التي مدركة بالسمع او البصر او الدليل فاحدها اخبار
الانبياء لانها مستفادة من الوحي ومن خلق العلم فيهم او من انكشاف
الكوائن على حواسهم یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم بذریعہ وحی یا انکشاف تام
ہوتے ہیں، انکو حق ماننے میں کوئی کفر نہیں ہے

بحث اختتامی در مسئلہ علم قیامت

ویکون الرسول علیکم شهیدا (سورہ بقرہ آیت ۱۴۲) تفصیل مسئلہ علم قیامت کو

عزیز العلماء محدث دہلوی کی تصریح پر ختم کیا جاتا ہے اور بطور ہدیہ اصحاب مطالعہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے

آیہ مذکورہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی و باشد رسول شتا بر شتا گواہ زیرا کہ او مطلع است بہ نور نبوت بہ رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کد ام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابی کہ بداں از ترقی محبوب ماندہ است کد ام است پس او می شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا و لہذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است عزیز العلماء کی عبارت میں امت کے حقیقت ایمان، درجات ایمان اور اخلاص و نفاق تک کو جب رسول معظم ﷺ پہچانتے اور جانتے ہیں اور ان چار اشیاء کا تعلق

دل کی گہرائیوں سے ہے اور امور پوشیدہ بلکہ انتہائی مخفی و مستور سے جب گواہ کامل اکمل پر پوشیدہ نہیں ہے بلکہ اسرار قلوب پر بالیقین باخبر اور مطلع ہیں تو پھر کونسی شے ہے جو علم رسول معظم ﷺ کے احاطہ اور دائرہ علم میں نہیں ہے۔

علامات قیامت: رسول خدا، محبوب کبریاء ﷺ نے دو خاص اور عجیب نشانیاں اختصار

کے طور پر بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی۔ دوسری یہ کہ معاشرے میں کمزور فطرت اور چرواہے اور گنوار قسم کے لوگ بہت بلند اور شاندار عمارتیں بنائیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے جو پہلی نشانی بیان فرمائی ہے اگرچہ شارحین نے اس کے مختلف مطلب بیان فرمائے ہیں مگر غالباً ان سب سے راجح توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ قرب قیامت میں ماں باپ کی نافرمانی عام ہو جائے گی۔ لڑکیاں عام طور پر ماں کی وفادار اور مودب ہوتی ہیں وہ بھی عنصر وفاداری سے خالی ہو کر سامنے آئیں گی اور وہ صنف نازک جو اپنی ماؤں کے سامنے سرکشی اور روبرو رو جو اب سے بچنے کی کوشش میں ہوتی

ہے، وہ بھی اخیر زمانہ میں نہ صرف یہ کہ ماؤں کی نافرمان اور ڈانٹ ڈپٹ والی ہو جائیں گی بلکہ الٹا رو یہ اختیار کریں گی کہ جس طرح کوئی مالکہ اور سردارنی اپنی نوکرانیوں اور خادماؤں پر حکم چلاتی ہے، ان کا وٹیرہ بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہزار بار ایسی بیہودہ اور سرکش اولاد سے بچائے۔ اس زمانہ میں لڑکیوں کے حالات اور عادات عنوان حدیث کے قریب ہو گئے ہیں آنحضرت ﷺ نے جو دوسری نشانی قیامت کی بیان کی ہے اسکا اس طرف اشارہ ہے کہ قرب زمانہ قیامت میں دنیوی دولت اور جاگیرداری ان گھٹیا درجہ کے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی جو کہ اصل میں اس کے اہل نہ ہوں گے۔ دولت کے بل بوتے پر فخر و مباہات اور بڑائیاں دکھائیں گے۔ غالباً دوسری حدیث مبارک اسکی تشریح ہے اذا وسد الامر الی غیر اہلہ فانظر الساعة یعنی جب حکومت و اقتدار اور اعلیٰ مناصب و معاملات نااہل اور غیر معیاری لوگوں کے سپرد ہونے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو

چنانچہ سائل کے چلے جانے کے بعد حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کو بتلایا کہ یہ سائل حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔ سلسلہ سوالات سے صحابہ کو بہ صورت سائل جبرئیل امین کے مودبانہ طریقہ سے دین کی تعلیم اور تذکیر مقصود تھی، اور غالباً جبرئیل علیہ السلام کی آمد و سوالات کی نوبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے آخری حصے میں تھی۔ اس طرح سوالات و جوابات میں گویا دین متین کا خلاصہ اور اصل بنیاد کو واضح کیا گیا ہے۔ اسی لئے علماء علم حدیث نے اس روایت کو ام السنۃ بھی کہا ہے جیسا کہ قرآن مجید کے تمام مطالب و مضامین پر اجمالی طور پر حاوی اور محیط ہونے کی وجہ سے سورہ فاتحہ مبارکہ کا نام ام الکتاب ہے، اسی طرح حدیث مشروحہ بھی اپنی جامعیت کے اعتبار سے ام السنۃ کہی جاسکتی ہے۔

ارکان دین قویم: عن ابن عمر قال رسول الله ﷺ بنی الاسلام علی

خمسة شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله واقام الصلوة

وایتاء الزکوٰۃ و الحج و صوم رمضان (مسلم شریف ص ۳۲ ج ۱)

ترجمہ: حدیث مذکور میں اسلام اور دین کو استعارہ کی صورت میں ایک ایسی مضبوط عمارت اور بنیان مرصوص سے تشبیہ دی گئی ہے جو چند مستقل بنیادوں پر قائم ہوئی ہو اور اس میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ مسلم متدین کے لئے یہ گنجائش ہرگز نہیں ہے کہ وہ ارکان خمسہ کی ادائیگی میں تساہل و تغافل سے کام لے، بلکہ ہر ممکن اپنے اوقات میں پوری شرائط سے ان کو ادا کرے اگرچہ ارکان اسلام ان پانچ سے بھی مزید ہیں، لیکن یہ خمسہ مذکورہ اصول بندگی ہیں اور باقی دوسرے فروع دین کہے جاسکتے ہیں

دین رسول پر ایمان و عمل میں نجات ہے

عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ ﷺ قال و الذی نفس محمد ﷺ بیدہ

لا یسمع بی احد من هذه الامۃ یهودی و لا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن
بالذی ارسلتُ به الا کان من اصحاب النار

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان اور روح ہے، اس امت کا کوئی بھی آدمی یہودی ہو یا نصرانی

جب میری ذات و نبوت کی خبر سن لیتا ہے یعنی اس شخص تک میری نبوت و رسالت کی خبر پہنچ جاتی ہے اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

حدیث زیر تشریح میں دعوت عام مراد ہے، لیکن یہودی اور نصرانی کا ذکر مثال کے طور پر ہوا ہے کہ دنیا میں اپنے اپنے دین و نبی رکھنے والی قوموں پر بھی میری شریعت کی اتباع واجب ہے تا وقتیکہ کوئی بھی متدین میری رسالت کو تصدیق سے قبول نہیں کرے گا تو اس کے لئے بھی

نجات ناممکن ہے تو دوسرے کفار و مشرکین اور اقوام مذاہب باطلہ کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔۔۔۔۔

الغرض خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے اور آپ کی شریعت کو قبول کئے بغیر کسی کی نجات ممکن نہیں، ہاں البتہ جس شخص کو آپ کی نبوت کی اطلاع و تبلیغ اور دعوت ایمان و اسلام نہ پہنچی تو وہ معذور ہے لیکن سیدنا امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک ایسے بندے پر توحید کی تصدیق واجب ہے کیونکہ دلائل قدرت اور دنیا کے نظام صالح میں غور و تدبر سے اللہ کی توحید پر ایمان لانا از روئے نعمت عقل واجب ہے۔ وہ بندہ مسئلہ توحید میں معذور نہ ہوگا بلکہ مسئول ہوگا۔

نجات کا مدار شہادتین پر ہے

عن عباده بن الصامت قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من شهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله حرم الله عليه النار

(مسلم شریف ج ۱ ص ۴۳)

حضرت عباده بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے خود رسول اللہ سے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت و بندگی نہیں ہے اور رسول اللہ (ﷺ) اللہ کے صادق آخری نبی ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے اور اس کو جنت کا وارث ٹھہراتا ہے۔

واضح مطلب حدیث مبارک یہ ہے کہ شہادت توحید اور شہادت رسالت اسلام کو اپنے میں سموائے ہوئے ہے کہ تصدیق کے بعد اس بندے نے پورے اسلام کو اپنا دین بنا لیا اور ادائے دین میں کوشاں ہے بالفرض اس سے بتقاضائے بشریت کوئی کوتاہی ہو بھی جائے گی، تو اس کا ایمانی شعور کفارہ اور توبہ وغیرہ کے متعینہ طریقوں سے اس کی تلافی

کی دو صورتیں ہیں دیکھا جائے گا۔ اگر کسی وجہ سے اس کا گناہ مستحق معافی ہے، تو اسکو اللہ تعالیٰ معاف فرما کر بغیر کسی شدت اور دخول دوزخ کے اس کو جنت میں داخل فرمائے گا اور اگر سخت مواخذہ کے قابل ہے تو پھر اعمال بد کی سزا پانے کے بعد اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور یہی مومنوں اور مسلمانوں پر احسان عظیم ہے، بلکہ رسول کریم ﷺ کے رحمت عالم ہونے کا مومن کو صلہ اور حصہ دیا جا رہا ہے

عن انس ان النبی ﷺ قال یُخرجُ من النار من قال لا اله الا الله وکان فی قلبه من الخیر ما یزن شعیرة ثم یُخرج من النار من قال لا اله الا الله وکان فی قلبه من الخیر ما یزن بُرة ثم یُخرج من النار من قال لا اله الا الله وکان فی قلبه من الخیر ما یزن ذرة

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دوزخ سے ان سب لوگوں کو نکالا جائے گا جو دنیا کی زندگی میں لا الہ الا اللہ پڑھ کر تصدیق پر رہے اور ان کے دل میں جو کے دانے کے برابر بھلائی تھی، پھر وہ لوگ بھی دوزخ سے نکالے جائیں گے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور انکے دل میں گندم کے دانے کے برابر بھلائی تھی اور ان کے بعد وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنہوں نے لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور انکے دل میں ذرہ برابر بھلائی موجود تھی۔

چنانچہ حدیث مبارک میں لفظ خیر تین مرتبہ آیا ہے، اگرچہ اس کا عام اور ظاہری معنی بھلائی کیا گیا ہے مگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس روایت کو لیا ہے اس میں بجائے خیر کے لفظ ایمان بھی آیا ہے۔ وہ اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حدیث مذکور میں خیر سے مراد نور ایمان ہے۔ واضح ہو کہ لا الہ الا اللہ پڑھنے والوں کے دلوں میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف حتیٰ کہ حدیث کی تشریح کے مطابق ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، تو وہ بالآخر دوزخ سے

نکال لئے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی ادنیٰ سے

ادنیٰ درجے کا مومن بھی کافروں اور مشرکوں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے، اگرچہ وہ اعمال کے لحاظ سے کتنا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو

اور مزید یہ کہ صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مفصل روایت میں صراحت سے یہ بھی مذکور ہے کہ جو گنہگار مسلمان دوزخ میں دھکیلے جائیں گے انکے حق میں نجات یافتہ مومنین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے الحاح و زاری سے اور بار بار آرزو کے ساتھ عفو و درگزر اور بخشش و کرم کی استدعا کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی اس استدعا و التجاء کو قبول فرما کر انہی کو اجازت دیں گے کہ جاؤ جسکے دل میں ایک دانہ جو برابر خیر و ایمان تمہیں نظر آئے، اس کو دوزخ سے نکال لو۔ چنانچہ ایک کثیر تعداد لوگوں کی نکال لی جائے گی اور پھر انکو اجازت دی جائے گی کہ جاؤ ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال لو، جن کے دلوں میں دانہ گندم کے برابر بھی خیر و ایمان تمہیں نظر آئے چنانچہ پھر دوبارہ ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی دوزخ سے نکال لی جائے گی۔ پھر سہ بارہ حکم ہوگا کہ جاؤ ایسے لوگوں کو بھی نکال لو، جن کے دلوں میں ذرہ برابر خیر و بھلائی تمہیں نظر آئے چنانچہ پھر ایک بہت بڑی تعداد اس درجے کے لوگوں کی بھی نکال لی جائے گی اور اسکے بعد یہ سفارش کرنے والے خود عرض کریں گے ربنا لم ندر فیہا خیراً خداوند عالم! اب دوزخ میں ہم نے کچھ بھی خیر و بھلائی رکھنے والا کوئی آدمی نہیں چھوڑا ہے تو اس کے بعد پروردگار رحیم و کریم کا ارشاد گرامی ہوگا۔

شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَتِ النَّبِيُّونَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا اِرْحَمُ
الرَّاحِمِينَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ

(مشکوٰۃ ص ۴۹۰)

انبیاء ملائکہ، مومنین، صالحین کی شفاعت قبول ہونے کے بعد رحیم و کریم پروردگار اپنے رحمت و غفران کے ہاتھ مبارک سے ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکالیں گے جنہوں نے دنیا بھر کی زندگی میں کبھی کوئی نیک اور بھلا عمل کیا ہی نہ ہوگا، چنانچہ ہر زمانہ میں حدیث مبارک پر لوگ اعتراض کرنے والے رہے ہیں اور ایسی احادیث مقدسہ کا انکار کرنے والے رہے ہیں۔ خصوصاً اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مذہب مرجیہ والے اور خوارج، معتزلہ نے احادیث شفاعت پر طعن کر کے انکار کیا تھا، مگر ہمارے اس زمانہ میں غیر مقلدین، تبلیغی جماعت والے، اسلامی جماعت والے اور بعض دیوبندی کہلوانے والے بھی احادیث شفاعت پر ایمان نہیں رکھتے اور طرح طرح کے طعن اور ضعف کے بہانہ سے انکار کرتے ہیں حتیٰ کہ سرے سے شفاعت کے بھی منکر ہیں۔ غالباً ہمارے اس زمانے میں وہ مرجیہ، خوارج، معتزلہ عامہ مذکورہ بالا جماعتوں کے روپ میں ظاہر ہوئے ہیں

چند علامات ایمان و اسلام

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا واگل ذبیحتنا فذالك المسلم الذی له ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ فلا تخفروا اللہ لی ذمته (مشکوہ ۱۲)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص ہماری جیسی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، پس اس مسلمان کے لئے اللہ کی امان ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی بھی امان ہے۔

اس حدیث مبارک کے بیان سے رسول کریم ﷺ کا مقصد صحابہ کرام کو یہ بتانا تھا کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور کھلی علامتیں دیکھو تو اس کو مسلمان ہی سمجھو اور اس کے ساتھ مسلمان بھائی جیسا معاملہ اور برتاؤ رکھو۔

لطفِ حلاوتِ ایمان

قال رسول الله ﷺ ذاق طعم الايمان من رضى بالله ربا وبالله
دينا وبمحمد رسولا (مشکوہ ص ۱۲)

ایمان کی مٹھاس اسے میسر آتی ہے جو اپنے رب کو اللہ مانے اور اسلام کو اپنا دین مانے اور محمد کریم ﷺ کو اپنا رسول تسلیم کرے مقصد یہ ہے کہ جس بندے کا فیصلہ ہے کہ اللہ کے سوا مجھے کسی اور کی عبادت و بندگی نہیں کرنی ہے اور ہر حالت میں اسلام پر چلنا ہے اور آنحضرت ﷺ کے سوا کسی دوسرے انسان کی رہنمائی میں زندگی نہیں گزارنی ہے جس شخص کا یہ اعتقاد اور یہ و طیرہ ہو گیا، وہ ایمان میں حصہ کامل پا گیا۔

وذلك من سنتي ومن احب سنتي فقد احبني ومن احبني كان معي في الجنة (مشکوٰۃ ص ۳۰)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا، اے میرے بیٹے! جس نے میری سنت (طریقہ زندگی) سے محبت کی، تو یقیناً اس نے خود مجھ سے محبت کی اور جس شخص نے مجھ سے محبت کی، تو وہ آخرت کی زندگی میں جنت میں میرے ساتھ رہے گا۔

دوسری حدیث میں ارشاد نبی کریم ﷺ ہے: **جاء ثلاثة رهط الى ازواج النبي ﷺ يسألون عن عبادة النبي ﷺ فلما اخبروا بها كانهم تقالوها فقالوا اين نحن من النبي ﷺ وقد غفر الله ما تقدم من ذنبه وما تأخر فقال احدهم اما انا فاصلي الليل ابدأ وقال الاخر انا اصوم النهار ابدأ ولا افطر وقال الاخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدأ** --- فجاء النبي ﷺ اليهم فقال انتم الذين قلتم كذا وكذا، اذ والله اني لا خشاكم الله واتقاكم له ولكني اصلي وارقد واصوم وافطر واتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني (مشکوٰۃ ص ۲۷)

ترجمہ: مرویات میں ہے کہ زمانہ نبوی میں تین آدمی آنحضرت ﷺ کی عبادت اور معمولات زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی غرض سے آپ کے اہل خانہ کے دروازے پر حاضر ہوئے۔ جب انہیں معمولات رسول کریم ﷺ بتائے گئے، تو ان تینوں نے اپنی عبادت کی مقدار کو کم تصور کیا اور تھوڑا محسوس کیا۔ کہنے لگے کہ حضور ﷺ سے ہمارا کیا مقابلہ ان سے تو نہ پہلے عملی کمزوری ہوئی اور نہ بعد میں فطری کمزوری ہوگی اور ہمیں مزید سے مزید عبادت کرنی چاہیے۔ چنانچہ بیٹھ کر طے کر لیا۔ ان تینوں میں سے ایک نے اپنے لئے یہ طے کر لیا کہ وہ ہمیشہ آئندہ زندگی میں پوری رات عبادت منوافل میں گزارے گا۔

دوسرے نے یقین کر لیا کہ رمضان المبارک کے بعد ہمیشہ پورا سال روزے رکھے گا اور کبھی ناعذہ نہ کرے گا اور تیسرے صاحب نے واضح کیا کہ میں کسی عورت سے نکاح، بیاہ نہیں کروں گا اور الگ تھلک مصروف عبادت رہوں گا۔ جب آپ کو انکے ان تعینات کی اطلاع ملی تو آپ خود بہ نفس نفیس ان تینوں عباد (عابدوں) کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کیا تم ہی ہو، جنہوں نے عبادات میں ایسے ایسے عہد و پیمان کئے ہیں۔ پھر آپ نے سمجھانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ یقیناً میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ مطیع ہوں، لیکن دیکھو میں نفلی روزے کبھی رکھتا ہوں کبھی نہیں رکھتا ہوں، اسی طرح راتوں کو نوافل پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں، میری بات سمجھو میں نکاح، شادی کرتا ہوں، بیویوں سے شب گزاری کرتا ہوں، دل جوئیوں میں بھی وقت گزارتا ہوں

یاد رکھو تمہارے لئے خیر و بھلائی اور سعادت مندی میرے طریقہ کی پیروی میں ہے، تم بھی میل ملاپ کا عمل اختیار کرو اور جس مسلمان کے دل و دماغ میں مری سنت کی وقعت نہیں اور میری سنت و عادت سے روگردانی کرے۔ وہ میرے گروہ سے اور میرے حلقہ احباب سے نہیں ہے۔

کسوئی ایمان و اطاعت

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ لا یؤمن احدکم حتی یکون هواہ تبعاً لما جئت بہ (مشکوہ شریف)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اتنے تک کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کا ارادہ اور ہر خواہش و عمل میری لائی ہوئی

ہدایت کے تابع نہ ہو۔ واضح ہوا کہ عملی زندگی میں وہی سرخرو ہو سکتا ہے جو ہر ارادہ و عمل میں رسول کریم ﷺ کی اتباع اور سنت کو ملحوظ رکھے۔

قال رسول الله ﷺ لا يُؤمن أحدكم حتى اکون أحب اليه من والده وولده و الناس اجمعين (بخاری و مسلم و مشکوٰۃ ص ۱۲)

ترجمہ: رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کامل درجہ کا مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں اس کے دل و دماغ میں اس کے باپ، بیٹے اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ یقین کیا جاؤں۔

مطلب ارشاد گرامی یہ کہ کامل درجہ کا مومن کوئی اسی وقت ہی ہو سکتا ہے جب کہ خداوند تعالیٰ کے رسول اور اس کے لائے ہوئے دین کی محبت دوسری تمام محبتوں پر غالب لائے، کیونکہ محبت اقارب کا تقاضا ہوتا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی محبت کچھ اور ہی چاہتی ہے تو جب تک بندہ دوسری ساری محبتوں اور ان کے سارے تقاضے ٹھکرا کر صرف اور صرف حضور ﷺ کے بتائے ہوئے اصول و اعمال پر گامزن نہ ہو جائے تو سمجھا جائے گا کہ مومن صادق نہ ہے، تو وہ بندہ جب صداقت محبت سے عمل کریگا تو یقیناً اس کی قبولیت اور منظوری بھی عند اللہ لازمی ہوگی اور خیر و برکات کی موسلا دھار برسات اس کی طرف متوجہ رہے گی اور اسکی دعا بھی رنگ لائے گی۔

نمونہ محبت رسول اللہ ﷺ

انَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ أَصْحَابَهُ يَتَمَسَّحُونَ بِوَضُوئِهِ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ مَا يَحْمِلُكُمْ عَلَىٰ هَذَا فَقَالُوا حُبُّ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُحِبَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

فَلْيُصَدَّقْ حَدِيثَهُ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدَّ أَمَانَتَهُ إِذَا أَوْتِمِنَ وَلْيُحْسِنِ جَوَارِ
مِنْ جَاوِرِهِ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: ایک دن حضور نبی کریم ﷺ نے وضو فرمایا۔ آپ کے ہاں حاضرین اصحاب
آپ کے وضو کا پانی لے کر اپنے اپنے چہروں پر ملنے لگے، تو آپ نے پوچھا اس کا محرک کیا
ہے؟ عرض کرنے لگے اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی محبت۔ آپ نے فرمایا جس شخص کو
یہ بات زیادہ پسند لگتی ہے کہ اللہ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مزید محبت میں مبتلا ہو جائے،
اسے چاہیے کہ جب کوئی بات کرے تو سچ کہے اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے
اور جب کوئی امانت اس کے پاس رکھی جائے، تو اس کو حفاظت کے ساتھ واپس مالک کے
حوالہ کرے

آپ کے وضو کا پانی صحابہ کرام کے لئے یقیناً چہرہ پر ملنا محبت کاملہ کا ظہر ضرور ہے،

لیکن آپ نے اس سے بڑھ کر محبت کا اونچا مقام بتلایا کہ اصل مقام محبت اور اعلیٰ درجہ کی رضا
اس میں ہے کہ احکام خدا اور رسول علیہ السلام پر عمل کیا جائے اور وہ دین متین جو حضور اکرم
ﷺ تمہارے پاس لائے، اس کو اپنی زندگی کا سرمایہ بنایا جائے اور ہر فعل و عمل میں حضرت
رسول کریم ﷺ کی اتباع کی جائے۔

أَسْوَهُ حَسَنَةِ رَسُولٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ

قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ
وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ (الاعراف آیت: ۱۶۲-۱۶۳)

ترجمہ: اے حبیب کریم ﷺ آپ فرمائیے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں
اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا، نہیں کوئی شریک اس

کا اور مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں

در اصل اسلام کا عمدہ حاصل اور توحید کا سب سے بلند مرتبہ یہ ہے کہ جہاں انسان کھڑا ہو یہ اعلان کرتا ہے کہ میری سجدہ ریزیوں کا مقصد اور میری ہر طرح کی نیاز مند یوں اور تمام عبادتوں کا مدعا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضا ہے۔ میری زندگی اور میری موت صرف اسی کی رضا جوئی کے لئے ہے۔ میں اس کے ہر حکم کے سامنے سرفاگندہ جبین نیاز جھکائے ہوئے اس کے ہر فیصلہ پر راضی ہوں اس کا کوئی ہمسر نہیں، ذات میں نہ اس کی صفات میں التمسک فی ہذہ الایۃ جمیع اعمال الطاعات (قرطبی) آیہ مبارکہ میں لفظ التمسک سے مراد ہر قسم کے نیک اعمال ہیں، قربانی بھی اسی میں داخل ہے۔ مزید برآں یہ کہ آیہ مبارکہ میں بعد از ایمان سب سے اول ذکر صلوٰۃ ہے جو اسپر دلالت کرتا ہے۔ کہ تمام اعمال و احکام میں سب سے اول اہم عمل و فریضہ نماز ہے۔ اور اس میں بندے کی بندگی کا اظہار اتم ہوتا ہے، اس لئے یوم حساب بھی سب سے پہلے نماز ہی سے سوال ہوگا اور کامیابی صلوٰۃ کے بعد باقی امور میں انشاء اللہ کامیابی مروج ہو جائے گی، اسی لئے آیات و احادیث میں بار بار حکم ادا نماز اور اس کی مختلف مثالیں بیان کی گئی ہیں تاکہ ان تاکیدات سے اہمیت نماز واضح ہو جائے اور اصل اصول بندگی پر تاکید مزید کی مہر ثبت رہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمین میں جتنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام لوگوں کی ہدایت اور صراط مستقیم پر چلانے کے لئے یکے بعد دیگرے بھیجے ہیں۔ ہر ایک نبی پر عبادت نماز فرض فرمائی اور نبی کو اپنا خلیفہ بنانے پر نیابت سے مقصود اصلی عبادت و اطاعت کا فریضہ اس کے سپرد فرما کر اس کی امت کے لئے بھی اطاعت الہیہ اور عبادت فریضہ کی ادائیگی کا بار بار حکم صادر فرمایا۔ کوئی نبی علیہ السلام ایسا نہیں گزرا ہے جس کی شریعت میں نماز فرض نہ رہی ہو، بلکہ

ہر شریعت میں نماز کی فرضیت ثابت رہی ہے، اگرچہ وہ نماز اوقات و رکعات کے لحاظ سے مختلف تھی، لیکن فرض ہونے میں یکساں رہی ہے، تو واضح ہوا کہ نماز ایک عمل قدر مشترک مابین الامم ہے۔ اسی لئے اس کی اہمیت بہت عظیم ہے اور اس کی ادائیگی پر مدار نجات بھی ہے

قال رسول اللہ ﷺ اراءيتم لو ان نهرًا بباب احدكم يغسل فيه كل يوم خمسًا هل يبقى من درنه شيء قالوا لا يبقى من درنه شيء قال فذلك مثل الصلوات الخمس يمحو الله بهن الخطايا (ابوہریرہ - بخاری - مسلم و مشکوٰۃ ص ۵۷)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو، جس میں وہ ہر روز پانچ بار غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہ جائے گی، صحابہ کرام نے عرض کیا میل کچیل نہیں رہے گی۔ آپ نے فرمایا کہ یہی مثال اور حال پانچ اوقات کی نمازوں کا ہے۔ اللہ کریم نمازوں کی برکت سے بندے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

حدیث مبارک سے یہ صاف ظاہر ہے کہ نمازیں انسان کے گناہوں کے معاف کئے جانے کا ایک عمدہ اور جلیلہ ذریعہ ہے نماز کی ادائیگی سے بندے کے دل میں اطمینان اور شکر کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ نماز کی برکت سے انسان گناہوں سے دور ہوتا جاتا ہے اور اطاعت خداوندی میں برابر بڑھتا جاتا ہے۔ اگر غلطی سرزد ہو بھی جائے تو دوسرے وقت میں بندہ چونکہ رب کریم کے حضور گر پڑتا ہے اور سجدہ عجز و نیاز بجالاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ خصوصی فضل و رحمت سے معاف فرمادیتا ہے جیسے اگلی حدیث مبارک میں صراحتہ موجود ہے اللہ تعالیٰ

نماز پڑھنے والے کی خطائیں معاف کر دیتا ہے عن ابن مسعود قال ان رجلا اصاب من امرأة قبلة فاتی النبی ﷺ فاخبره فانزل الله تعالیٰ واقم الصلوة طرفی النهار وزلفاً من اللیل ان الحسنات یذهبن السيئات

فَقَالَ الرَّجُلُ لِي هَذَا قَالَ لِجَمِيعِ أُمَّتِي كَلِّهِمْ (مشکوہ ص ۵۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اجنبی آدمی نے کسی اجنبیہ عورت کا بوسہ لے لیا۔ بعد میں اسے ندامت ہوئی۔ حضور نبی کریم علیہ السلام کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہو کر عذر خطا و گناہ پیش کیا۔ اسی وقت آیہ کریمہ نازل ہوئی

أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَرُفَاً مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَ السَّيِّئَاتِ

صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا یہ میرے لئے خاص ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میری ساری امت کے لئے یہی حکم ہے

حدیث مبارک اور آیہ کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ نماز گناہوں کا کفارہ بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ذریعہ ہے۔ بندہ کے چہرے کے لئے نور و بیاضت اور رونق کا سامان مہیا کرتی ہے، توبہ پر آمادہ کرتی ہے

عن عبد الله ابن عمر وبن العاص عن النبي ﷺ انه ذكر الصلوة يوماً فقال من حافظ عليها كانت له نوراً وبرهاناً ونجاة يوم القيامة ومن لم يحافظ عليها لم تكن له نوراً ولا برهاناً ولا نجاة (مشکوہ شریف ص ۵۹-۵۸)

حضرت عبداللہ بن عمر وبن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن تقریر میں فرمایا جو شخص پوری حفاظت سے اپنی نمازوں کو اوقات میں ادا کرے گا تو وہ نمازیں قیامت کے دن اس نمازی بندے کے لئے روشنی، دلیل اور نجات کا باعث ہوں گی اور جو شخص نمازوں کی ادائیگی نہیں کرے گا، اس کو قیامت میں کچھ بھی میسر نہیں آئے گا۔

حدیث مبارک میں حافظ علیہا کے الفاظ قابل غور ہیں۔ محافظت صلوٰۃ یہ ہوگی۔ وضو طہارت صحیح کیا ہو اوقات نماز میں اول وقت کو اہمیت دی ہو، نماز میں رکوع و سجود پورے طریقہ سے ادا

کیا گیا ہو، پورے خشوع و خضوع سے سر نیاز جھکا دیا گیا ہو دنیوی کاروبار اور طرح طرح کی مصروفیات کے باوجود غفلت نہ کی ہو، خدا تعالیٰ کی رحمت و رضا جوئی مقصود ہو، اس حال میں نماز محافظت علیہا میں صحیح و درست ہوگی

نماز میں شرکت ملائکہ

قال رسولُ اللہ ﷺ يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار ويجمعون في صلوة الفجر و صلوة العصر ثم يعرج الذين باتوا فيكم فيسألهم ربهم وهو اعلمُ بهم كيف تركتم عبادي فيقولون تركناهم وهم يصلون واتيئناهم وهم يصلون (مسلم شریف ج ۱ ص ۲۲۷)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ رات اور دن کے فرشتے اللہ کے اذن سے جو زمین کی صلاح اور انتظام کے لئے مامور ہیں، وہ اوقات مختلفہ میں بدلتے رہتے ہیں اور فجر و عصر کی نمازوں میں دونوں جماعتیں شریک نماز ہوتی ہیں۔ پھر فارغ ہو کر جب رب کریم کے دربار میں پہنچتے ہیں، باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے اعمال پر پوری اطلاع ہوتی ہے، مگر پھر بھی اپنے فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے۔ وہ عرض پرداز ہوتے ہیں: پروردگار عالم جب ہم ان کے ہاں پہنچے تھے، نمازیں ادا کر رہے تھے جب ہم الوداع کر کے واپس لوٹے ہیں، نمازیں ادا کر رہے تھے۔ کتنے خوش بخت ہوتے ہیں وہ مسلمان جو فجر اور عصر کی نماز کو باجماعت شریک ملائکہ ہو کر ادا کرتے ہیں۔

فضیلت نماز باجماعت

قال رسول الله ﷺ صلوة الجماعة افضل صلوة الفرد بسبع وعشرين درجة (بخاری - مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نماز باجماعت الگ اور اکیلے نماز پڑھنے والے پرستائیں درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے

وجہ فضیلت

چنانچہ باجماعت نماز کی فضیلت کی یہ وجہ بیان کی جا سکتی ہے کہ جماعت میں اکثر و بیشتر ہر قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں مثلاً غریب، امیر، خوش پوش اور پھٹے پرانے کپڑوں والے صالح لوگ اور بدکار فاسق بھی ہوتے ہیں۔ جب اجتماعی رنگ میں سوالات و استغاثہ کرتے ہیں اور تمام امتیازات ختم کر کے ایک ہی صف میں سر بسجود ہوتے ہیں پھر بعد میں دست سوال دراز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت موجزن ہوتی ہے اور ان کو آ لیتی ہے، اس کے علاوہ بعض دانایاں نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگ مالداری کے تکبر میں اپنے آپ کو ممتاز اور بڑی شان والا سمجھتے ہیں اور عامہ لوگوں میں کھڑا ہونا پسند بھی نہیں کرتے، ذہنی غرور کے مریض ہوتے ہیں۔ ان کو راغب بھی کیا گیا ہے کہ تنہا پڑھنے سے نماز کا ثواب گھٹ جاتا ہے اور باجماعت پڑھنے سے زیادہ ثواب کے ساتھ شیطانی وساوس کم پیدا ہوتے ہیں۔ بندہ کی توجہ اور حضوری خدا ذوالجلال سے زیادہ متعلق ہوتی ہے دوسری حدیث میں ما قبل والی حدیث کی تائید مزید ہوتی ہے۔

ان صلاة الرجل مع الرجل ازكى من صلوته وحده وصلوته مع رجلين ازكى من صلوته مع الرجل وما اكثر فهو احب الى الله

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ بندے کی وہ نماز جو کسی دوسرے کے ساتھ کھڑے ہو کر پڑھی جاتی ہے وہ ایمانی نشوونما مزید کرتی ہے اور جو نماز اکثر اور بکثرت جماعت کے ساتھ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ پسند اور مقبول ہے کیونکہ اکثریت میں کئی مقبولان بارگاہ رب العزت بھی آجاتے ہیں، جب مل کر رب کریم کی بارگاہ میں استغاثہ کرتے ہیں، تو ان مقبولان بارگاہ کے سوال کے ساتھ کم بختوں کا سوال بھی شامل ہوتا ہے وہ بھی درجہ قبول میں ہو جاتا ہے کیونکہ خداوند کریم کی یہ شان کریمی ہے کہ جب قبول فرماتا ہے پھر صالح اور فاجر کے سوال میں فرق نہیں فرماتا، کیونکہ یہ فرق اس کی رحمت واسعہ کے منافی ہے بعض کو قبول کرے اور بعض کو رد کرے، بلکہ اس رحیم و کریم کا ابر کرم سب پر برابر برستا ہے۔

نماز باجماعت کا اہتمام

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال وما يتخلف عن الصلوة الا منافقٌ قد علم نفاقه او مريض ان كان المريض يمشی بين رجلين حتى ياتی الصلوة وقال ان رسول اللہ ﷺ علمنا سنن الهدی الصلوة فی المسجد الذی یؤذن فیہ وفی رواية من سرّہ ان یلقى اللہ غدا مسلما فلیحافظ علی هذه الصلوات الخمس حیث ینادی بہن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الهدی وانہن من سنن الهدی ولو انکم صلیتم فی بیوتکم كما یصلی هذا المختلف فی بیتہ لترکتہ سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتہم (مسلم شریف)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ہمارا حال یہ ہوتا تھا کہ قدر ممکن تک کوئی آدمی نماز باجماعت نہیں چھوڑتا تھا سوائے اس

آیہ کریمہ کا عموم اس امر کا مقتضی ہے کہ اس کو کسی کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے بلکہ جو ایسا کرے اس کے لئے دررحمت کشادہ ہے۔ چنانچہ بعد از ہجرت مدینہ منورہ کی زندگی میں رسول کریم ﷺ کے ساتھیوں کی خاصی کثیر تعداد ہو گئی۔ مشاورت کرنے لگے کہ مسلمانوں کی نماز و جماعت کے اوقات میں نمازیوں کو اطلاع کرنے اور مجتمع کرنے کی کوئی ممتاز علامت متعین ہونی چاہیے جیسے دوسرے مذاہب کے لوگ اوقات کے لئے کوئی نہ کوئی بجانے کی شئی استعمال کر کے مطلع کرتے ہیں۔ انہی تجاویز کے ایام میں ایک رات حالت خواب میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اور عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما کو خواب میں اذان کی تعلیم ہوئی۔ دونوں نے آنحضرت ﷺ کو ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ خواب حق تھا اور عبداللہ بن زید رضی اللہ سے فرمایا جاؤ بلال کو ساتھ لو اور بلال کو یہ تلقین کرتے جاؤ اور وہ بلند آواز سے اذان کہیں، کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ اذان کے وقت انگلیاں کانوں میں کر لیا کرو کہ اس طرح سے آواز مزید بلند ہوگی۔ چنانچہ فرائض پنج گانہ اور جمعہ بھی انہی میں سے ہے یہ سب جب کہ جماعت کے ساتھ مسجد میں اپنے اوقات میں ادا کئے جائیں۔ تو ان کے لئے اذان سنت موکدہ ہے اور اس کا حکم واجب ہے کہ اگر اذان کسی بستی میں نہ کہی جائے تو وہ سب لوگ گناہ گار ہوں گے۔

عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامنٌ و المؤذن مؤتمن اللہم ارشد الائمة و اغفر للمؤذنین

ترجمہ: جناب رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ امام لوگ ذمہ دار ہوتے ہیں اور مؤذن امانت دار۔ اے اللہ امانت داری کی ذمہ داری اٹھانے والوں کو نیکی کی راہ پر چلا اور اذان دینے والوں کی مغفرت فرما۔

چنانچہ مساجد میں پنجگانہ، جمعہ اور عیدین کی نمازوں کے لئے ائمہ مساجد کو حدیث میں ذمہ دار قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ تمام امور طہارت، تقویٰ - مسائل سنت وغیرہ کے لحاظ سے نماز کو پورے شرائط و آداب سے ادا کرانے کی ذمہ داری اٹھائے ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضور نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی اللھم ارشد الائمة اور موزن کو امانت دار ٹھہرایا گیا ہے کیونکہ اوقات صلوٰۃ میں پورے وقت پر اذان پڑھتا ہے کہ لوگ اذان سننے کے بعد نماز کی تیاری و انتظار میں پورے اطمینان سے جمع ہو کر جماعت میں شریک ہو سکیں، لہذا امام اور موزن دونوں اہل صالح اور امانت دار اور ذمہ دار ہونے چاہئیں۔

علاوہ ازیں امام صاحب کا صاحب فکر ہونا اور حساس و باعمل ہونا انتہائی ضروری ہے تاکہ لوگوں کے یعنی نمازیوں کے حالات سے واقف ہو اور ملحوظ رکھنے میں کوتاہی نہ کرے۔ حدیث شریف میں وارد ہے

ان النبى ﷺ قال اذا صلى احدكم للناس فليخفف فان فيهم الضعيف
والسقيم والكبير واذا صلى احدكم لنفسه فليطول ما شاء (بخاری مسلم)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جب تم میں سے کوئی آدمی نماز کی امامت کی ذمہ داری سنبھالے، تو نمازیوں کی حالتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز لمبی نہ پڑھائے، چھوٹی کر کے پڑھائے، کیونکہ جماعت میں کئی کمزور، کئی بیماری کی حالت والے اور کئی بوڑھے بھی شریک ہوتے ہیں ان پر تنگی نہ ہو، ہاں البتہ اگر تم میں سے کوئی عابد، زاہد یا عامۃ الناس کی صورت میں اکیلا نماز پڑھ رہا ہے، تو وہ اپنی فکر سے خواہے جتنی لمبی کر کے نماز پڑھے، یہ احسن ہے

جماعت میں لمبی نماز پڑھانے والے کو حضور نبی کریم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا بلکہ لمبی نماز پڑھانے والے امام کی جب شکایت کی گئی تو آپ کے چہرہ مبارک پر غصہ اور غضب کے آثار

نمودار ہوئے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس سلسلہ میں فتنہ بپا کرنے والا بھی فرمایا تھا۔

عن ابی مسعود قال جاء رجلٌ الى رسول الله ﷺ فقال انى لا تاخر
عن صلوة الصبح من اجل فلان مما يطيل بنا فما رايتُ النبي ﷺ
غضبَ في موعظة قط اشدَّ مما غضب يومئذ يا ايها الناس ان منكم
منفرين فايكم ام الناس فليوجز فان من ورائه الكبير و الصغير
وذال حاجة (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت ابی مسعود رضی اللہ عنہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ایک نمازی

رسول کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ عرض کرنے لگا کہ فلاں امام مسجد صاحب

چونکہ فجر کی نماز بہت لمبی پڑھاتے ہیں اور رکعات میں طوالت ہوتی ہے تو میں دیر کر کے آخر

میں شریک ہوتا ہوں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے اس صحابی کی یہ بات سنی تو آپ کے چہرہ

مبارک پر غصہ اور غضب چھا گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے کسی وعظ و تقریر میں آپ کے

چہرہ مبارک پر اتنا غصہ نہ دیکھا تھا، جتنا اس دن آپ غصہ میں تھے۔ پھر آپ نے فرمایا اے

لوگو! تم میں سے امامت کرانے والے بعض امام، اللہ کے بندوں کو عبادت سے نفرت

دلاتے ہیں اور تنگی میں ڈالتے ہیں۔ خبردار! آئندہ تم میں سے جو بھی امامت اختیار کرے

جماعت مختصر کرائے، لمبی رکعتیں نہ کرے، کیونکہ جماعت میں بوڑھے، کمزور، بچے اور کام

کاج پر نکلنے والے ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔۔۔۔ یعنی ہر طرح کے کام کرنے والے کئی

زمین دارہ کرنے والے، ہل جوتنے والے، راہٹ چلانے والے، مزدوری پر جانے والے

، دکانوں اور بازاروں میں کام کرنے والے، منڈیوں اور کاروباری مراکز میں بڑے بڑے

معاملات نبھانے والے ہوتے ہیں۔ ان تمام کی رعایت ضروری ہے لہذا نماز کی رکعات بہت لمبی نہیں ہونی چاہئیں۔ اس کے مقابلہ میں مختصر اور چھوٹی کر کے نماز پڑھانے کو لوگ زیادہ پسند کرتے ہیں، ان کی پسند کی بھی کچھ رعایت ہونی چاہیے

سنت و نصیحت: بے شک فرائض خداوندی اپنی جگہ افضل عبادات ہیں، لیکن ان کے ساتھ ساتھ حسن خلق اور ترحم بھی لازمی ہے تاکہ بخل و نفاق سے معاشرہ پاک رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت مسلسل شامل رہے۔

۱- ایک حدیث مبارک میں وارد ہے أَحْسِنِ إِلَى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا اپنے پڑوسی کے ساتھ تم اچھا سلوک کرو، تب تم مکمل ایمان والے ہو گے۔

۲- دوسری حدیث مبارک میں ہے مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَهُ لَا يُوْذُ جَارُهُ (مشکوٰۃ شریف ۳۶۸)

ترجمہ: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا، اللہ کی رضا جوئی کرتا ہے، اور طالبِ فلاح و نجات ہے، تو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے اور نہ رنج میں ڈالے۔

۳- عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ اَكْمَلُ الْاِيْمَانِ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (مشکوٰۃ ص ۴۳۲-۴۳۳)

ترجمہ: سب سے کامل مومن وہ شخص ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں۔

اصل مقصد نصیحت ہے کیونکہ انسان اور خصوصاً مومن اشرف المخلوقات ہے اس کے اخلاق کریمانہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات پر فوقیت بخشی ہے اور سب سے زیادہ ذمہ دار اور حساس ٹھہرایا ہے، لہذا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے انسان کو وقت اور صلاحیتوں کا جو سرمایہ دیا گیا ہے، وہ

اس کو ضائع نہ کرے بلکہ صحیح صحیح استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ ترقی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور قرب و جوار حاصل کر کے ابدی میراث کا مستحق بنے۔ ہر دانا پر واضح ہے کہ دین کی تمام تعلیمات کا یہی لب لباب ہے اور یہی اصل مقصد ایمان و اسلام ہے۔ وہ شخص کتنا خوش بخت ہوگا جو تکمیل ایمان اور حسن اسلام میں داغ و دھبہ سے بچ کر کھلے گناہوں اور بد اخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول، بے ہودہ اور غیر مفید امور سے بھی اپنے آپ کو بچائے اور صرف ان امور میں اپنا قیمتی وقت اور صلاحیت استعمال میں لائے جن میں خیر، منفعت اور احسان کا کوئی پہلو نکلتا ہو اور اگر اللہ تعالیٰ اس کو مزید ہمت عطا فرمائے تو بندہ اس حدیث پر عمل پیرا ہو رہے؟

عن ابی سعید ن الخدری عن رسول اللہ ﷺ قال من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبه و ذالک اضعف الایمان (مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۶)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جو شخص برائی یا بری رسم یا خلاف شرع حرکت دیکھے، اگر طاقت رکھتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے زور بازو اور قوت سے اس کو بروکے اور درست کرنے کی کوشش کرے۔ اگر طاقت ور نہیں ہے تو پھر اپنی واعظانہ زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے اور اگر افہام و تفہیم کی صورت پر بھی کامیاب نہیں، تو پھر خود مجتنب ہو کر دل میں برا سمجھے، لیکن یہ آخری اور ضعیف درجہ ایمان ہے۔

چنانچہ حدیث مبارک میں ہر بدی اور ممنوع شرعی اور بری حرکات کو روکنے اور بدلنے کی بقدر استطاعت کوشش کرنے کے لئے ایمان کے تین درجے بیان ہوئے ہیں۔ اول درجہ طاقت و اقتدار ہے کہ بزور بازو اور حکم امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کمر بستہ ہو جائے اور تمام

نامشروع بلکہ حرام امور کو روکے اور اگر دوسرا درجہ ہے اور قوت غالبہ اور اوقاتہ ارنہ ہو تو زبانی وعظ و نصیحت اور افہام و تفہیم سے کام لے کر روکنے کی جرئت کرے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اگر حالات ناموافق ہیں، اہل دین کمزور ہیں اور اس پوزیشن میں ہیں کہ اس برائی کے خلاف زبان کھولنے کی بھی گنجائش نہیں ہے، تو پھر اپنے دل میں برا سمجھ کر اس سے دور رہیں۔ آخری عمل اجتناب اور دلی نفرت اور برائی کا بائیکاٹ کرنے سے فطری نتیجہ کم از کم اتنا ضرور نکلے گا کہ لوگ اس برائی اور قبیح امر کو برا اور قبیح ضرور سمجھنے لگیں گے اور پھر اللہ سے برائی کے دفاع کی دعا ضرور مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی صداقت و اخلاص کی بنا پر کوئی ایسا سبب پیدا فرمائے گا کہ برائی مٹ کر رہ جائے گی۔ اس زیر بحث تغیر منکر والی حدیث میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ ہر شخص کو اپنی عبادت کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں برائی کو روکنے اور نیکی کی طرح ڈالنے میں بقدر استطاعت حصہ لینا ضروری ہے۔ محض عبادت گزار ہو کر اور صرف اپنا نفع ملحوظ رکھ کر بیٹھ رہنا بھی مفید نہیں ہے اور نہ خود اس بندے کا وقار رہے گا کیونکہ بالآخر برائی اور حرام کاری غالب آجائے گی تو کوئی بھی محفوظ نہ رہے گا اور نہ ہی غضب الہی سے کوئی بچے گا کیونکہ جب کسی حرام کاری کی یلغار پر اللہ تعالیٰ کو ناراضگی اور غضب آجاتا ہے تو پھر خس و خاشاک کی طرح سب کے سب اسی ریلائے غضب کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں وہاں یہ تمیز نہیں رہتی کہ نیک اور متقی محفوظ رہیں بلکہ ہر کس و ناکس اس ریلا میں بہہ جاتا ہے۔ آیت مبارکہ میں وضاحت آئی ہے کہ جب عذاب کا ریلا آتا ہے تو نیک و بد کی تمیز نہیں ہوتی

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً

(سورۃ انفال بارہ ۹ آیت ۴۷)

خلاصہ ایمان و اسلام | عن سفیان بن عبد اللہ الثقفی قال قلت

یا رسول اللہ ﷺ قل لی فی الاسلام قولاً لا اسئَلُ عنہ احدا بعدک وفی

روایۃ غیرک قال قل آمنتُ باللہ ثم استقم (مشکوٰۃ شریف ص ۱۲)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے مروی ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا

یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع، شافی، کافی بات بتائیے کہ آپ

کے بعد کسی اور سے نہ پوچھوں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تو کہہ اور پورا پورا اقرار کر کہ

میں اللہ کی ذات کے ساتھ ایمان لایا ہوں پھر پوری طرح ہر وجہ سے ہر وقت اس پر قائم ہو جا

غالباً یہ حدیث شریف جوامع الکلم سے ہے رسول اکرم ﷺ کا فرمان ایمان لا اور اس پر

استقامت کہ یہ اسلام کی اصل اصیل ہے اور روح خالص ہے۔

آنحضرت کریم ﷺ کے مختصر جواب سے دو لفظوں میں مجھلا اسلام کا پورا خلاصہ اور نچوڑ آ گیا

(ایمان باللہ) اور اس پر استقامت ہی اسلام کی اصلی غرض، بلکہ روح خالص ہے۔ چنانچہ

ایمان باللہ کی ما قبل والی حدیث جبریل میں وضاحت گزر چکی ہے، لیکن استقامت کی

وضاحت ضروری ہے۔ چنانچہ استقامت کے معنی یہ ہیں کہ افراط و تفریط کے بین بین بغیر کسی

ٹیسڑھاپن اور انحراف اور بغیر تجاوز و تعدی اور انحطاط و تاخر درتاً خیر الامور اوسطہا

پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مقرر و متعین فرمائی ہوئی صراط مستقیم پر قائم رہنا اور اللہ

تعالیٰ کے بتلائے ہوئے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی عملی تشریح پر دل سے کار بند ہو جانا اور

دائمی اتباع رسول اللہ ﷺ کا نام استقامت ہے ظاہر ہے کہ بندوں کے لئے اس سے آگے

اور کوئی مقام اور درجہ علیا نہیں ہے اسی لئے بعض اکابر صوفیا کا فرمان ہے الاستقامة خیر

من الف راحة واضح رہے کہ استقامت بالعمل الشرعی اصل درس اور کافی وظیفہ ہے

قرآن مجید کی آیات مبارکہ میں انسان کی سعادت و فلاح کو ایمان باللہ اور استقامت سے

وَابْتَ كِيَا كِيَا هِي - آيَة مَبَارَكَة اِنَّ الذِيْنَ قَالُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (پارہ ۲۶ آیت ۱۳۰)

جن لوگوں نے قول اور اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے، اور ہم صرف اسی کے مطیع و عبید ہیں اور وہ پھر اسی امر پر پختہ کار اور مستقیم بھی ہو گئے، انہیں کوئی خوف و خطر نہیں ہے۔ نہ غمگینی و امنگیر بلکہ وہ کامیاب و کامران ہیں۔ آیت مبارکہ میں لفظ خوف اور حزن وارد ہیں۔ دونوں کے معنی کی تصریح ضروری ہے۔

تعریف خوف: الخوف غمٌ يلحق النفس لتوقع مكروه في المستقبل

(حاشیہ جلالین بحوالہ مدارک ص ۳۹۹)

ترجمہ: خوف وہ غم ہے جو نفس اور کسی ذات کو لاحق و عارض آتا ہے، کسی امر مکروہ، ناپسندیدہ کے پیش آنے پر زمانہ مستقبل میں

تعریف حزن: الحزن غمٌ يلحقها بفوات نفع في الماضي

(حاشیہ جلالین ص ۳۹۹)

ترجمہ: زمانہ ماضی میں کسی نفع و منفعت کے فوت ہو جانے پر جو نفس و ذات کو غم عارض آتا ہے وہ حزن ہے۔

اور سب سے اکمل صفت ایمان حدیث پاک میں وارد ہے جس کو اپنا ناہر مومن کے ایمان کا اصل زیور ہے

عن ابي هريره قال قال رسول الله ﷺ اكمل المسلمين ايماننا احسنهم

خُلُقًا (مشکوہ ص ۲۳۱-۲۳۳)

زکوٰۃ: تیسرا رکن اسلام، زکوٰۃ ہے۔ آیہ مبارکہ واتوا الزکوٰۃ اور دوسری آیت میں

وآتوا حقہ یوم حصادہ چنانچہ لفظ زکوٰۃ کئی انواع صدقات کو شامل ہے کیونکہ باعتبار معنی لغوی لفظ زکوٰۃ تطہیر مال تجارت، صدقہ فطر، اور عشر اور مطلق صدقات نافلہ برائے تزکیہ نفس اور نفی بخل و شح بہت سارے انواع صدقات کو احاطہ میں لئے ہوئے اور باعتبار فرضیت کے احادیث نبویہ اور تواریخی شواہد سے غالباً دوسرے سال ہجرت کے واجب ہوئی

مقصد زکوٰۃ: معاشی توازن، احساس تعاون انسانیت، ہم دردی، گردش دولت، نفس کو سزائے نخلی و تطہیر نمود، ازدیاد مال اور بڑھاؤ زکوٰۃ کے اصل مقاصد ہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہے ان اللہ قد فرض علیہم صدقۃ توخذ من اغنیاءہم فترد علی فقراءہم

ترجمہ: یقیناً اللہ کریم نے لوگوں پر صدقہ فرض کیا ہے، جو مالداروں سے وصول کر کے ان کے فقراء و ضعفاء پر تقسیم کیا جائے

یہ تفصیل حدیث اور سنت رسول ﷺ سے ثابت متحقق ہے جو عمل الصدقۃ بالنتہ ہے چنانچہ طہارت نفس کے ساتھ ساتھ صدقہ دینے سے تطہیر اعمال فرضیہ بھی ہوتی ہے۔ تطہیر صیام کے متعلق حدیث وارد اور سنت ثابت ہے فرض رسول اللہ ﷺ زکوٰۃ الفطر طہر

الصیام من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین (مشکوہ ص ۱۶۰)

حضور نبی کریم ﷺ نے فطرہ کی زکوٰۃ کو امت پر فرض (واجب) کیا تاکہ ان کا روزہ بیکار، بیہودہ اور بے حیائی کی باتوں سے جو حالت روزہ میں سرزد ہوتی تھیں، پاک ہو جائے اور وہ صدقہ کفارہ کے طور باعث طہارت بنے۔ ساتھ ہی، غرباء، مساکین کا انتظام طعام بھی ہوتا

رہے۔

اس حدیث مبارک کا مفاد و مصلحتیں ہیں: روزہ کی حالت میں کمزوریوں کے وقوع کا کفارہ اور یوم عید ضعیف و فقراء کیلئے سوسائٹی میں ان کو برابر اطمینان بہم پہنچانے کا ذریعہ بھی ہے، نبی کریم ﷺ کے فرمودات عالیہ پر عمل پیرا ہونے کے لئے شریعت مبارکہ نے مختلف طرق عمل اور متعدد درجہ ہیں برائے مصلحت و نجات کھولی ہیں تاکہ نظام عالم ایک مربوط طریقہ سے انجام پاتا رہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امت میں ایک مستحسن عمل جاری و ساری رہے

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال ما من نبی بعثہ اللہ تعالیٰ فی امة قبلی الا کان له من امتہ حواریوں واصحاب یاخذون بسنتہ ویہتدون بامرہ ثم انها تخلف من بعدہم خلوف یقولون ما لا یفعلون ویفعلون ما لا یؤمنون فمن جاہدہم بیدہ فهو مؤمن ومن جاہد بلسانہ فهو مؤمن ومن جاہدہم بقلبہ فهو مؤمن ولیس وراء ذالک من الايمان حبة خردل (مشکوہ ص ۲۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کائنات ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبر بھی مجھ سے قبل کسی امت میں بھیجا تو اس نبی علیہ السلام کے کچھ مخلص دوست اور لائق اصحاب ہوتے تھے جو اس کے بتلائے ہوئے طریقہ اور راہ عمل پر چلتے، ان کے بعد انہی عمدہ صفات (اصحاب نبی علیہ السلام) کے نالائق، بیکار، پسماندگان ان کے جانشین ہو جاتے اور ان کی حالت یہ ہوتی کہ جو کچھ وہ کہتے اور بتلاتے وہ خود ان پر عمل نہیں کرتے تھے، یعنی کرنے کے کام نہ کرتے، لوگوں سے کہتے رہتے اور جن امور و معاملات کا ان کو حکم نہ ہوتا تھا، انکو بجالاتے اور کرتے تھے یعنی اپنے پیغمبر علیہ السلام کی سنت اور اوامر و احکام تو نہ بجالاتے اور نہ ہی مطابق سنت عمل کرتے، مگر معصیات و بدعات، مکر و زبان جن کا حکم نہ تھا، بلکہ ممنوع قرار ہوتی تھیں، انکو خوب دل لگی سے کرتے تھے، تو جس

شخص نے ان کے خلاف اپنے زور دست و بازو سے جہاد کیا، وہ مومن ہے اور جس نے بوجہ
 مجبوری صرف زبان سے ان کے خلاف جہاد کیا، وہ بھی مومن ہے اور جس نے جہاد باللسان
 سے بھی عاجز رہ کر ازراہ معذرت صرف دل ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا، یعنی دل میں مکر
 بازوؤں سے نفرت کی اور ان کے خلاف غیظ و غضب روارکھا، تو وہ بھی مومن ہے، لیکن ان
 تینوں مذکورہ صورتوں کے بجز کوئی دعویٰ ایمان کرے تو اس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر
 بھی ایمان نہیں ہے۔

تشریح مزید: یہ کہ روح حدیث سے مفہوم یہی ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام
 اور بزرگان دین کے جانشینوں اور آبائی بزرگی کے متوالوں میں جو غلط کار، بدکار، حرام
 کارہوں جو دوسروں کو تو اعمال خیر و ثواب کی دعوت دیتے ہوں لیکن خود بے عمل و بد عمل ہوں
 ان کے خلاف حسب استطاعت ہاتھ سے یا زبان سے جہاد کرنا اور کم از کم دل میں اس جہاد کا
 جذبہ رکھنا ایمان کے خاص شرائط اور لوازم میں سے ہے اور جو شخص اپنے دل میں بھی اس
 جہاد کا جذبہ نہ رکھتا ہو، اس کا دل حرارت ایمان اور سوز و فکر سے بالکل خالی ہے۔ حدیث محولہ
 میں ناخلف اور نالائق حیلہ سازوں سے جہاد یہ کہ انکی تربیت اسلامی کی جائے، انکو صحیح اور
 درست راہ پر چلانے کی پوری پوری کوشش کی جائے، اگر اس معاملہ میں کامیابی نہ ہو سکے تو ان
 کے برے اثرات اور زہریلے کرتوتوں سے اللہ کے بندوں کو بچانے اور ان کے شر سے بدظن
 کرنے کے لئے ان کی جھوٹی بناوٹی شیخیت اور عارضی تصنع والی بزرگی اور محض موروثی اقتدار کو
 ختم کرنے کی جدوجہد کی جائے کہ لوگ ان کے جاہ و اقتدار دولت مندانہ سے مرعوب ہو کر
 ان کی خلاف شرع حرکتوں کی تائید میں نہ آئیں تا کہ معاشرے میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔
 اسکی مؤید حدیث مبارک حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

ان النبی ﷺ قال الذین النصیحة قلنا لمن قال لله ولکتابه ولرسوله
ولائمة المسلمین وعامتہم (مسلم)

حضور رسول کریم ﷺ نے فرمایا: دین ایک خاص نصیحت یعنی خلوص و وفا کا نام ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کس کے ساتھ خلوص و وفاداری؟ فرمایا اللہ کے ساتھ، اللہ کی کتاب کے ساتھ، اللہ کے رسول کے ساتھ، مسلمانوں کے سرداروں کے ساتھ، پیشواؤں کے ساتھ اور انکے عوام الناس کے ساتھ۔

۱- غالباً یہ حدیث بھی جوامع الکلم کے قبیل سے ہے اور امام نووی کی وضاحت سے بھی یہی مترشح ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مبارک کل امور دین کو جامع اور محیط ہے۔ اسپر عمل کرنا گویا دین کے پورے منشاء کو ادا کر دینا ہے کیونکہ یہ دین کے ہر شعبہ اور ہر گوشہ کو سموائے ہوئے ہے، کیونکہ اسمیں تفصیلاً اللہ، اللہ کی کتابیں، رسول اللہ ﷺ، ائمہ دین

و پیشویان ملت اور عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفاداری کو دین بتلایا گیا ہے اور یہی تمام دین ہے اس لئے کہ اللہ کے ساتھ خلوص و وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے، ممکن حد تک اس کی معرفت حاصل کرنی چاہیے اس کی انتہائی اطاعت کی جانی چاہیے اور کسی کو اس کا شریک و ہمسرنہ ٹھہرایا جائے اور اسی ذات کو کامل مالک اور مقتدر اعلیٰ جانتے ہوئے خائف رہنا لازم ہے۔ غرضیکہ پورے اخلاص و وفا کے ساتھ حق عبدیت ادا کیا جائے۔

۲- کتاب اللہ کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ اس کا حق عظمت و تقدس ادا کیا جائے، اس کا علم اور احکام کی معرفت حاصل کرنے کے بعد اس کا علم پھیلا یا جائے، اس پر عمل کیا جائے۔

۳- رسول اللہ ﷺ سے خلوص و وفا یہ ہے کہ ان کی تصدیق کی جائے انتہائی درجہ تعظیم و توقیر کی جائے۔ ان سے ان کی تعلیمات اور ان کی سنتوں سے محبت کی جائے اور ہر سنت نبوی پر عمل کی صورت میں دل و جان سے پیروی اور غلامی اختیار کر کے اسی میں اپنی نجات سمجھی جائے

۴- ائمہ مسلمین سے خلوص و وفا یعنی مسلمانوں کے سرداروں، پیشواؤں، حاکموں اور راہنماؤں کے ساتھ خلوص و وفاداری یہ ہے کہ ان کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں انکی مدد کی جائے، انکے ساتھ نیک گمان رکھا جائے اور اگر ان سے کوئی غفلت اور غلطی ہوتی نظر آئے تو بہتر طریقہ سے اس کی اصلاح اور درستی کی کوشش کی جائے۔ اچھے اور خالص اسلامی مشورے دیئے جائیں اور معروف کی حد تک ان کی بات مانی جائے۔

۵- عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ ان کی ہمدردی و خیر خواہی پورے اسلامی طریقے سے کی جائے۔ انکا ہر نفع اپنے نفع کی طرح اور ہر نقصان اپنا نقصان خیال کیا جائے۔ مقدور بھر جائز اور ممکن حد تک ان کی خدمت اور مدد میں ہاتھ پھیلا یا جائے اور دریغ نہ کیا جائے۔ غرضیکہ مطابق فرق مراتب ان کے جتنے حقوق عظمت و شوکت اور خدمت و تعاون کے متعین ہیں انکو ادا کیا جائے۔ تفصیل سے واضح ہو گیا ہے کہ یہ حدیث مبارک پورے گوشہ جات دین کو شامل ہے اور اس پر عمل کرنا پورے دین پر عمل کرنا ہے۔ اسی زمرہ خلوص و وفا میں شریعت مبارکہ نے زکوٰۃ و صدقہ کو واجب کیا ہے تاکہ حاجت مندوں کی حاجات میں تعاون و مدد کی جائے اور ان کا حق احتیاجی پورا کیا جائے اور ایثار میں مزید اقدام ہوتا رہے گویا کہ انسانیت کی خدمت ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اور اس سے اعراض اور دور ہٹ جانا بد بختی ہے۔ دوسرے کی احتیاج پر ایثار و خلوص اور دوسرے کی ضروریات کو ترجیح عند اللہ ماجور اور سب سے زیادہ مقبول ہوگی اور اسی میں صلاح و بہتری ہے۔ ورنہ وعید اور ڈر اور قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے۔

آیت کریمہ لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرٌ
لَهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
پارہ ۴، سورہ آل عمران ع ۹، آیت ۱۸۰)

ترجمہ : اور ہرگز نہ گمان کریں جو بخل کرتے ہیں اس میں، جو دے رکھا ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے لئے، بلکہ یہ بخل بہت برا ہے
ان کے لئے، طوق پہنایا جائے گا انہیں، وہ مال جس میں انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن
واضح ہو کہ حق واجب کو ادا کرنا ہی مدار نجات و سرخروئی ہے اور بارگاہ رب کریم میں خوشنودی
ہے، کیونکہ بخل کہتے ہیں اس چیز کا روک لینا جس کا ادا کرنا اسپر واجب ہو:

و البخل في اللغة ان يمنع الانسان الحق الواجب عليه یعنی حقوق واجبہ کو حق
داروں تک پہنچانا ہی اصل خدمت و ہمدردی ہے تا کہ حقدار ان اپنے حقوق سے محروم ہو کر
معاشرہ میں پس کرنے رہ جائیں اور حقوق حاصل کر لینے کے بعد شرف انسانیت کے سلسلہ میں
پروئے ہوئے ایام زندگی بسہولت گزار سکیں۔ اسی لئے کسی صاحب دل نے کیا خوب کہا ہے

دل بدست آور کہ حج اکبر است

مزید یہ کہ کسی حاجت مند کی حاجت روائی اور اس سے تنگ دستی کے ایام میں دل سے تعاون
اور دل جوئی کرنا خدا تعالیٰ کو راضی کرنا ہوتا ہے کیونکہ اکثر فقیر متعفف عیال دار، اللہ تعالیٰ
کے مقبول اور پسندیدہ ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے محبوبان کی دلجوئی اور تعاون، اللہ کو زیادہ
بند اور اس کی بارگاہ اقدس میں درجہ قبولیت میں ہوتا ہے

عن عمر ان بن حصین قال قال رسول الله ﷺ ان الله يحب عبده
المؤمن الفقير المتعفف ابا العیال (مشکوٰۃ شریف ص ۴۴۹)

جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ بندہ مومن بہت پیارا اور محبوب ہے جو غریب و نادار اور عیالدار ہو اس کے باوجود وہ باعفت ہو یعنی ناجائز طریقہ سے پیسہ حاصل کرنے سے کسی کے سامنے اپنی ضروریات ظاہر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہو۔ متوکل باوقار پوری تمکنت سے جب زندگی گزارتا ہے گویا فقر و فاقہ کی نوبت میں بھی وہ صبر آزا طریقہ سے ایام بسر کرتا ہے، وہ بڑا باہمت اور اللہ تعالیٰ کا پیارا بندہ ہے۔

شرائع ماضیہ میں حکم زکوٰۃ و صدقات: چنانچہ ارکان اسلام میں سے اس تیسرے

رکن زکوٰۃ کی اہمیت بھی ایمان و صلوة سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ اولین مرتبہ ایمان ہے۔ پھر نماز پھر زکوٰۃ مگر جس طرح نماز تمام شرائع اور امم انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرض رہی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی فرض رہی ہے اور ان سابقہ اقوام مسلمین میں بھی درس تعاون انسانیت فرض رہا ہے، جیسے امت آخرہ میں فرض اہم ہے۔ اگلی شریعتوں میں نفاذ زکوٰۃ و صدقات اور اس کی تعمیل و ترویج پر قرآن کریم نے مختلف مقامات پر اخبار واضح فرمائی ہیں۔

آیہ مبارکہ و اوحینا الیہم فعل الخیرات و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ
وکانوا لنا عابدین (الانبیاء پ ۷۱، آیت ۷۳)

ترجمہ: ہم نے ان کو وحی کی نیک کام کرنے کی (خصوصاً) نماز قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے“

اور آیہ مبارکہ سورہ مریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے حکم فرمایا گیا ہے وکان یامر اہلہ بالصلوٰۃ و الزکوٰۃ (پارہ ۱۶ آیت ۵۵) ”وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے تھے“

اسی طرح سورہ مائدہ میں جس جگہ بنی اسرائیل کے عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے

وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے۔

وقال الله انى معكم لئن اقمتم الصلوة و اتيتم الزكوة و آمنتم برسلى

(پ ۶ سورہ مائدہ ع ۷، ایت ۱۲)

ترجمہ : اور اللہ نے فرمایا میں (اپنی پوری مدد کے ساتھ) تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے

نمازوں کو برپا رکھا اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور میرے رسولوں کے ساتھ ایمان لاتے رہے۔

قرآن مجید کی ان تینوں آیات باہرہ سے صاف ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے ساری

اقوام اسلامیہ پر فرض ہونے کی بنا پر آسمانی شریعتوں کے خاص ارکان اور شعائر سے رہی ہیں

۔ اگرچہ ان عبادات فرضیہ کے حدود، تفصیل احکام، تعینات اوقات میں فرق رہا ہے اور یہ

فرق خود ہماری شریعت آخرتہ میں بھی ابتدائی دور میں رہا ہے مثلاً ابتداءً ملت ابراہیمی پر

عبادت نماز نفل تھی، بعد میں پانچ اوقات کی نماز فرض ہوئی، پہلے پہل ہر فرض صرف دو

رکعت پڑھی جاتی تھی، پھر نماز فجر کے سوا باقی چاروں اوقات میں رکعات کی تعداد بڑھ گئی

اور اسی طرح مخالف یہ کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں نماز پڑھتے وقت سلام، کلام کی اجازت

تھی بعد میں اس کی ممانعت ہو گئی، اسی طرح قبل ہجرت زمانہ مکہ زندگی میں زکوٰۃ کا حکم تھا۔

چنانچہ سورہ مومنون، سورہ نمل، سورہ لقمان کی ابتدائی آیات میں مومنون کی لازمی صفات کے

طور پر اقامت صلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ کا حکم موجود ہے

باوجودیکہ یہ تینوں سورتیں مکہ میں لیکن اس دور میں زکوٰۃ دینے کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ

تعالیٰ کے حاجت مندوں پر اور بھلائی کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی سے مال صرف

کئے جانے کا حکم تھا اور نظام زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اس وقت وارد نہیں ہوئے تھے۔ تفصیلات

مدنی زندگی رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نازل ہوئیں۔

ترغیب صدقہ

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ تعالیٰ اَنْفِقْ يَا بَنَ آدَمَ اَنْفِقْ عَلَيْكَ (مشکوٰۃ شریف باب الانفاق ص ۱۶۴)

روایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ ہر بندے کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ اے فرزند آدم! تو میرے حاجت مند بندوں پر اپنی کمائی سے خرچ کر، میں اپنے خزانہ سے تجھ کو ہمیشہ دیتا رہوں گا گویا حدیث مبارک کی رو سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ جو بندہ اخلاص سے اس کے ضرورت مند بندوں کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا، اسے اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب سے وافر ملتا رہے گا۔ خداوند کریم نے اپنے جن بندوں کو یقین کی دولت سے مالا مال فرمایا ہوا ہے ہم نے دیکھا کہ ان کا یہی معمول رہا ہے، اور ان کے ساتھ ان کے رب کریم کا یہی معاملہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کریم ہم کو بھی یقین کامل اور کشادہ رزق کا وافر نصیبہ اور حصہ عطا فرمائے۔

مسلمان امیر و غریب کے لئے حکم صدقہ

عن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ ﷺ علیٰ کُلِّ مسلم صدقۃ قالوا فان لم يجد قال فلیعمل بیدیہ فینفع نفسہ ویصدق قالوا فان لم یستطع قال فیعین ذالْحَاجَةِ الْمَلْهُوفِ قالوا فان لم یفعله قال فیامر بالخیر قالوا فان لم یفعل قال فیمسک عن الشر فانہ له صدقۃ (مشکوٰۃ شریف فضل الصدقہ)

ترجمہ: حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ ادا کرنا لازم ہے۔ لوگوں نے استفسار کیا کہ اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ

دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا: اپنے دست و بازو اور صحت کی دولت سے محنت و مزدوری کر کے کمائے، اس سے خود بھی نفع اٹھائے اور دوسروں پر احسان صدقہ کرے۔ عرض کیا گیا اگر ایک آدمی اتنا بھی نہ کر سکتا ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کسی پریشان حال محتاج کا کوئی کام کر کے اسکی مدد ہی کر دے (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے۔ پھر عرض کیا گیا: اگر کوئی یہ بھی نہ کر سکے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ جواب میں فرمایا: وہ شخص اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی و نیکی کی تلقین و وعظ کرے، پھر آخری استفسار ہوا اور اگر کوئی دوسری راہ نیک بھی بیان نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ نے واضح فرما دیا کہ کم از کم برائی اور شر سے اپنے آپ کو روکے، یعنی اس کوشش میں رہے کہ اس سے کسی کو ایذا اور تکلیف نہ پہنچے۔ یہ بھی اس بندے کے لئے ایک طرح کا صدقہ ہے، چنانچہ روح حدیث اور اس کا پیغام یہی ہے کہ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب، طاقتور ہو یا ناتوانا ہو یا ضعیف، اس کے لئے لازم ہے کہ وہ درمے، دستے، قدمے اور سخنے و قولے، جس طرح جس قسم کی جس کسی کے لئے بھی وہ مدد کر سکے اور اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان نبھاسکے، اسکی مدد ضرور کرے، کبھی اس سے دریغ نہ کرے۔

صدقہ کا فائدہ خاصہ: عن مرثد بن عبد اللہ قال حدثنی بعض اصحاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان ظل المؤمنین یوم

القیامة صدقة (نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۲۳۶)

حضرت مرشد راوی کہتے ہیں کہ بعض اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان کیا اس نے خود

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ قیامت کے دن مومن پر اس کے دیئے ہوئے صدقہ کا سایہ

ہوگا۔

چنانچہ احادیث مبارکہ میں بہت سے نیک اعمال کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ روز قیامت
عالمین پر سایہ کریں گے ان میں سے ایک صدقہ بھی ہے جو اپنے دہندہ پر بصورت بادل سایہ
کر کے تمازت اور شدت تپش سورج سے بچائے گا بلکہ ٹھنڈک کا سامان مہیا کریگا۔

ہر جاندار کو نفع دینا صدقہ ہے

عن انس قال قال رسول الله ﷺ ما من مسلم يغرس غرسا او يزرع
زرعا فيأكل منه انسان او طيرا وبهيمة الا كانت له صدقه
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول خدا ﷺ نے فرمایا: مسلمان کوئی درخت
لگاتا ہے یا کھیتی بویا کرتا ہے پھر اس درخت یا کھیت سے جو پھل اور دانہ، کوئی انسان یا کوئی
جاندار پرند، چرند اور چار پایہ اسے کھائے گا وہ اس بندے کے لئے صدقہ اور اجر و ثواب کا
سامان ہوگا۔

موتی مسلمین کو صدقہ کا نفع

عن ابن عباس ان سعد بن عبادۃ توفيت امه وهو غائب عنها فقال يا
رسول الله ان امي توفيت وانا غائب اتنفعها شئ ان تصدقت به عنها
قال نعم قال فاني اشهدك ان حائطي المخراف صدقة عليها
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ
کا جب انتقال ہوا تو وہ رسول خدا ﷺ کی معیت میں ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے۔
جب ان کی واپسی ہوئی۔ رسول خدا ﷺ کی خدمت قدسیہ میں عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ
علیک وسلم! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو
اس کا ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ضرور ملے گا۔ انہوں نے عرض کیا میں آپ کو گواہ بناتا

ہوں کہ میں نے اپنا باغِ مخرف اپنی والدہ مرحومہ کے لئے صدقہ کر دیا۔

۲- عن ابی ہریرۃ قال جاء رجلٌ الى النبی ﷺ فقال ان ابی مات وترك

مالا ولم یوصِ فهل یکفر عنه ان تصدقت عنه؟ قال نعم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا حضرت میرے والد محترم کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے ترکہ میں کچھ مال چھوڑا ہے اور فوت ہوتے وقت صدقہ، خیرات کی کوئی وصیت نہیں کی ہے۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا میرا یہ صدقہ ان کیلئے کفارہ سیئات اور مغفرت و نجات کا موجب بنے گا، آپ نے فرمایا ضرور بنے گا۔

بہان اللہ کتنا عظیم فضل اور احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس طریقہ حسنہ سے ہم اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیزوں، قریبوں، دوستوں اور محسنوں کی خدمت، اعانت ان کے فوت ہو جانے کے بعد بھی کر سکتے ہیں اور اپنے صدقے، ہدیے، تحفے ان کو برابر بھیج سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ مسلمہ احادیث نبویہ سے ثابت، متحقق اور اس پر ائمہ امت کا اجماع بھی ہے۔ مزید برآں کتب عقائد سے بھی تصریحات پیش کی جاتی ہیں، ملاحظہ ہو۔ چنانچہ فخر الممتکلمین علامہ عبدالعزیز پرہاروی شرح عقائد کی شرح نبراس میں مختلف احادیث نقل کر کے آخر میں حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ کا عملی واقع بیان کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں اجر و ثواب موتیٰ مسلمین کو بڑی شرح و بسط سے لکھا ہے۔ متعدد مرویات جمع کی ہیں گویا امت مصطفویہ میں یہ مسئلہ مسلم ہے کہ موتیٰ مسلمین کو صدقہ اور نوافل کا ثواب پہنچتا ہے۔

۳- قال علیہ الصلوٰۃ و السلام الدعاء یردّ البلاء و الصدقة تطفئ غضب

الرب (نبراس ص ۵۸۱)

ترجمہ: حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: دعائال دیتی ہے ہر مصیبت و بلا کو اور صدقہ

اللہ تعالیٰ کے غضب لوٹھنڈا اور ختم کرتا ہے۔

مزید لکھتے ہیں تقریر الاستدلال ان الردّ و الاطفاء وقع عاما فيعمّ

الداعی و المتصدّق و غیرہما و الحیّ و المیت

۳- عن ابی سعید بن الخدری یرفعہ یتبع الرجل یوم القیامة من

الحسنات امثال الجبال فیقول انی هذا فیقال باستغفار ولدك لك وفي

حدیث آخر ان الله لیدخل علی اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال

الجبال (نبراس ص ۵۸۱)

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے پیچھے پیچھے

حسنات اور نیکیاں بلند پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر چلیں گی۔ آدمی عرض کرے گا کہ

کہاں سے آئی ہیں؟ جواب دیا جائے گا تیرے لئے تیری اولاد کی دعائیں، استغفار

اور بخششوں کے ہدایا حسنات کا صلہ ہیں اور دوسری حدیث میں ہے ”اللہ تعالیٰ اہل قبور کو

قبروں میں زندوں کی دعاؤں اور استغفاروں کا اجر و ثواب بلند پہاڑوں کی مانند داخل فرمائے

گا اور اہل قبور کو نفع دے گا۔

۳- عن مالک بن دینار قال دخلت المقبرة ليلة الجمعة فاذا انا بنور

مشرقٍ فیها فاذا انا بهاتفٍ یقول هذه الهدية المؤمنین الی اهل القبور

قام رجل منهم فی هذه اللیلة واسبع الوضوء و صلی رکعتین و قرأ فیہما

قل یا ایها الکافرون و قل هو الله احد و جعل ثوابہما لاهل المقابر

فادخل الله علینا النور و الضیاء و الفسحة قال مالک فلم ازل اقرء ہا فی

کل جمعة فرایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی منامی یقول یا مالک غفر الله لك بعد د

ولنور الذی اهدیتہ الی امتی و لك ثوابٌ و بنی اللہ لك بیتا فی الجنة
 حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک جمعہ کی رات ایک قبرستان میں گیا،
 جب قبور میں داخل ہوا ایک ایک بلند ہونے والے نور نے سارے قبرستان کو منور
 کر دیا اچانک آواز دینے والا کہہ رہا ہے یہ مومنین کی طرف سے ہدیہ ہے۔ قبرستان والوں پر
 سی رات ان لوگوں میں سے ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کامل وضو کر کے دو رکعت نماز نفل
 ادا کرتا ہے، ایک رکعت میں سورہ قل یا ایہا الکافرون پڑھتا ہے اور دوسری رکعت میں قل
 هو اللہ احد سورہ پڑھتا ہے اور ان دونوں رکعتوں کا ثواب سارے قبرستان والوں کو بخش دیتا
 ہے پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا نور رحمت و ضیاء برسایا اور کشادگی ہی کشادگی فرمادی ہے۔
 حضرت مالک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اسکے بعد میں نے معمول بنا لیا ہمیشہ کے لئے ہر جمعہ کی
 رات میں اسی طرح پڑھ کر قبرستان والوں اور تمام موتی مسلمین کو اس کا ثواب ہدیہ کر دیتا ایک
 رات میں نے حالت خواب میں حضور کریم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ فرمانے لگے اے مالک
 اللہ تعالیٰ نے تیری مغفرت فرمادی ہے اس نور کے اعداد کے مطابق جو تو بار بار ہدیہ کرتا رہتا
 تھا موتی مسلمین کے لئے اور تیرے لئے بھی اتنا ہی ثواب ہے اور مزید تیرے لئے اللہ تعالیٰ
 جنت میں محل بنائے گا۔“

مذکورہ بالا محولہ مرویات سے یہی واضح ہے کہ موتی مسلمین کے لئے زندہ لوگ جو قرأت قرآن
 بمعیاد دعا و استغفار صدقات و نوافل بھیجتے اور ان کے ارواح کو بخشتے ہیں وہ ان کو پہنچتا ہے
 اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اس عمل پر راضی ہوتے ہیں۔

ماہ رمضان اور صیام رمضان کے فضائل

چنانچہ شہادت، ایمان تو حید و رسالت کے بعد تیسرا رکن اور عنصر اہم روزہ ہے، جس کی فرضیت

کا حکم بذریعہ وحی ہوا ہے، اور سابقہ عبادات کی طرح روزہ بھی اقوام ماضیہ شرائع سابقہ میں فرض رہا ہے۔ پہلی امتوں کو بھی روزہ فرضیہ کی ادا کا حکم ہوا تھا آیہ مبارکہ یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (پ ۲، سورہ بقرہ، ع ۷)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے اور تمہیں یہ حکم روزہ اس لئے دیا گیا ہے تاکہ تمہیں پرہیزگاری اور خدا خونی حاصل ہو۔۔۔۔۔ چنانچہ روزہ اسلام میں ایک ایسی عبادت اور ریاضت و مشقت ہے جو قوت بھیمی (جانوری) کو اس کی ملکوتی، روحانی، نورانی قوت کے تابع کرنے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں بزور فرضیت نفس کی خواہشات، پیٹ کی طلب، شہوات کے تقاضوں پر قابو پانے اور ذوات انسانیہ اور مومنہ کی تربیت دینے اور اس کے نبھانے کی عادت ڈالنے کا خاص ذریعہ اور سبب ہے۔ اس سے پہلی امتوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا تھا۔ اگرچہ روزہ کی مدت اور بعض دوسرے تفصیلی احکام میں ان امتوں کے خاص حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی ہے، لیکن اس امت آخرہ کے لئے جس کا دور دنیا کے آخری سورج طلوع ہونے تک ہے۔ سال میں صرف ایک مہینے کے لئے روزے فرض کئے گئے ہیں اور اس شریعت میں روزے کا وقت طلوع سحر سے قطعی غروب آفتاب تک رکھا گیا ہے۔ یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مدت یک ماہی اور وقت طلوع سحر تا غروب آفتاب انتہائی مناسب ہے کیونکہ اس روزہ سے جو اصل مقصد تھا، وہ اس وقت و مدت میں نہایت معتدل اور وفا شعاری اور احساس ہمدردی پیدا کرنے اور دوسروں لئے فکر مند ہونے کے لئے موزوں ترین ہے کیونکہ اس سے کم مدت و وقت میں ریاضت اور نفس کی تربیت کا مقصد حاصل نہ ہو سکتا تھا اور اگر اس سے زیادہ کا تعین ہوتا مثلاً روزے میں دن کے ساتھ رات بھی شامل ہوتی تو صرف

سحور کے وقت کھانے پینے کی اجازت ہوتی یا سال میں تین یا چار مہینے روزے مسلسل ہوتے، تو انسان کی اکثریت کے لئے ناقابل برداشت اور صحت کے لئے بھی نقصان دہ ہوتے اور نبھانے کی ہمت نہ پڑتی - شریعت مقدسہ نے جو تعینات اوقات اور عرصہ کئے ہیں ہر دور کے انسانوں کے حالات کے لحاظ سے ان کی ریاضت اور تربیت اور ہر سال نئی لگن کے مقصد کے لئے بالکل مناسب اور معتدل اور معقول درجہ ہے - پھر شریعت مطہرہ نے ایک ماہ کے روزہ کے لئے ایسے بابرکت مہینہ کا تعین فرمایا ہے، جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا - بے حساب برکات اور خزان رحمت کے دروازے کھولتا ہے - اسی میں ہزار ماہ کی سعادت و عبادت سے بہتر رات (لیلة القدر) ہوتی ہے پھر اس مہینہ میں روزے کے ساتھ رات میں بھی ایک خاص عبادت کا اہتمام عمومی اور اجتماعی نظام کی صورت میں قائم کیا گیا ہے جسے تراویح رمضان کا نام دیا گیا ہے اور روزہ کے ساتھ عبادت و تراویح اور ریاضت روز و شب سے نورانیت کی تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے وہ یقیناً مشاہدات، تجربات اور مناظرات سے واضح ہوتا ہے - ہر روزہ دار عبادت گزار کے چہرہ پر خواہ کالا ہو یا گورا ایک سعادت کی جھلک محسوس ہوتی ہے اور تابانی کیفیت نمودار ہو کر رونق قائم کرتی ہے - دعا ہے اللہ کریم ہم تمام مسلمانوں کو اس عبادت اہمہ کی مزید توفیق عطا فرمائے

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان اول لیلة من شهر رمضان صُفِّدَت الشیاطین و مردة الجن و غلقت ابواب النار فلم یفتح منها باب و فتحت ابواب الجنة فلم یغلق منها باب و ینادی مناد یا داعی الخیر اقبل و یا باغی الشر اقصر و لاه عتقاء من النار و ذلك کل لیلة (مشکوہ کتاب الصوم ۱۷۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو تمام شیاطین اور سرکش جنات اور تمام شریر

گروہ جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں چھوڑا جاتا اور جنت، رحمت و فضل کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اسکا کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور اللہ کا منادی پکارتا ہے کہ اے خیر اور نیکی کے طالب قدم بڑھا کے آ، اور اے بدی و بدکرداری کے دلدادہ دست جفا اور قدم بے سود بڑھانے سے رک جا، آگے نہ بڑھ اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے بہت سارے آدمیوں کو دوزخ سے رہائی دے دی جاتی ہے اور ان کی مغفرت کے فیصلہ کا اعلان کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ ماہ رمضان کی ہر رات کو جاری رہتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے آخر میں عالم الغیب کے منادی کا ذکر ہے، جسکی ندا اگرچہ ہم اپنے کانوں سے نہیں سنتے اور نہ ہی سن سکتے ہیں۔ یہ ایک در پردہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ماذون ہے، لیکن اسکی تاثیر اور بھلا رنگ ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ رمضان مبارک کے مہینہ میں عموماً اہل ایمان کا دلی رجحان اور طبعی میلان اور جھکاؤ بہت زیادہ خیر و سعادت کے اعمال کی طرف مزید ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بہت سے غیر محتاط اور آزاد منش عامی مسلمان بھی ماہ رمضان میں اپنی روش اور طور طریقہ کو بدل لیتے ہیں۔ واضح ہوا کہ یہ تمام سعادتیں ملاء اعلیٰ کی اس نداء پر کیف اور پکارِ دلربا کا ظہور اور اثر ہے

رسول کریم ﷺ کا ایک خطبہ

عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ قال خطبنا رسول اللہ ﷺ فی آخر یوم من شعبان فقال یا ایہا الناس قد اظلمکم شہرٌ عظیمٌ مبارکٌ شہر

فیه لیلةٌ خیرٌ من الف شهر جعل اللہ صیامہ فریضة و قیام لیلة تطوعاً
من تقرب فیه بخصلة من الخیر کان کمن ادى فریضة فیما سواہ ومن
ادى فریضة فیه کان کمن ادى سبعین فریضة فیما سواہ وشهر الصبر و
الصبر ثوابہ الجنة وشهر المواساة وشهر یزاد فیه رزق المؤمن من فطر
فیه صائماً کان له مغفرة لذنوبه وعتق رقبتہ من النار وکان له مثل
اجرہ من غیر ان ینقص من اجرہ شیء قلنا یارسول اللہ لیس کلنا یجد
ما یفطر به الصائم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعطی اللہ هذا الثواب من فطر
صائماً علی مذقة لبن او شربة من ماء ومن اشبع صائماً سقاہ اللہ من
حوضی شربة لا یظماً حتی یدل الجنة وهو شهر اولہ رحمة و اوسطہ
مغفرة و آخرہ عتق من النار ومن حُفِّفَ عن مملوکہ فیه غفر اللہ له
واعتقہ من النار (مشکوہ کتاب الصوم فصل ثالث ۱۷۳-۱۷۴)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ماہ شعبان کی
آخری تاریخ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے بیان واضح میں
اپنے صحابہ کرام کو برکات رمضان مبارک کا درس دیا۔

اے لوگو! تم پر ایک بابرکت بڑی عظمت والا مہینہ سایہ فلگن ہو رہا ہے۔ اس مبارک مہینہ میں
ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے افضل و بہتر ہے۔ اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے
فرض کئے ہیں اور اس کی ہر رات میں بارگاہ خداوندی میں صف آرا ہو کر نماز رات ادا کرنے
کو نفلی عبادت مقرر فرمایا ہے۔ جس میں بہت زیادہ اجر و ثواب کی امید دلائی گئی ہے جو شخص
اس مہینے میں اللہ کی رضا و خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض
عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو ان کو دوسرے زمانہ یعنی باقی والے مہینوں کے

فرضوں کے برابر اسکو ثواب ملے گا اور اس مبارک مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے مہینے کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے جس شخص نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور بہتر ثواب کے لئے روزہ افطار کرایا، تو اسکے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے چھٹکارا نصیب ہوگا۔ اور افطار کرانے والے کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی واقع ہو۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا، بمشکل اپنی گزران ہوتی ہے (یعنی کیا غرباء اور کم معاش والے اس ثواب عظیم سے محروم رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی مرحمت فرمائے گا جو تھوڑے سے دودھ کی کسی کچی لسی سے یا صرف ٹھنڈے پانی کے ایک گھونٹ سے کسی مسلمان روزہ دار کا روزہ افطار کرادے۔ رسول خدا ﷺ نے سلسلہ کلام جارے رکھتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا جو شخص کسی روزہ دار کو اطمینان سے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا، جسکے بعد اس کو کبھی پیاس نہ لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (اس کے بعد فرمایا) اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ یعنی پہلا عشرہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ دوسرا عشرہ مغفرت ہے اور آخری حصہ تیسرا عشرہ دوزخ کی آگ سے نجات ہے۔ اسکے بعد آپ نے ارشاد فرمایا اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے نوکر و خادم کے کام میں تخفیف کرے گا اور اس کی مشقت گھٹا دے گا، اللہ تعالیٰ اسکی مغفرت فرما دے گا اور اسکے مالک و آقا کو دوزخ سے رہائی دے گا۔

وضاحت مزید: چنانچہ ماہ رمضان مبارک کی فضیلت و عظمت والے خطبہ میں ہزار مہینوں

سے بہتر رات کا تذکرہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ایک مستقل سورہ مبارکہ نازل ہوئی ہے اور شب قدر کی خیریت و افضلیت واضح کی ہے کہ اللہ کی ذات سے نسبت اور ناطہ جوڑنے والے اور اس کے قرب و رضا کے طالب بندے اس ایک رات میں قرب الہی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں اور ان کے مراتب قرب اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ سال کی دوسری ہزار راتوں میں بھی اتنا عبور نہیں کر سکتے، یعنی حصول رضائے خداوندی اور قرب الہی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو بات طالبین صادقین کو سینکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی۔ وہ اسی ایک رات قدر مبارک میں حاصل ہو جاتی ہے گویا لیلۃ القدر کی خصوصیت ماہ رمضان المبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت سے ہے لیکن نیکی کا ثواب ستر گنا میسر آتا ہے یہ رمضان المبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے۔

علاوہ ازیں محولہ بالا خطبہ مبارکہ میں رمضان المبارک کو صبر و ہمدردی کا مہینہ ٹھہرایا گیا ہے۔ اسلام کی زبان میں صبر کا اصل معنی اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اپنے نفس کی تمام نازیبا خواہشات کو دباننا، مضحک کرنا اور تلخیوں، ناگواری کو جھیلنا اور صبر آزمائے سے عبور کرنا ظاہر ہے کہ روزہ کا اول و آخر پورا پورا یہی ہے۔ حدیث محولہ میں ماہ رمضان کی برکت سے اہل ایمان کے رزق میں وسعت و اضافہ کئے جانے کا ارشاد ہو رہا ہے اور یہ امر واقعی ہے کہ ماہ رمضان میں جتنا عمدہ اور فراغت سے کشادہ کھانے پینے کو مہیا ہوتا ہے سال کے باقی گیارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا ہے خواہ وہ کہیں سے بھی آئے۔ اسی عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے سے آتا ہے۔ خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا رمضان المبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ جہنم سے نجات و آزادی ہے۔ غالباً اسکا صحیح اور دل کو بھلا لگنے والا یہی مقصد ہو سکتا ہے کہ رمضان کی برکات سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں ایک وہ اصحاب صلاح و تقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے

بچنے اور پرہیزگاری کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا، لغزش، کمزوری ہو جاتی ہے، تو اس وقت توبہ و استغفار سے اس کی صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو ایسے نیک دل بندوں پر رمضان شریف شروع ہوتے ہی، بلکہ پہلی رات ہی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ مزید سے مزید رحمت الہی کا محل بن جاتے ہیں دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہو سکتا ہے جو حد درجہ کے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہوتے، لیکن اس لحاظ سے گئے گزرے بھی نہیں ہوتے، تو ایسے لوگ جب رمضان شریف کے ابتدائی حصے میں روزوں، اور دوسرے اعمال خیر اور توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے حال کو بہتر بنا لیتے ہیں اور اپنے آپ کو رحمت و مغفرت کے قابل کر لیتے ہیں، تو درمیانی حصے میں ان کی مغفرت و معافی کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے تیسری قسم ان لوگوں کی ہوتی ہے جو اپنے نفسوں، اپنی جانوں پر بہت ظلم و زیادتی کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا حال باطن بہت ابتر و سیاہ ہو چکا ہوتا ہے اور اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے گویا دوزخ کے پوزے مستحق ہو چکے ہوتے ہیں، وہ کم سعادت والے بھی جب رمضان مبارک کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ و استغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی صفائی اور تلافی دلی ارادہ سے اور خالص عبادت سے کرتے ہیں تو اخیرہ عشرہ (گویا دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ سیاہ کاروں کو رحمت کے پانی سے نظافت بخشتا ہے، تو ان کی بھی دوزخ سے نجات اور رہائی کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔

عن سهل ابن سعد قال ان في الجنة بابا يقال له الريان يدخل منه الصائمون يوم القيامة لا يدخل منه احد غيرهم يقال اين الصائمون فيقولون لا يدخل منه احد غيرهم فاذا دخلوا اغلق فلم يدخل

الجنة منه احد

ترجمہ : حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا

کہ بہشت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو باب الریان کہتے ہیں، اس دروازے سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا ورود اور داخلہ ہوگا۔ روزہ داروں کے سوا کوئی دوسرا اس دروازہ سے داخل نہیں ہوگا۔ اس دن پکارا جائے گا کہاں اور کدھر ہیں وہ بندگان خدا جو محض رضائے الہی کیلئے روزے رکھا کرتے تھے اور ہر طرح کی جسمانی بھوک و پیاس کی شدت گوارا کرتے تھے۔ وہ لوگ یہ ندا و پکار سنتے ہی جنت کی طرف چل نکلیں گے اور دروازہ خاص سے ان کا گزر ہوگا کہ کوئی دوسرا طبقہ اس دروازے سے ہرگز نہ گزرے گا۔ جب مخلصین روزہ دار اس دروازہ سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو اس دروازے کو بند کر دیا جائے گا کیونکہ یہ دوسرے جنتیوں کی گزرگاہ نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

وضاحت مزید: یہ کہ حالت روزہ میں جس تکلیف کا احساس روزہ دار کو سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور وہ امر مشکل جس میں روزہ دار سب سے زیادہ مشقت جھیلتا ہے، وہ روزے دار کا پیاسا رہنا اور اپنے دل پر قابو پا کر پورے اطمینان و صبر سے شدت پیاس کو نبھانا ہے اس لئے اس کو جو صلہ اور بدلہ و انعام دیا جائے گا اسکے زیادہ لائق اور مناسب حال سیرابی والا پہلو ہونا چاہیے اور مزید سے مزید تازگی میسر آنی چاہیے۔ اسی مناسبت سے جنت میں داخل ہونے کے لئے ابواب جنت سے ایک مخصوص تراوت و تازگی، سیرابی والے دروازے کا تعین ہوا ہے۔ اس کی خاص صفت سیرابی، شادابی ہے۔

ریان کے لغوی معنی بھی پورا پورا سیراب اور بھرپور سیرابی ہے یہ صرف اسی دروازہ کی صفت ہے جس سے روزہ داروں کو گزارا جائے گا۔ پھر جنت میں پہنچ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے

جو انعامات و کرامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس صرف اسی اللہ تعالیٰ کو ہی ہے جس کا ارشاد ہے: الصوم لی وانا اجزی بہ بندہ کا روزہ صرف میری رضا کے لئے ہے اور میں خود ہی اسکی جزا وصلہ دوں گا۔

قال رسول الله ﷺ الصيام و القرآن يشفعان للعبد يقول الصيام اى رب انى منعتك الطعام و الشهوات بالنهار فشفعنى فيه ويقول القرآن منعتك النوم بالليل فشفعنى فيه فيشفعان (مشکوہ ص ۱۷۳)

ترجمہ: روزہ اور قرآن مجید روزہ دار مومن کے لئے سفارش کریں گے۔ اللہ کی بارگاہ میں روزہ مجسم ہو کر حاضر ہوگا: عرض کرے گا اے میرے رب تو نے میرے نبھانے کا بندے کو حکم دیا تھا۔ پورا مہینہ روزہ فرض قرار دیا۔ اس بندے نے روزہ رکھا اور پوری وفا سے نبھایا پورے احترام سے پیش آیا میں نے اس شخص کو دن بھر کوئی شے کھانے، پینے اور دوسری تمام تر نشاط بخش اشیاء سے روکا اور وہ تمام لذات عیش سے رکا رہا۔ اے میرے رب میری شفاعت اس بندے کے حق میں قبول فرما اور اس کا عمدہ صلہ و بدلہ عطا فرما۔ پھر قرآن مجید بارگاہ الہی میں عرض پرداز ہوگا۔ اے میرے خالق و مالک دن کو روزے کی مشقتیں جھیلنے کے بعد تیرے بندے نے تیری بارگاہ کی خوشنودی و رحمت کی خاطر مزید رحمت کے لئے راحت و آرام قربان کیا۔ تھکاؤٹوں سے آنے والی میٹھی نیند ترک کر کے نماز میں قرآن پڑھتا رہا اور سنتارہا شوق عبادت اور ذوق ایمان سے قرآن سنتا رہا۔ اے خدا! اس شخص کے بارے میں میری شفاعت و سفارش قبول فرما، تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے دونوں کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

اعتدال فی العبادات

قال النبی ﷺ لعبدِ اللہ بن عمرو بن العاصِ انک تصوم النہار و تقوم اللیل ؟ قلت بلی یا رسول اللہ قال فلا تفعل - صُمْ وَاْفِطِرْ ، نَمْ وَاَقُمْ فان لجسدک علیک حقا وان لزوجتک علیک حقا وان لزوارک علیک حقا وان بحسبک ان تصوم فی کل شهر ثلاثہ ایام (مشکوہ شریف باب صیام تطوع ص ۱۷۹)

ترجمہ : حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے خبر دی گئی ہے یہ صحیح ہے کہ تم پابندی سے دن میں روزہ رکھتے اور پوری رات نوافل پڑھتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! یہ صحیح ہے۔ آپ نے فرمایا عبد اللہ! ایسا نہ کرو، کبھی روزے رکھ لیا کرو، کئی دن افطار میں رہا کرو، روزے نہ رکھا کرو، کبھی کبھی کئی کئی ایام کھاتے پیتے رہا کرو۔ اسی طرح عبادت نافلہ میں رات کا کچھ حصہ نیند کر لیا کرو اور کچھ حصہ میں عبادت اور نوافل ادا کیا کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے دوستوں، ملاقاتیوں، مہمانوں اور دوسرے اقارب کا بھی تم پر حق ہے اور یہ عمل اختیار کرو کہ تم ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھا کرو اور اتنا تم کو بس اور کافی ہے۔

حدیث محولہ سے رسول اکرم ﷺ کا اپنے صحابی کو عمل کم کرنے کا حکم اور ارشاد فرمانے سے مقصد یہ تھا کہ ہمہ اوقات کی عبادت اور سال بھر کی بیداری سے صحت ٹھیک نہیں رہے گی، دوسرے کام رک جائیں گے۔ تمہارے امور میں ایک قسم کا تعطل پیدا ہو جائے گا، اسکے ساتھ یہ بھی احتمال تھا کہ رات دن کی مسلسل عبادت سے کہیں بالکل جی نہ گھبرا جائے، لہذا

میانہ روی اختیار کرو تا کہ عبادت کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ دوسرے امور لازم بھی سرانجام ہوتے رہیں اور آنحضرت کریم ﷺ تمام ذمہ داریوں میں توازن و اعتدال اور میانہ روی کا حکم فرماتے تاکہ بقدر استطاعت سارے کام خواہ عبادت سے متعلقہ ہوں یا دنیوی معاش برابر چلتے رہیں، اسی لئے ارشاد مبارک ہے خیرُ الامور اوسطُہا

صوم وصال سے ممانعت

صوم وصال یہ ہوتا ہے کہ شام کو روزہ افطار نہ کیا جائے اور صبح سحری بھی نہ کھائی جائے۔ مسلسل روزہ ہی روزہ رہے، یہاں تک کہ راتیں بھی بغیر کھائے پیئے گزاری جائیں، چونکہ کئی کئی ایام ایسا کرنے سے سخت مشقت اور جسم پر ضعف و کمزوری غالب آ جاتی ہے اور یہ خطرہ مزید بڑھ جاتا ہے کہ زیادہ کمزوری عارض آ جانے کے باعث بندہ دوسرے فرائض و عبادات اور ذمہ داریوں سے عاجز ہو کر رہ جائے گا اسلئے حضور نبی کریم ﷺ نے امت کو اس طرح کے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن خود ذات پاک بابرکات حضور نبی اکرم ﷺ کی حالت و کیفیت بالکل مختلف تھی کہ آنحضرت ﷺ کے مسلسل عبادات بجالانے، صوم وصال اختیار کرنے، مدت طویل تک کچھ نہ کھانے پینے سے آپ کی صحت مبارک پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا اور نہ ہی آپ کی طاقت و توانائی میں کوئی فرق آتا تھا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ایک قسم کی غیر مادی، روحانی اور استغراقی غذا حاصل ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے آپ خود صوم وصال پسند فرماتے تھے اور مزید مراتب قرب خداوندی میں اضافہ دراضافہ حاصل کرتے رہتے تھے۔

(۱) عن ابی ہریرۃ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن الوصال فی الصوم فقال له رجل انک تواصل یا رسول اللہ ﷺ قال ایکم مثلی

انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی (مشکوہ ۱۷۵)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے وصال کے روزے یعنی روزمرہ ہردن مسلسل روزے رکھنے سے منع فرمایا ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہردن مسلسل روزے رکھتے ہیں اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارا کون میری مثل اور میرے جیسا ہے میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کم میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے -

(۲) عن ابی سعید بن الخدری انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول لا تواصلوا فایکم اراد ان یواصل فلیواصل حتی السحر قالوا فانک تواصل یا رسول اللہ ﷺ قال لست کھیتکم انی ابیت لی مطعمٌ یطعمنی وساقٍ یسقینی

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرما رہے تھے کہ تم لوگ صوم وصال نہ رکھو اور جو کوئی اپنے دلی شوق اور دل کے داعیہ و جذبہ کی بنا پر صوم وصال یعنی پئے بہ پئے روزے رکھنا چاہیے تو بس وہ صرف سحر تک یعنی سحر کو پھر کھاپی لے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: آپ خود پے در پے روزے رکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں میرا حال تم جیسا نہیں ہے۔؟ میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور پلانے والا مجھے پلاتا ہے

صوم وصال کی راتوں میں حضور رسالت مآب ﷺ کے کھلانے پلانے کی کیفیت واضح معلوم نہیں ہے یعنی حضرات اہل علم نے اس سے مطلب لیا ہے کہ صوم وصال کی راتوں میں آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت اور عالم غیب کے ماکولات و مشروبات

کھلائے پلائے جاتے تھے لیکن یہ کھانا، پینا اس عالم میں نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت آپ کسی دوسرے عالم میں ہوتے تھے جیسے ہم عوام الناس خواب کے کھانے پینے میں غور کر کے اسکو کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

افطار کے لئے عمدہ چیز

عن سلمان بن عامر قال قال رسول الله ﷺ اذا كان احدكم صائما فليُفطر على التمر فان لم يجد التمر فعلى الماء فان الماء طهور (مشکوہ ص ۱۷۵)

حضرت سلمان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ دار کو چاہیے کھجور سے روزہ کھولے اگر کھجور میسر نہ آئے تو پانی سے روزہ کھولے کیونکہ پانی پاکیزہ شے ہے

(۲) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال کان النبی ﷺ یفطر قبل ان یصلی علی رطباتٍ فان لم تكن رطباتٌ فتمیرات فان لم تكن تمیراتٌ حساوات من ماءٍ

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ کھولتے اگر تر کھجور میسر نہ آتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی میسر نہ آتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔

دعائے افطار: عن معاذ بن زهرة انه بلغه ان النبي ﷺ كان اذا

افطر قال اللهم لك صمتٌ وعلى رزقك افطرتُ (مشکوہ شریف ص ۱۷۵)

حضرت معاذ بن زہرہ سے مروی ہے کہ ان کو یہ خبر پہنچی کہ نبی کریم ﷺ جب روزہ افطار فرماتے تھے تو یہ دعائے مانگتے اے میرے اللہ! میں نے تیری رضا کے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کرتا ہوں۔

۲- عن ابن عمر قال كان النبي ﷺ اذا أفطر قال ذهب الظمَاءُ وابتليتِ

العروقُ وثبتَ الامرُ ان شاء الله (مشکوٰۃ ص ۱۷۵)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ بوقت افطار روزہ دعائے مانگتے اور پھر فرماتے تھے، پیاس چلی گئی اور رگیں تر ہو گئیں یعنی پورے جسم میں تروتازگی آگئی اور خدا نے چاہا، تو اجر و ثواب حق ثابت ہوگا۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب

عن زيد بن خالد - قال قال رسول الله ﷺ من فطر صائماً او

جهز غازيا فله مثل أجره (مشکوٰۃ ص ۱۷۵)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد سے مروی ہے کہ آنحضرت کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کا

روزہ افطار کرواتا ہے یا کسی جہاد پر جانے والے غازی کو سامان جنگ میں مدد دیتا ہے اس

کو بھی روزے دار اور غازی جتنا ثواب ملتا ہے۔

مسافر کے لئے روزے کا حکم

عن ابن عباس قال خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَصَامَ حَتَّى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهُ إِلَى يَدِهِ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَافْطَرَ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ قَدْ صَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ (مشکوٰۃ ۱۷۷)

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں برابر روزے رکھتے رہے۔ یہاں تک کہ مقام عسفان پہنچے، وہاں سے آپ نے روزے رکھنے چھوڑ دیئے اور سب لوگوں پر یہ بات واضح کر دینے کے لئے آپ نے پانی منگوایا، پھر آپ نے اس پانی کو ہاتھ میں لے کر اوپر بلند کیا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں، اس کے بعد آئینے اطمینان سے پیا، اس کے بعد مکہ پہنچنے تک آپ نے روزے نہ رکھے اور یہ واقعہ رمضان المبارک میں پیش آیا، اسلئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ نے حالت سفر میں روزے رکھے، اور افطار بھی کئے، یعنی کئی دن سفر میں رمضان کے روزے نہ رکھے تھے، تو گنجائش مل گئی، جس کا جی چاہے قضا کرے۔

تفصیل و وضاحت : مذکورہ حدیث مبارک میں فتح مکہ والا واقعہ پیش آیا تھا۔

تقریباً یہ سفر رمضان المبارک سنہ ۵۸ھ میں ہوا تھا، اس سفر کے شروع میں آپ حالت سفر میں روزے رکھتے رہے۔ جب مقام عسفان پہنچے، بعض

روایات کے مطابق عسفان مکہ معظمہ سے ۳۶،۳۵ میل مدینہ کی راہ میں پڑتا ہے اور وہاں ایک چشمہ تھا۔ مکہ مکرمہ اس سے آگے صرف دو منزل رہ گیا تھا، لیکن ایک امکان

پیدا ہو گیا کہ قریبی وقت میں کوئی مزاحمت یا معرکہ، رکاوٹ پیش آجائے اس لئے آپ نے مناسب سمجھا کہ روزے نہ رکھے جائیں اور سب کو دکھا کر پانی پیاتا کہ کسی دوسرے کے لئے روزہ قضا کرنا گراں نہ ہو۔ رسول کریم ﷺ کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ جب تک روزہ قضا کرنے میں کوئی ایسی مصلحت، عارضہ نہ ہو تو سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے، اسی لئے آپ نے عسفان تک برابر روزے رکھے۔ اگر بغیر کسی خاص مصلحت کے بھی سفر میں روزہ قضا کرنا ہی افضل ہوتا، تو آپ شروع سفر ہی سے قضا کرتے۔ اسی واقعہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت مسلم شریف میں وارد ہے اس میں مزید یہ ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس طرح علانیہ روزہ قضا کرنے، اور سب ہمراہیوں کو دکھا کر پانی پینے کے بعد بھی روزے جاری رکھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا ایسے روزہ رکھنے والے طریقہ نبوی کے خلاف عمل پیرا ہونے والے خطاکار اور گنہگار ہیں، اگرچہ بعض صحابہ سے خلاف ورزی نادانستہ طور پر ہوئی لیکن یہ اپنی جگہ حسنات الابرار سیئات المقرین ہیں۔

بلا عذر شرعی روزہ توڑنے پر کفارہ

عن ابی ہریرۃ قال بینما نحنُ جلوسٌ عند النبی ﷺ اذ جاءہ رجل فقال یا رسولَ اللہ هلکتُ قال وماک قال وقعت علی امرءتی وانا صائم فقال رسول اللہ ﷺ هل تجد رقبۃ تعتقہا قال لا قال فهل تستطیع ان تصومَ شهرین متتابعین قال لا فهل تجد اطعام ستین مسکینا قال لا قال اجلس ومکت النبی ﷺ فبینا نحن علی ذلك اتی النبی ﷺ بعرق فیہ تمرٌ و العرق المکتلُ الفخم ، قال ابن السائل قال

انا قال خذ هذا فتصدق به فقال الرجل اعلى افقر منى يا رسول الله
فوالله ما بين لابتيتها (يريد الحرين) اهل البيت افقر من اهل بيتى
فضحك النبى ﷺ حتى بدت انياباه ثم قال اطعمه اهلك (مشکوٰۃ ۱۷۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ

کی مجلس صحابہ میں ایک آدمی حاضر ہوا، عرض کرنے لگا یا رسول اللہ (ﷺ)! میں تو
ہلاک ہو گیا، میں ہلاک ہو گیا، (یعنی ایسی غلط کاری اور بے جا جرأت میں پڑ گیا
ہوں، جس نے مجھے ہلاکت و بربادی میں ڈال دیا ہے، آپ نے فرمایا: کیا کر بیٹھا ہے، تم
سے کیا ہوا ہے عرض کرنے لگا میں نے حالت روزہ میں اپنی بیوی سے صحبت و جماع کیا ہے
اور دوسری روایت میں مزید یہ کہ یہ واقعہ رمضان شریف میں پیش آیا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا
تمہارے پاس اور تمہاری ملکیت میں کوئی غلام و بردہ ہے۔ جس کو تم اس غلطی کے کفارہ میں
آزاد کر سکو۔ اس آدمی نے عرض کیا، نہیں کچھ ملکیت نہیں ہے، پھر آپ نے فرمایا، کیا تم دو ماہ
کے روزے متواتر رکھ کر نبھاسکتے ہو؟ عرض کیا یہ بھی میرے نبھانے اور بس سے باہر ہے
اور پھر سہ بارہ فرمایا کیا تم ساٹھ مساکین کو کفارہ کے طور پر کھانا کھلا سکتے ہو، عرض کیا مجھے
اتنی بھی ہمت اور طاقت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: دوسری طرف بیٹھ رہو شاید اللہ تعالیٰ
تیرے لئے کوئی عمدہ راہ اور بہتر سبیل پیدا فرمادے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ابھی
وہیں مجلس میں تشریف فرما تھے اور ہم سب اہل مجلس موجود تھے۔ رسول اکرم ﷺ کی خدمت
اقدس میں کھجور سے بھرا ایک ٹوکرا یا بورہ پیش ہوا۔ آپ نے پکارا کہاں ہے مسئلہ پوچھنے
والا سائل؟ سائل نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) میں حاضر ہوں۔ آپ نے ارشاد
فرمایا: اس (بورے یا ٹوکرنے) کو لے لو اور اپنی طرف سے صدقہ کر دو۔ عرض کرنے لگایا
رسول اللہ! ایسے محتاجوں پر صدقہ کروں جو مجھ سے زیادہ فقیر و نادار و محتاج ہو اور قسم کھائی کہ

یا رسول اللہ (ﷺ) مدینہ منورہ شہر کی دونوں پہاڑی آبادیوں کے درمیان یعنی پورے علاقے میں مجھ اور میرے گھر والوں سے زیادہ کوئی حاجت مند اور نادار نہیں ہے۔ اسکی بات پر رسول اللہ (ﷺ) کو خلاف عادت ایسی ہنسی آئی کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر چمکنے لگے حالانکہ عادت مبارکہ مسکرائٹ ہوتی تھی۔ پھر آپ نے اس آدمی کو حکم دیا کہ جاؤ یہ کھجوریں لے جاؤ اور اپنے ہی گھر والوں کو کھلا دو۔

تفصیل مسائل : محولہ بالا حدیث مبارک سے واضح ہوا کہ اگر کوئی آدمی

رمضان المبارک کے روزہ میں نفسانی اور شہوانی رو سے ایسی غلطی کر بیٹھے تو اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ جمہور ائمہ و فقہاء امت کا مسلک حنیف بھی یہی ہے۔ البتہ اسمیں آراء مختلفہ ہیں کہ کفارہ کیا صرف اسی صورت میں واجب ہوگا جب کسی نے کچھ دانستہ کھا، پی لیا ہو اور روزہ ضائع کر دیا ہو۔ حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کفارہ مذکور صرف جماع والی صورت میں لازم اور مخصوص ہے، کیونکہ حدیث شریف میں وقوع ہونے والا واقعہ جماع ہی کا ہے۔ ان کے خلاف امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری اور عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ اس کفارہ کے وجوب کی اصل وجہ اور علت روزہ رمضان کی ہتک اور بے حرمتی ہے اور یہ کفارہ سزا ہے۔ اس جرم کی کہ نفس کی خواہش کے مقابلہ میں رمضان کے روزہ کا احترام نہیں کیا اور بے جا جرأت سے روزہ ضائع کر دیا اور یہ روزہ ضائع کرنے والا جرم محض نفسانی خواہش میں مبتلا ہو کر کیا ہے خواہ جماع کرنے سے ہو یا کوئی شے کھانے پینے یا کسی اور وجہ سے تمام صورتوں میں کفارہ یکساں ہے۔ قصداً و ارادۃً روزہ توڑ ڈالنے پر کفارہ واجب ہوگا۔ علاوہ اس واقعہ مذکورہ میں عجیب و غریب معاملہ یہ ہے کہ رسول کریم (ﷺ) نے صاحب واقعہ صحابی کو کھجوروں کا بورایا ٹوکرا

جو اس لئے عنایت فرمایا تھا کہ مساکین و محتاجین پر صدقہ کر کے وہ اپنا صدقہ ادا کریں، پھر جواب میں اس صحابی کے اس کہنے پر کہ مدینہ منورہ بھر کی پوری آبادی میں مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے زیادہ حاجت مند اور کوئی نہیں ہے آپ نے اس کے لئے وسعت و اجازت فرمائی کہ خود اپنے گھر میں اس کو استعمال کر لو۔ اس مسئلہ کے بارے میں جمہور ائمہ فقہاء کی رائے یہ ہے کہ صحابی کو صدقہ خود گھر میں استعمال کر لینے کی اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح سے اس کا کفارہ ادا ہو گیا، بلکہ رسول کریم ﷺ نے ترحم کے طور پر اسکی وقتی ضرورت و حاجت ملحوظ فرماتے ہوئے ساری کھجوریں اپنے خرچ میں لانے کی ان کو اس وقت اجازت دی نہ کہ کفارہ کی ادائیگی میں، بلکہ کفارہ ان کے ذمہ باقی اور واجب رہا اور مسئلہ بھی یہ ہے کہ روزہ توڑنے کی صورت میں بالترتیب اگر وقتی طور پر کفارہ ادا نہ کیا جاسکے، یا ادا کی طاقت نہ ہو تو اسے موخر کیا جاسکتا ہے کیونکہ کفارہ کی مدت محدود معینہ نہیں ہے، زندگی بھر میں وسعت پر ہے اور نیت پر رکھی جائے گی، بوقت استطاعت و قدرت کفارہ ادا کیا جائیگا۔ امام زہریؒ وغیرہ کچھ ائمہ حدیث کی رائے یہ ہے کہ عام شرعی قانون اور اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ اپنے اوپر اپنے گھر میں مال استعمال کر لینے سے کفارہ ادا نہیں ہوتا مگر اس صحابی کے لئے رسول اکرم ﷺ نے ایک طرح کا استثنائی معاملہ اختیار فرمایا اور کفارہ بھی اسی صدقہ والے مال سے ادا کر دیا گیا۔ یہی واقعہ بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختصراً بیان ہوا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں مزید کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث مبارک میں علماء کبار نے خیال ظاہر فرمایا کہ اس حدیث میں ایک ہزار تک علمی فوائد نکلتے اور رموز منضم ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کھجوریں صاحب واقعہ کی اپنی ملکیت نہیں تھیں، بلکہ وہ غالباً صدقہ کے طور پر آئی تھیں، تو پھر صدقہ کو صدقہ و کفارہ میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہ عجب اختیار ہے۔

تین عوارض سے روزہ نہیں ٹوٹتا

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ ثلث لا یفطرن الصائم الحجامة والقیء والاحتلام (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۷)

سنگیاں اور استرے سے پچھ لگوانے سے اور قے ہو جانے سے، احتلام ہو جانے، سرمہ لگانے، تروتازہ مسواک کرنے، روزے کی حالت میں بار بار سر اور منہ پر پانی ڈالنے اور بھول کر کوئی شئی کھانے یا پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ اسی طرح اپنی بیوی کو بوسہ کرنے اور بغل گیر کرنے سے بھی روزے میں نقصان نہیں ہے۔

مزید برآں یہ کہ روزہ کی حالت میں پیاس یا گرمی کی شدت کم کرنے کے لئے سر پر پانی ڈالنا، غسل کرنا، کلیاں کرنا اور اس قسم کی دوسری تدابیر سب جائز ہیں۔ اور یہ تدبیریں روزہ کے منافی نہیں ہیں۔ رسول کریم ﷺ اس طرح کے بعض اعمال اس لئے بھی کرتے ہیں کہ اس طرز عمل سے اپنی عاجزی ظاہر ہوتی ہے جو بندگی کی اصل روح ہے۔ نیز تعلیم امت اور سہولت کے لئے آپ ایک نمونہ عمل پیش فرماتے تھے۔

مزید عبادت مجاہدہ، نقلی روزے

عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ لکل شیء زکوٰۃ و زکوٰۃ الجسد الصوم (مشکوٰۃ ص ۱۸۵)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی زکوٰۃ ہے جس کے نکالنے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزے ہیں۔

نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزوں کا ایک نصاب اور سالانہ کورس اسلام میں رکن اور شرط لازمی کے طور پر واجب قرار پایا ہے، جس کے بغیر مسلمان کی زندگی نہیں بن پاتی۔ وہ ہیں

ماہ رمضان مبارک کے پورے روزے اس کے علاوہ شریعت اسلامیہ میں روحانی تربیت اور تزکیہ قلوب و نفس کے لئے اور ذات باری تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل کرنے کے لئے دوسری نقلی عبادات کی طرح نقلی روزوں کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ مزید یہ کہ بعض ایام مخصوصہ اور تواریخ مفضلہ متبرکہ بیان فرمائے، ان میں روزوں کی خصوصی ترغیب دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ زبانی تعلیم و تلقین کے سوا اپنے عمل سے بھی امت کو ان نقلی روزوں کی ترغیب و تحریص فرماتے اور یہ تاکید ہوتی کہ کوئی حد اعتدال سے نہ بڑھے اور عام عمل کی صورت میں رہے، جیسے سنت اعتکاف، ایک نقلی عبادت غیر موکدہ ہے نہ کہ باہتمام

اعتکاف: عن ابن عمر قال كان رسول الله يعتكف العشر

الواخر من رمضان (مشکوٰۃ ص ۱۸۳)

رسول کریم ﷺ رمضان شریف کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ساری زندگی مبارک بندگی خدا میں گزرتی، لیکن رمضان المبارک میں آپ کا ذوق و شوق عبادت مزید بڑھ جاتا اور رمضان شریف کے آخری دس ایام میں بالکل ہمہ اوقات مصروف عبادت رہتے، مسجد مبارک میں ڈیرہ لگا لیتے، نوافل کی کثرت، تلاوت قرآن مجید اور اذکار و دعوات میں لگے رہتے۔ اسی سلسلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت ہے عن عائشة ان النبي ﷺ كان اذا دخل العشر الاواخر احياء الليل وابقظ اهله وشد المنزر

یعنی ہمہ اوقات ہمہ تن مشغولیت عبادت پورے رمضان المبارک میں آپ کا عادیہ و طیفہ ہوتا تھا۔

برکات لیلۃ القدر

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ تحرّوا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان (مشکوٰۃ ص ۱۸۱) .
ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا
 لیلۃ القدر کو تلاش کرو رمضان شریف کے آخری عشرہ میں “

احادیث مبارکہ سے یہی واضح ہے کہ شب قدر زیادہ تر عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ وجہ اخفاء و پوشیدگی یہ ہے کہ اگر شب قدر کا تعین کر دیا جاتا، تو بہت سے لوگ بس صرف اسی ایک رات میں عبادت کا خاص اہتمام کر لیا کرتے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح مبہم اور غیر معین رکھا کہ قرآن کریم کا نزول ماہ رمضان میں ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر رمضان المبارک کی راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے۔ بعض صحابہ کرام کا خیال مبارک تھا کہ شب قدر عموماً رمضان مبارک کی ستائیسویں رات کو ہوتی ہے۔

عن زبیر بن حبیش قال سألت ابا بن کعب فقلت ان اخاک ابن مسعود من یقم الحول یصنّب لیلۃ القدر فقال رحمۃ اللہ اراد ان یتکل الناس اما انه قد علم انها فی رمضان وانها فی العشر الاواخر وانها لیلۃ سبع وعشرین فقلت بای شیء تقول ذاک یا ابا المنذر قال بالعلامۃ او قال بالایۃ التي اخبرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال رسول اللہ انما الشمس تطلع یومیئذ لا شعاع لها (مشکوٰۃ ص ۱۸۲)

ترجمہ : زبیر بن حبیش تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے

دریافت کیا کہ آپ کے دینی بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص پورے سال کی راتوں میں کھڑے کھڑے عبادت کرے گا، اس کو شب قدر نصیب ہو جائے گی، پس جو شخص اسکی برکات کا طالب ہو، اسے چاہیے کہ سال کی ہر رات کو عبادت سے معمور کرے۔ اس طرح وہ یقینی طور پر شب قدر کی برکات پاسکے گا۔ حضرت زر بن حبیش نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ بات نقل کر کے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بھائی ابن مسعود پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ان کا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ لوگ (کسی ایک رات کی عبادت پر ہی) قناعت نہ کر لیں، ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شب قدر رمضان ہی کے مہینہ میں ہوتی ہے اور اس کے بھی خاص آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے۔ (یعنی اکیسویں سے ستائیسویں تک) اور وہ معین ستائیسویں شب ہے پھر انہوں نے پوری قطعیت کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ وہ بلاشبہ ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے اور اپنے یقین و اطمینان کے اظہار کے لئے قسم کیساتھ انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا کہ زر بن حبیش کہتے ہیں کہ اس نے عرض کیا کہ اے ابوالمنذر (یہ حضرت ابی بن کعب کی کنیت ہے) یہ آپ کس بنا پر فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا میں یہ بات اس نشانی کی بنا پر کہتا ہوں جس کی رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خبر دی تھی اور وہ یہ کہ شب قدر کی صبح کو جب سورج طلوع کرتا ہے، اس دن اس کی شعاعیں نہیں ہوتیں۔ مزید یہ کہ رمضان مبارک سے قبل ماہ شعبان میں بھی حضور کریم ﷺ کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آتا ہے ما را یتہ فی شہر اکثر منہ صیاماً فی شعبان (مشکوٰۃ ص ۱۷۸) یعنی میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں۔ تفصیل یہ کہ ماہ شعبان میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ نفلی روزے رکھنے کے کئی اسباب اور کئی حکمتیں بیان کی گئی ہیں، جن میں سے بعض وہ

ہیں جن کی طرف بعض حدیثوں میں بھی اشارہ ملتا ہے، چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا اسی ماہ بارگاہ خداوندی میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں نے روزہ رکھا ہوا ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان میں بہت زیادہ روزے اس لئے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالے کی جاتی ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کے بارے میں اور جب آپ کی وفات کے متعلق بھی احکام ملک الموت کو جاری کئے جا رہے ہوں تو اس وقت آپ روزے سے ہوں اور مزید یہ کہ رمضان المبارک کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہوگا اور شعبان کے ان روزوں کو رمضان شریف کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی، جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے اور اسی طرح رمضان المبارک کے بعد شوال میں چھ نفلی روزوں کی تعلیم و ترغیب جو آگے درج ہونے والی حدیث پاک میں آرہی ہے اس کو رمضان مبارک کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں کے بعد نفلی نماز کی ہوتی ہے۔

صیام شوال: عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ

قال من صام رمضان ثم اتبعه ستاً من شوال کان کصیام الدهر (مشکوٰۃ ۱۷۹)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے ماہ شوال میں مزید چھ نفلی روزے رکھے، تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزے رکھنے

کے برابر ہوگا۔

صیام ایام بیض: عن ابی ذر قال قال رسول اللہ یا ابا ذر اذا صُمتَ

من الشهر ثلاثة ایام فصم ثلث عشرة و اربع عشرة وخمس عشرة

(مشکوہ ۱۸۰) ترجمہ: حضرت ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے مجھ سے فرمایا: اے ابو ذر! جب تم مہینے کے تین روزے رکھو، تو تیرھویں، چودھویں اور

پندرھویں کے روزے رکھا کرو اور اسی کے قریب قریب قتادہ بن ملحان کی روایت ہے

قال کان رسول اللہ ﷺ یأمرنا ان نَصومَ بیضًا ثلاثَ عشرة و اربع

عشرة و خمس عشرة و قال هو کھیئة الدھر

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ہمیں حکم

فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض کے روزے رکھیں، یعنی ہر چاند کی ۱۳، ۱۴، اور ۱۵ تاریخ کو پھر

فرمایا ایام بیض کا روزہ عمل مسلسل اور دائمی ہے گویا ساری عمر کے روزے۔۔۔۔ صاف ظاہر

ہے کہ ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھنے والا، صاحب ایمان بندہ الحسنہ بعشر امثالھا کے

کریمانہ حساب سے مہینے کے تیس دن، یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ دوسرا

یہ کہ نفلی روزے میں تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کے روزے رکھے جائیں سب نیک

قال پر کہ تمہارے دل منور ہو جائیں جیسے یہ تینوں راتیں اعلیٰ درجہ کی روشنی چاند سے معمور ہوتی

ہیں۔ تیسرا یہ کہ باوجود اہم دینی مصالح کے ان مذکورہ تواریخ کی خود رسول اللہ ﷺ

پابندی نہیں فرماتے تھے اور اسی میں افضلیت کی حکمت مضمون ہے۔

یوم و صوم عاشورا کی تاریخی اہمیت

صدیوں قبل از ولادت نبوی ﷺ یوم عاشورا زمانہ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بڑا اہم اور محترم دن تھا۔ چنانچہ اقوام عرب کی رسم و رواج کے مطابق یوم عاشورا کو خانہ کعبہ مبارکہ پر نیا غلاف چڑھایا جاتا تھا اور اس دن قریش بھی روزہ رکھتے تھے۔ خیال یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں ان اقوام تک پہنچی ہوں گی اور خود رسول اللہ ﷺ کا دستور مبارک یہ تھا کہ قریش ملت ابراہیمی کی نسبت جو اچھے اہل علم کام کرتے تھے ان کاموں میں آپ ان سے اتفاق و اشتراک فرماتے تھے۔ اسی بنا پر سالانہ حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ پس اپنے ان اصول کی بنا پر آپ قریش کے ساتھ عاشورا کا روزہ بھی رکھتے تھے لیکن اس مدت میں دوسروں کو اس عمل حسن کا حکم نہیں دیتے تھے یعنی بعد از بعثت آپ عاشورا کا عمل سالانہ فرماتے تھے پھر جب آپ مدینہ منورہ ہجرت فرما کر تشریف لے گئے اور وہاں کے یہود کو بھی آپ نے عاشورا کا روزہ رکھتے دیکھا اور آپ کو ان یہود سے یہ معلوم ہوا کہ یہ وہ مبارک ترین تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ فرعون سے نجات دی، فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کر دیا تھا۔ چنانچہ مسند امام احمد کی روایت کے مطابق اسی عاشورا کے دن کو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جو دی پہاڑ پر لنگر انداز ہوئی تھی، تو آپ نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا اور اعلان فرمایا کہ تمام مسلمان اس دن روزہ رکھا کریں اور بعض احادیث مبارکہ میں ہے کہ آپ نے اس روزہ کا ایسا تاکید حکم دیا جیسا کہ احکامات اور واجبات کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ربیع بنت معوذ بن مخزوم اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عاشورا کی صبح مدینہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے، یہ اطلاع بھوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ نہیں کھایا پیا ہو، وہ آج کے دن روزہ رکھیں اور جنہوں نے

کچھ کھاپی لیا ہو، وہ بھی دن کے باقی حصہ میں کچھ نہ کھائیں پئیں بلکہ تمام دن سارے لوگ روزہ داروں کی طرح رہیں۔ بعض احادیث و مرویات سے کچھ ائمہ حدیث نے یہ سمجھا کہ شروع میں عاشورا کا روزہ واجب تھا بعد میں جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے، تو عاشورا کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کی حیثیت محض ایک نقلی روزے کی رہ گئی۔

صوم یوم عاشورا کی فرضیت منسوخ ہو جانے کے بعد بھی رسول کائنات ﷺ کا معمول کامل رہا ہے کہ رمضان شریف کے فرض روزوں کے سوا سب سے زیادہ اہتمام نقلی روزوں میں سے روزہ عاشورا کا فرماتے تھے۔

عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قَدِمَ الْمَدِينَةَ فوجد اليهود صياما يوم عاشورا فقال لهم رسول الله ﷺ ما هذا اليوم الذي تصومونه فقالوا هذا يوم عظيم انجى الله فيه موسى وقومه وغرق فرعون وقومه فصامه موسى شكرا فنحن نصومه فقال رسول الله ﷺ فنحن احق واولى بموسى منكم فصامه رسول الله ﷺ وامر بصيامه (مشکوٰۃ ص ۱۰۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورا (۱۰ محرم الحرام) کا روزہ رکھتے دیکھا تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا تمہاری مذہبی روایات میں کیا یہ خاص دن ہے اور اس کی تمہارے نزدیک کیا خصوصیت اور اہمیت ہے کہ تم اس دن کا روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارے ہاں اس دن کی بڑی عظمت ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ نبی کلیم اللہ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو نجات بخشی تھی اور فرعون کو مع اس کے لشکر کے غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم اور انعام بہترین

کے شکرانہ میں اس دن کا روزہ رکھا تھا، اس لئے ہم بھی اپنے نبی کی پیروی میں اس دن میں روزہ رکھتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا: اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے ہمارا تعلق تم سے کہیں زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے خود بھی عاشورا کا روزہ رکھا اور امت کو بھی تاقیام قیامت اسکے احترام اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

صوم یوم العرفہ

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ما من ایام احب الی اللہ ان یتعبد فیہا من عشر ذی الحجۃ یعدل صیام کل یوم بصیام سنۃ و قیام کل لیلۃ منها بقیام لیلۃ القدر

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے ان دنوں میں سے کسی دن بھی اپنے بندے کا عبادت کرنا، اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں، جتنا عشرہ ذی الحجہ میں محبوب ہے یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام دنوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں۔

واضح رہے کہ اس حدیث مبارک سے یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک، روزے مفضلہ مبارکہ باعث کثرت ثواب ہیں بلکہ مزید یہ کہ حضرت ابی قتادہ رضی اللہ عنہ کی جامع ترمذی میں روایت ہے کہ نویں ذی الحجہ کے روزے سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور یہ روزہ گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

صوم نصف شعبان

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا کانت

لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فقوموا ليلها وصوموا نهارها فان الله ينزل فيها لغروب الشمس الى السماء الدنيا فيقول اَلَا مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاغْفِرْ لَهُ الْاَمِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَارْزُقْهُ الْاَمْبِتْلَى فَاَعَافِيهِ الْاَلَا كَذَا حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا جب شعبان کی پندرہویں رات آئے، تو اس رات اللہ تعالیٰ کے حضور میں نوافل پڑھو بلکہ کثرت کرو اس دن کو روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں آفتاب غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی اور رحمت پہلے آسمان پر اترتی ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی ہے میرا بندہ جو اس گھڑی مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اس کو مغفرت سے مالا مال کر دوں۔ ہے کوئی بندہ جو روزی مانگے (یعنی کثرت رزق کا طالب بنے) میں اس کو کثیر رزق اور وافر روزی دینے کا فیصلہ کروں۔ ہے کوئی مبتلائے مصائب و بیماری جو مجھ سے صحت مانگے اور عافیت دائمی کا سوال کرے، میں اس کو عافیت عطا کروں، اسی طرح کے حاجت مندوں کو اللہ تعالیٰ پکارتا ہے کہ وہ مجھ سے اپنی حاجات مانگیں اور میں عطا کروں۔ غروب آفتاب سے لے کر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اور تائید اسی طرح بندوں کو پکارتی رہتی ہے۔

صیام ایام مخصوصہ: اتنے تک احادیث کریمہ کا جو سلسلہ آیا ہے ان میں سال کے

بعض معین مہینوں اور صیام ایام مخصوصہ بعض مخصوص تاریخوں میں نقلی روزے رکھنے کی خاص ترغیب دی گئی ہے۔ اسی طرح ہفتہ کے بعض مخصوص دنوں کے لئے بھی یہ ترغیب دی گئی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی اس بارے میں واضح رہنمائی ملتی ہے۔

۱- عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ تعرضُ الاعمال یوماً

الاثنين و الخميس فأجب ان يُعرض عملي وانا صائمٌ (مشکوہ شریف ص ۱۸۵)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: پیر اور جمعرات کو اعمال کی پیشی ہوتی ہے میں یہ

چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزے سے ہوں

۲- عن ابی قتادة ان رسول الله ﷺ سئل عن يوم الاثنين فقال فيه

ولدت وفيه أنزل عليّ (مشکوہ ص ۱۷۹)

ترجمہ: حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ پیر

کا دن بڑی عظمت والا اور مزید برکت و رحمت والا دن ہے اسی دن میری ولادت یعنی نبی اکرم

ﷺ کی پیدائش ہوئی اور اسی دن مجھ پر کتاب اللہ کا نزول ہوا تو اس کی عظمت و برکت کا کیا

پوچھنا اور کیا کہنا؟

روزہ بوجوہ افطار کیا جاسکتا ہے

عن عائشة رضي الله عنها قال كنت انا وحفصة صائمتين فعرض

لنا طعامٌ اشتهيناه فاكلنا منه فقالت حفصة يا رسول الله انا كنا

صائمتين فعرض لنا طعام اشتهيناه فاكلنا منه قال اقضيا يوما آخر

مكانه (مشکوہ ص ۱۸۱)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی پائے گئے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں اور حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہم

دونوں نفلی روزے سے تھیں۔ ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا اور اس کھانے کو ہمارا جی چاہا

تو ہم نے وہ کھانا کھالیا۔ پھر حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر

کر کے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم دونوں روزے سے تھیں، ہمیں طعام میسر آیا جس کو کھانے کے لئے ہمارے جی نے چاہا تو ہم نے اس میں سے کچھ کھا لیا (مقصد یہ کہ روزہ توڑ دیا ہے) آپ نے فرمایا کہ اس کی جگہ اور دن روزہ رکھ لو۔

واضح ہو کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اسکی قضا لازم ہے۔ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قضا واجب ہے اور امام شافعی علیہ رحمۃ کے نزدیک واجب نہیں، صرف مستحب ہے۔

حج بیت اللہ شریف

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا
(پ ۴، سورہ آل عمران، رکوع ۱، آیت نمبر ۹۶)

ترجمہ: اللہ کے لئے فرض کیا گیا ہے لوگوں پر حج اس کے گھر کا جو شخص طاقت رکھتا ہے اس تک پہنچنے کی۔

چنانچہ حج کی تین صورتیں ہیں (۱) یعنی ایام حج میں صرف حج کیا۔ اس میں قربانی واجب نہیں (۲) ایک سفر میں پہلے احرام باندھا طواف وسعی و حلق اور احرام سے فارغ ہو کر دوبارہ احرام باندھ لیا (۳) قرآن ایک ہی ساتھ حج، عمرہ کا احرام باندھ لیا۔۔۔۔۔ فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے مقتضائے طبعی کے لحاظ سے اپنے اصل محل اور مرکز و محور میں انتہائی کمال کے ساتھ متصرف ہوتی ہے اور جلال طبعی کے مظاہرہ کے لئے جائے اظہار پر گرد و نواح کے متعلقات کو اپنی قوت و توانائی اور تاثیرات و فوائد سے بہرور کرتی ہے اور متعلقین میں اس طرح اثر انداز ہوتی ہے کہ سب کمزوریوں اور مواد بے ہودہ سے ان کو منزہ کرتی اور صلاح و نظافت کی استعداد بخشتی ہے، سارے کے سارے مربوطین اور متعلقین

اسی قوت فطرت کی طرف کا سہء احتیاجی پیش کر کے محتاجین فیضان پاتے ہیں اور وہ قوت مربیہ اور مبداء فیاض اور اصل فطرت اپنے محتاجین و متعلقین و مرلہو بہین فیضان کی کثرت کرتی ہے۔ مزید یہ کہ اللہ ذوالجلال والجبوت کا ایک خاص محل فیضان اور مظہر جلال و جبروت ہے اور محل و مظہر میں اس کی فیاضی، تربیت اور مظاہر کثرت، جلالت و رحمت مزید سے مزید ہے اور اسکی شان بلند یہ ہے کہ وہ ذوالجلال و ذوالفضل ہے۔ احکم الحاکمین، غنی و صمد، مالک کل ہے، اور ساری کائنات خصوصاً نسل انسانی اور ان سے پھر خصوصاً ہمہ امت مصطفویہ اسکے عاجز و محتاج بندے اور مملوک و محکوم ہیں، کیونکہ ہم امت آخرہ ہیں اور ہم ہی تائے نبی اللہ تعالیٰ کی حکومت مالکیت ہیں اور ہم ہی میں حاکمیت شریعت الہیہ قائم رہے گی۔ دوسری بلند شان رب کریم یہ ہے کہ وہ ان تمام صفات جمال سے بدرجہ اتم متصف ہے جن کی وجہ سے تمام انسانوں میں مختلف طرق و وصف سے جمال و خوبی ہے، وہ جمال و خوبی اسی پروردگار کے جمال کی جھلک و پرتو ہوتا ہے کہ انسان ذات و صفات، مقامات و محال کے لحاظ سے کسی سے محبت کرتا ہے اور صرف محبوب حقیقی وہی ذات اجل ہے۔

مالک حقیقی کی پہلی حاکمانہ و شہنشاہانہ عظمت شان کا تقاضا یہ ہے کہ ساری مخلوق خصوصاً بندے اسکے حضور میں ادب و نیاز، اطاعت و اخلاص کی تصویر بن کر اسکے حضور حاضر ہوں، چنانچہ ارکان اسلام میں اہم رکن عملی نماز اس کی خاص مرقع ہے اور ادائے نماز میں یہی رنگ غالب ہے اور دوسرے نمبر پر زکوٰۃ بھی اسی نسبت کے ایک دوسرے رخ کو ظاہر کرتی ہے کہ انسان ہزار حاجت کے باوجود ایثار پر اترتا ہے اور اپنے رب کریم کے جو دو عطا کا کرشمہ ظاہر کر کے دوسرے کی مدد کرتا ہے، تو دوسری شان محبوبیت کا تقاضا ہے کہ بندوں کا تعلق اسکے ساتھ محبت و للہیت کا ہو۔ روزے میں کسی قدر ضروریہ رنگ سمو یا ہوا ہے۔ کھانا پینا چھوڑ دینا تمام نفسانی خواہشات سے منہ موڑ لینا پورے احتراز و اجتناب سے نعمتوں کے انبار

سامنے لگے ہوئے سے صبر آزما طریقہ سے استعمال میں نہ لانا، عشق و محبت کی منزلوں سے ہے کہ محبوب راضی رہے مگر حج بیت اللہ اسکا پورا پورا نمونہ ہے، حالت احرام میں کفن نما لباس بقدر کفایت زیب تن کر لینا، عجز کا کامل نمونہ ننگے سر اور ننگے قدم رہنا، حجامت نہ بنوانا، میل کچیل سے جسم کی صفائی نہ کرنا، دیوانہ وار گردا گرد کعبہ معظمہ دوڑنا اور صفا و مروہ کے اتار چڑھاؤ سے دوچار ہونا، بکھرے بالوں میں کنگھی تک نہ پھیرنا،

تیل کو استعمال میں نہ لانا، خوشبو کو ہاتھ تک نہ لگانا، طواف کعبہ کے وقت ہر بار ایک پتھر کو پیارے جگر گوشے کی مانند چومنا، اسکے در و دیوار سے لپٹنا اس کے غلاف کو تھام کر آہ و زاری کرتے ہوئے ندامت سے کردہ خطیبات کے عفو کا استغاثہ کرنا، پھر کعبہ مقدسہ اور شہر مکرم کو ترک کر کے مقام منی، کبھی میدان عرفات، پھر مزدلفہ کے صحرا میں آسمان کی چھت تلے پڑے رہنا، پھر ایک بے جان قد آور پتھر کو بار بار کنکریاں مارنا یہ وہ اعمال ہیں، جو محبت کے دیوانوں اور کوچہ جاناں میں کھو کر رہ جانے والوں سے سرزد ہوا کرتے ہیں، مگر ان تمام رسومات عاشقی کے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے وفائے کامل میں وارفتہ ہو کر اپنے حسین و جمیل حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسے جگر گوشے کی گردن پر تیز چھری کے وار بھی آزمائے انہی کی تمام پیاری اداؤں کو ارکان و مناسک حج تا قیامت قرار دیا جن کا مجموعہ حج اسلامی کہلاتا ہے اور اسلام کا آخری و تکمیلی دین ہے۔

فرضیت حج کا حکم بقول راجح سنہ ۹ ہجری میں وارد ہوا۔ اس کے اگلے سال سنہ ۱۰ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات و رحلت دنیائے فانی سے صرف تین مہینے قبل صحابہ کرام کی بھاری جمعیت کے ساتھ حج ادا فرمایا تھا اور وہی حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ اسی حجۃ الوداع میں خاص مقام عرفات کے قیام میں آیہ تکمیل دین نازل ہوئی تھی۔ الیوم

اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی (پ ۶ سورہ المائدہ رکوع ۱، آیت ۳)

ترجمہ: آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا۔ اسی آیہ کریمہ میں لطیف اشارہ ہے کہ حج شریعت اسلامیہ کا تکمیلی رکن ہے اور تکمیلی ارشاد حیات بخشش سے خدا کرے بندے کو صحیح اور خالصۃً بوجہ اللہ حج نصیب ہو جائے جس کو دین و شریعت کی زبان میں حج مبرور کہا جاتا ہے۔ اگر ساتھ ہی نسبت ابراہیمی و محمدی کا کوئی ذرہ عطا ہو جائے تو گویا اسکو سعادت کا اعلیٰ مقام اور نیک بختی کا کامل نشان حاصل ہو گیا تو نعمت عظمیٰ و بے پایاں دولت و مسرت میسر آگئی۔ جس سے بڑی کسی نعمت و سعادت کا اس دنیا دوں میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیف و مستی کے سرور میں وہ منعم علیہ کہتا رہے، اس کا حق ہے

نازم پچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
اقتم بہ پائے خود کہ بکویت رسیدہ ام
ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را
کہ دامت گرفته بسویم کشیدہ ام

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من ملک زادا وراحلة
تبلغه الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یهودیا او نصرانیا
وذاک ان اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ قال وللہ علی الناس حج البیت من
استطاع الیہ سبیلا (رواہ الترمذی و مشکوٰۃ ۲۲۲)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا
جس بندے مسلمان کے پاس حج کا ضروری سامان موجود ہو اور اس کو سواری بھی میسر ہو، جو
بیت اللہ تک اسے پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی حرج نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے
یا نصرانی ہو کر اور یہ اس لئے کہ رب کریم کا ارشاد گرامی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے بیت اللہ کا حج
فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

فرضیت اور افضلیت حج

عن ابی ہریرۃ قال خطبنا رسول اللہ ﷺ فقال یا ایہا الناس قد فرض علیکم الحج فحجّوا فقال رجل اکل عام یا رسول اللہ فسکت حتی قالہا ثلاثا فقال لو قلت نعم لوجبّت ولما استطعتم ثم قال ذرّونی ما ترکتم فانما ہلک من کان قبلكم بکثرة سؤالہم واختلافہم علی انبیاء ہم فاذا امرتکم بشیء فاتوا منہ ما استطعتم واذا نہیتکم عن شیء فدعّوہ (صحیح مسلم ص ۴۳۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ

نے خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہذا اسکو ادا کرنے کی فکر میں ہو جاؤ۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (ﷺ) کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟ آپ خاموش رہے۔ چنانچہ سائل نے تین مرتبہ اپنے سوال کو دہرایا۔ آپ نے ناگواری کی حالت میں فرمایا: اگر میں سائل کے جواب میں کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال حج فرض ہے تو فرض ہو جاتا اور تم ادا نہ کر سکتے۔ اس کے بعد آپ نے ہدایت فرمائی کہ کسی معاملہ میں جب تک میں خود تمکو کوئی حکم نہ دوں، تم بڑھ کر مجھ سے حکم کرانے کو کوشش نہ کرو۔ تم سے اگلی امتوں کے لوگ اسلئے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے انبیاء کرام سے کثرت سے سوالات کرتے تھے بعد میں ان احکام کی خلاف ورزی کرنے پر اتر آتے لہذا (میری ہدایت تم کو یہ ہے) جب تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے، اسکی تعمیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں، تو چھوڑ دو“

لیکن مسند میں امام احمد اور اپنے مجموعات میں امام دارمی، اور نسائی نے روایت کیا ہے

ان مرویات میں تصریح پائی گئی ہے۔ یہ سائل حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
تھا اور یہ فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والے لوگوں میں سے ہیں چونکہ معیت نبوت بہت کم
نصیب تھی اور تعلیم و تربیت قلیل میسر آئی تھی، اس لئے ان سے یہ کمزوری اور لغزش سوال
ہوئی۔

مگر محمولہ بالا حدیث مبارک کے آخر میں رسول اکرم ﷺ نے ایک بڑی اہم اور اصولی بات
فرمائی۔ ارشاد فرمایا: جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں، تو جہاں تک ہو سکے اسکی تعمیل کرو اور جس
چیز سے منع کروں، اسکو ترک کر دو۔ مطلب یہ کہ میری لائی ہوئی شریعت میں سہولت اور وسعت
کا پہلو مزید یہ ہے کہ جس حد تک تعمیل ہو سکے کرو، اور بتقاضائے بشری جو کرو تو کچھ نہ کچھ کمزوری
رہ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے رحم و کرم کی بنا پر معافی اور فضل کی امید رکھنی چاہیے۔

عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ تابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ
فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذَّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكَبِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِئَةِ
وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةَ (مشکوٰۃ ص ۲۲۲)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد
فرمایا: پے درپے حج و عمرہ کیا کرو، کیونکہ حج و عمرہ دونوں فقر و محتاجی اور گناہوں کو اس طرح
دور کر دیتے ہیں، جس طرح لوہا اور سنار کی بھٹی اوہے سونے اور چاندی کا میل کچیل دور
کر دیتی ہے اور حج مبرور (مقبول) کا صلہ و بدلہ تو بس جنت ہی ہے۔

مہقات: کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا قبلہ اور اپنا مقدس و محترم گھر

قرار دیا ہے، اس کا حج اور عمرہ ادا کرنے کے کچھ آداب لازمہ ہیں مثلاً احرام مشابہ کفن،
کھلے سر، بکھرے بال، ننگے پاؤں، کیفیت متحیرہ، آخرت کے میدان حشر کی یاد دلاتا ہے

اور پوری روئے زمین پر آباد مسلم قبائل کو دور دراز ممالک کا سفر طے کرنے کے بعد مکہ معظمہ پہنچنا پڑتا ہے۔ آج سے تقریباً سو سال پہلے تک کی بہت سی ریاستوں کے حاجی کئی کئی مہینے کا سفر طے کر کے مکہ معظمہ پہنچتے تھے۔ آج بھی بہت سے ممالک کے حاج کرام کئی کئی ہفتوں کا بری اور بحری سفر کر کے وہاں پہنچتے ہیں، اس لئے مختلف راستوں سے آنے والے حاج کے لئے مکہ معظمہ کے قریب مختلف سمتوں میں کچھ مقامات مقرر کر دیئے گئے ہیں اور احادیث مبارکہ سے حکم دیا گیا ہے

کہ حج و عمرہ کو آنے والے جب ان میں سے کسی مقام متعین پر پہنچیں تو وہ کعبہ اللہ اور بلد اللہ الحرام کے ادب میں وہیں احرام بند ہو کر کامل عجز و تذلل سے بارگاہ جلالت میں حاضر ہوں۔ جاننا چاہیے کہ احرام باندھنے کے بعد محرم پر دو رکعت نماز نفل (دو گناہ احرام) لازم ہو جاتی ہے بعد از نماز نفل بلند آواز سے پکار پکار کر تلبیہ پڑھا جاتا ہے، وہ یہ ہے لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ

عن جابر رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال مهلّ أهل المدينة من ذی الحلیفة و الطریق الاخر الجعفة و مهلّ أهل العراق من ذات عرق و مهلّ أهل نجد قرن و مهلّ أهل الیمن یلملم (راوہ مسلم ص ۳۷۵)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا اہل مدینہ کامیقات (جہاں سے اہل مدینہ کو احرام باندھنا چاہیے) ذوالحلیفہ ہے اور دوسرے راستے سے جانے والوں کامیقات جحفہ ہے اور اہل عراق کامیقات ذات عرق ہے اور اہل نجد کامیقات قرن المنازل ہے اور اہل یمن کامیقات یلملم ہے

حدیث محولہ بالا میں۔ پانچوں مقامات معینہ متفقہ طور پر میقات اہل اسلام ممالک مختلفہ کے ہیں۔ پوری دنیا سے آنے والوں کے لئے یہ مقامات خمسہ اس لئے مقرر ہوئے کہ مکہ

مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے ہر علاقہ سے آنے والے لوگوں کے راستوں میں یہ پڑھنے تھے

میقات خمسہ کا مختصر تعارف:

۱- ذوالحلیفہ، اہل مدینہ کا میقات مقرر ہے، کیونکہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے مکہ معظمہ سے باہر صرف پانچ چھ میل کے فاصلہ پر پڑتا ہے اور مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تقریباً اڑھائی سو میل ہے۔

۲- جُحَفَہ: یہ شام اور مغربی علاقوں سے آنے والے حجاج کے لئے میقات مقرر ہے اور یہ موجودہ رابغ کے قریب ہے اس زمانہ میں ایک بستی تھی مگر سنا ہے کہ اب اس نام کی کوئی بستی موجود نہیں، لیکن محل وقوع کے لحاظ سے مکہ مکرمہ سے تقریباً ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحلی علاقہ ہے۔

۳- قَرْنُ الْمَنَازِل: یہ نجد کی طرف سے آنے والے لوگوں کے لئے میقات متعین ہے۔ مکہ مکرمہ سے قریباً ۳۵،۳۰ میل مشرق میں نجد جانے والے راستہ پر ایک پہاڑی ہے۔

۴- ذَاتَ عِرْق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔ مکہ مکرمہ سے شمال مشرق میں عراق جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ مسافت کے اعتبار سے مکہ معظمہ سے ۵۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

۵- يَلَمَم: یہ یمن کی جانب سے آنے والے حاجیوں کے لئے میقات ہے۔ یہ تہامہ کی پہاڑیوں میں سے ایک مشہور پہاڑی ہے جو مکہ مکرمہ سے قریباً ۴۰ میل جنوب مشرق میں یمن سے مکہ والے راستہ پر پڑتی ہے۔

فقہائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے ان مقامات میں سے کسی ایک مقام کی طرف سے آئے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر اس مقام

سے آگے گزرے۔

کیفیت احرام : عن عبد الله بن عمران رجلاً سأل رسول

الله ﷺ ما يلبس المحرم من الثياب فقال رسول الله ﷺ لا تلبس القميص ولا العمامة ولا السراويلات ولا البرانس ولا الخفاف الا احد لا يجد النعلين فيلبس اظفين وليقطعها اسفل من الكعبين ولا تلبسوا من الثياب شيئاً مسه زعفران ولا ورس (مسلم شریف ۳۷۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے رسول کریم

ﷺ سے دریافت کیا؟ محرم (حج اور عمرہ کا احرام باندھنے والا) کیا کیا کپڑے پہن سکتا ہے

- آپ نے فرمایا (حالت احرام میں) نہ کرتا، قمیص پہنو اور نہ سر پر عمامہ باندھو اور نہ شلوار،

پاجامہ پہنو اور نہ ٹوپی پہنو، نہ پاؤں میں موزے یا جوتے پہنو سوائے اس کے کہ کسی آدمی

کے پاس پہننے کے لئے جوتا یا چپل نہ ہو تو وہ مجبوراً پاؤں کی حفاظت کے لئے موزے پہن

لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کے جوتا سا بنا لے۔ مزید آپ نے فرمایا کہ (حالت

احرام میں ایسا بھی کوئی کپڑا نہ پہنو جسکو زعفران یا ورس لگا ہو) صحیح بخاری و مسلم

مذکورہ بالا حدیث میں رسول کریم ﷺ نے قمیص، شلوار، عمامہ وغیرہ صرف ان چند

کپڑوں کا نام لیا، جن کا اس وقت رواج تھا، یہی حکم ان تمام کپڑوں کا رہے گا جو مختلف

زمانوں میں، مختلف قوموں اور مختلف ملکوں میں ان مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا

آئندہ استعمال ہوں گے۔ یعنی ہر زمانے، ہر قوم اور ہر ملک کے مروج لباس سے جو مذکورہ

لباس کے مقصد میں ہوں گے۔ محرم کے لئے حالت احرام میں پہننے منع ہوں گے۔

مزید یہ کہ عورت حالت احرام میں دستائے نہیں پہن سکتی اور نہ منہ پر نقاب ڈال سکتی

ہے۔۔۔۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، ہم عورتیں حج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام کی حالت میں تھیں (تو احرام کی وجہ سے اپنے چہروں پر نقاب نہیں ڈالتی تھیں) جب ہمارے سامنے سے مرد گزرتے تو ہم اپنی چادر سر کے اوپر سے لٹکالیتی تھیں اور اس طرح پردہ کر لیتی تھیں، جب وہ مرد آگے نکل جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول دیتی تھیں۔

تلبیہ آواز بلند پڑھا جائے

عن خلاد ابن السائب عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ اتانی جبرائیل فامرنی ان آمر اصحابی ان یرفعوا اصواتہم بالاہلال او التلبیة (مشکوٰۃ ص ۲۲۳)

ترجمہ: حضرت خلاد سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا میرے پاس ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے مجھ سے کہا کہ میں اپنے صحابہ کو یہ حکم کروں کہ وہ حج کے تلبیہ اور ورد کو بلند آواز سے پڑھا کریں۔

قربانی: عن انس ان النبی ﷺ اتی منی فاتی الجمرة فرماھا ثم اتی منزله بمنی ونحر نسکھ ثم دعا بالحلاق وناول شقہ الایمن فحلقه ثم دعا ابا طلحة الانصاری فاعطاه ایاہ ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقه فاعطاه ابا طلحة فقال اقسمه بین الناس (مسلم شریف)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ (۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے) منیٰ تشریف لائے۔ پہلے جمرۃ العقبیٰ پر پہنچ کر اسکاری کیا، پھر آپ

اپنے خیمے میں تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی فرمائی پھر آپ نے حجام کو طلب فرمایا اور پہلے اپنے سر مبارک کی دہنی جانب اسکے سامنے پیش کی۔ حجام نے اس جانب کے بال موٹھے۔ آپ نے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ بال ان کے حوالے کر دیئے، اس کے بعد آپ نے اپنے سر کی بائیں جانب حجام کے سامنے کی اور فرمایا کہ اس جانب کو بھی موٹھو۔ اسنے دوسری جانب بھی موٹھ دی، تو آپ نے وہ بال مبارک بھی ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ ان بالوں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو۔

مزید یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اپنے سر مبارک کے بال مقدس حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے۔ یہ ابو طلحہ آپ کے خاص محبوبین فدائیوں میں سے تھے۔
غزوہ احد

میں حضور کریم ﷺ کو کفار مکہ کے حملے سے بچانے کے لئے انہوں نے اپنا جسم و تن تیروں سے چھلنی کروایا تھا، اسکے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ کے راحت و آرام اور آپ کے ہاں آنے والے مہمانوں کا بھی خاص خیال رکھتے تھے۔

الغرض اس قسم کی خدمات میں ان کا اور انکی بیوی ام سلیم (والدہ انس) کا ایک خاص مقام تھا، غالباً ان کی انہی خدمات کی وجہ سے آپ نے اپنے سر مبارک کے بال ان کو مرحمت فرمائے اور دوسرے صحابہ کرام میں بھی انہی کے ہاتھ سے تقسیم کروائے۔ حدیث مذکور اہل اللہ اور صالحین کے تبرکات کے لئے بھی ایک واضح اصل اور بنیاد خاص ہے۔ بہت سے مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے جو موئے مبارک بتائے جاتے ہیں اور تبرکات کے طور پر کئی ممالک کے مختلف اشخاص کے پاس پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے جن کے بارے میں

قابل اعتماد تاریخی ثبوت اور سند موجود ہے۔ غالب گمان یہ ہے وہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر تقسیم کئے ہوئے انہی بالوں سے ہوں گے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک ایک، دو دو بال تقسیم کئے تھے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ وہ ہزاروں صحابہ کرام کے پاس پہنچے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک کئے اور ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے اخلاف و ورثاء نے اس مقدس تبرک کی حفاظت کا کافی اہتمام کیا ہوگا۔ اس لئے ان میں سے بہت سے اگر اب تک بھی کہیں کہیں محفوظ ہوں تو کوئی تعجب و استبعاد کی بات نہیں۔

اہم افعال حج: مکہ مکرمہ کو رب کریم نے کعبہ مکرمہ کی نسبت سے جو خاص شرف

و عظمت دی ہے، اور اس شہر کو بلد اللہ الحرام اور مرکز عالم کے ساتھ ساتھ مرکز حج اور دائرہ اجتماع مسلمین قرار دیا ہے، اس عظیم المرتبت ام القری کے آداب و اکرامات کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ اسمیں داخل ہوتے وقت پورے اہتمام و احترام کے ساتھ قدم رکھا جائے۔ اس کے بعد کعبہ معظمہ کا حق ہے کہ اس مرکز تجلیات انوار ربانی اور محل موسلا دھار رحمت خداوندی کا سب سے پہلے طواف کیا جائے۔ پھر اس مقدس بیت اللہ شریف کے ایک گوشہ اور ایک پہلو میں، جو ایک خاص مبارک پتھر (حجر اسود) لگا ہوا ہے جس کو ذات الہی اور جنت سے بلکہ آدم علیہ السلام سے بھی ایک خاص نسبت ہے، اس کا حق ہے کہ طواف کا آغاز پورے ادب اور محبت کے ساتھ اسی کے استلام (یعنی بوسہ حجر) سے کیا جائے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کا یہی معمول مبارک تھا، اور صحابہ کرام نے اپنے عمل سے تعلیم امت کے لئے وہ عمل جاری رکھا۔

عن نافع قال ان ابن عمر کان لا یقدم مكة الا بات بذی طوی حتی

یصبح ویغتسل و یصلی فیدخل مکة نهارا (مشکوہ ۲۲۶) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول مبارک تھا، جب بھی مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو شہر مبارک میں داخل ہونے سے قبل مقام ذی طویٰ میں اقامت گزین ہو جاتے اور غسل فرماتے نوافل ادا کرتے اور صبح کی نماز پڑھ کر اگلے پہر ہی مکہ مکرمہ میں داخل ہو جاتے۔

غسل سنت احرام ہے: احرام باندھنے سے قبل عازم حج و عمرہ کو لازم ہوتا ہے

کہ وہ غسل کرے اور عمدہ طہارت میں احرام باندھے، پھر دو رکعت نفل ادا کرے ابتدائی ادوار بلکہ قدیم ادوار سے یہ سنت قدیمہ چلی آرہی ہے۔

عن زید بن ثابت انه رأى النبی ﷺ تجرد لاهلاله واغتسل
(مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۲)

ترجمہ: حضرت زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ

کو دیکھا آپ نے کپڑے اتارے اور احرام باندھنے کیلئے غسل فرمایا۔۔۔۔۔ چنانچہ

اسی حدیث زید سے استدلال کیا جاتا ہے کہ احرام سے پہلے غسل سنت ہے، لیکن اصل مسئلہ اس طرح ہے اگر کوئی شخص دوگانہ احرام کے لئے وضو کرے احرام باندھ لے، جب بھی کافی ہے اور احرام صحیح مانا جائے گا۔ (جامع ترمذی و مسند داری)

تلبیہ بلند آواز سے پڑھا جائے عن خلاد بن السائب عن ابیہ

قال قال رسول اللہ ﷺ اتانی جبرائیل فامرني ان آمر اصحابي ان يرفعوا اصواتهم بالاهلال او التلبية (رواه مالك والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔ داری)

ترجمہ: حضرت خلاد بن السائب تابعی انصاری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جبرائیل امین علیہ السلام آئے اور انہوں

تلبیہ پڑھیں۔

مزید یہ کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول کریم ﷺ نے پہلا تلبیہ کس وقت اور کس

مقام پر پڑھا تھا۔ اس سلسلہ میں مرویات صحابہ مختلف ہیں

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز نفل ادا کرنے کے بعد آپ وہیں اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے جب ناقہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اس وقت آپ نے پہلی دفعہ احرام کا تلبیہ پڑھا، اس وقت آپ محرم ہوئے اور بعض دوسرے صحابہ کا بیان ہے جب آپ ناقہ پر سوار ہو کر تھوڑی دور آگے گئے مقام بیداء پر پہنچے (جو ذوالحلیفہ کے بالکل ہی نزدیک) ایک تھوڑا بلند مقام ہے اس وقت آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دو گانہ احرام کے بعد ناقہ پر سوار ہونے سے پہلے اپنے تلبیہ پڑھا تھا

تطبیق روایات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اختلاف

مرویات اس لئے ہے کہ اصل واقعہ کچھ اس طرح ہے رسول کریم ﷺ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دو گانہ احرام کے بعد متصلاً پہلا تلبیہ پڑھا تھا، لیکن اسکا علم صرف ان چند لوگوں کو ہوا جو اس وقت آپ کے قریب وہاں موجود تھے اسکے بعد جب اسی جگہ سے اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی، آپ نے دوبارہ تلبیہ پڑھا، ناقہ پر سوار ہونے کے بعد آپ کا یہ پہلا تلبیہ تھا۔ جن حضرات نے آپ سے یہ تلبیہ سنا، پہلا نہیں سنا تھا، انہوں نے سمجھا، پہلا تلبیہ آپ نے ناقہ پر سوار ہو کر پڑھا، پھر جب ناقہ تیز رفتاری سے مقام بیداء پر پہنچی، آپ نے پھر تلبیہ پڑھا، تو جن حضرات نے پہلا اور دوسرا تلبیہ نہیں سنا تھا، انہوں نے سمجھا، یہی آپ کا پہلا تلبیہ ہے۔

دعائے خاص بعد از تلبیہ: عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن ابيه

عن النبي ﷺ انه كان اذا فرغ من تلبيته سأل الله رضوانه و الجنة واستغفاه برحمته من النار (مشکوٰۃ ص ۲۲۳)

اسی حدیث مبارک سے علماء اسلام نے تلبیہ کے بعد اسی دعا کو افضل و مسنون قرار دیا ہے، جس میں اللہ کی رضا کا سوال اور طلب جنت اور نجات عذاب دوزخ اور پناہ کی دعا مانگی جائے

ہر صاحب فکر پر واضح ہے کہ بندہ مومن کی سب سے بڑی حاجت اور اس کا سب سے بڑا اہم مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت نصیب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب دوزخ سے پناہ ملی جائے۔ مقصد ایمان اور خاص حاضری دربار خداوندی کی سب سے اہم و مقدم یہی دعا ہے اسکے بعد دوسری تمام حاجات جو چاہے ان کی دعائیں مانگی جائیں۔

دعا: اللهم انا نسئلك رِضَاكَ و الْجَنَّةَ و نعوذ بِكَ من غضبك و النار

عن جابر قال ان رسول الله ﷺ لما قدم مكة اتى الحجر فاستلمه ثم مشى صلياً يمينه فرمل ثلاثاً ومشى اربعاً (مشکوٰۃ ص ۲۲۷)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ مکہ پہنچے، تو سب سے پہلے حجر اسود پر آئے، اس کا استلام کیا، پھر آپ نے داہنی طرف سے طوائف کیا جس کے پہلے تین چکروں میں آپ نے کعبہ مقدسہ کے گرداگرد مل کیا۔ اس کے بعد چار چکر اپنی عادی رفتار سے چلے۔

مسائل: ہر طواف حجر اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے استلام کا مطلب یہ ہے کہ حجر اسود کو چومنا یا اس پر ہاتھ رکھ کر یا انہی طرف ہاتھ کر کے اپنے اس ہاتھ ہی کو چوم لینا۔ استلام کے بعد طواف شروع کیا جاتا ہے

رمل سنت ہے: چنانچہ رمل ایک خاص انداز کی چال، یعنی اکڑا کڑا اور اترا اترا کر چلنے کو کہتے ہیں جس سے طاقت و قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ غالباً سنہ ۷ھ میں جب حضور اکرم ﷺ صحابہ کی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لئے مکہ معظمہ پہنچے، تو اہالیان مکہ مکرمہ مدینہ والوں کے متعلق کہنے لگے کہ یثرب یعنی مدینہ منورہ کی آب و ہوا کی کمزوری، خرابی اور بخار اور دوسری دباؤں نے ان لوگوں کو کمزور اور بے کار بنا دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ طواف کے شروع میں پہلے تین چکروں میں رمل (یعنی اکڑ کی چال سے چلو، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا،

لیکن رب ذوالجلال کو اپنے دربار جلالت میں اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کے صحابہ کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس کو مستقل سنت قرار دے دیا گیا۔

عظمت حجر اسود: عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ

الحجر والله ليمعثنه الله يوم القيامة له عينان يبصر بهما ولسان ينطق به يشهد على من استلم بحق

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: خدا کی قسم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو نئی زندگی دے کر اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی، جن

سے وہ دیکھے گا اور پاکیزہ فصیح زبان ہوگی جس سے بولے اور کلام کرے گا اور قیامت کے دن، جن لوگوں نے اس کو استلام کیا ہوگا ان کے حق میں سچی شہادت دیگا مزید یہ کہ کعبہ معظمہ کا حجر اسود دیکھنے میں ایک عام پتھر دکھائی دیتا ہے، لیکن رب کریم نے اس میں ایک روحانیت و عرفان رکھا ہوا ہے اور وہ ہر اس شخص کو پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ادب اور محبت کے ساتھ اس کو بلا واسطہ یا بالواسطہ چومتا اور اس کا استلام کرتا ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو دیکھنے اور بولنے والی ہستی و ذات کی حیثیت سے کھڑا کرے گا اور وہ تمام ان بندگان خدا کے حق میں شہادت و گواہی دے گا جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عاشقانہ اور نیاز مندانہ شان و صورت سے اس کا استلام کرتے تھے۔

فضیلتِ عرفہ:

عن عائشة قالت ان رسول الله ﷺ قال ما من يوم اكثر من ان يعتق الله فيه عبدا من النار من يوم عرفه رانه ليدنوا ثم يباهى بهم الملائكة فيقول ما اراد هؤلاء (مسلم شریف ص ۴۳۶)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ محبوبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی دن ایسا نہیں ہے، جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ اپنے بندوں کے لئے جہنم سے آزادی کا سب سے بڑا اور وسیع پیمانے پر فیصلہ سنائے گا سال کے ۳۶۰ دنوں میں سے ایک دن یوم العرفہ ہے۔ اس دن اللہ کریم اپنی صفت رحمت و رافت کے ساتھ (عرفات میں جمع ہونے والے) اپنے بندوں کے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے اور ان پر فخر کرتے ہوئے اللہ کریم فرشتوں کو فرماتا ہے ما اراد هؤلاء دیکھئے تو مجھے بندے کس مقصد کے لئے جمع ہوتے ہیں۔

قربانی سنت انبیاء کرام یوم الہم السلام: چنانچہ فرضیت حج کے ساتھ

ساتھ ذبح جانور قربانی ایک مقدس عمل ہے۔ غالباً حجۃ الوداع میں حضور نبی کریم ﷺ نے

خود اپنے دست اقدس سے (۶۳) اونٹوں کی قربانی کی تھی، لیکن بوقت ذبح، تم ذبح ہونے والے اونٹوں کی مجذوبانہ کیفیت وارثی کچھ عجیب ہی تھی باعتبار شعور کے دیکھ رہے تھے کہ آنکھوں کے سامنے اونٹ یکے بعد دیگرے خون میں لت پت ذبح ہوئے پڑے ہیں، مگر پھر بھی ہر ایک حضور نبی رحمت ﷺ خواجہ کائنات کے دست اقدس سے ذبح ہونے کا شرف و کرامت و فضیلت حاصل کرنے کی خاطر سر جھکائے ہوئے ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنی گردن خواجہ کائنات ﷺ کے حضور لمبی کر کے اپنے سر قدموں پر جا رکھتے کہ سب سے پہلے ذبح ہو۔ واہ سبحان اللہ کرامت مصطفیٰ ﷺ کا کمال کہ کمال اطاعت اور تحصیل شرف قربانی میں محبوب کے قدموں پر سر جھکائے دوسرے جانوروں سے اطاعت میں بڑھ کر مطیع ہو رہا ہے، روئے زمین کا سب سے زیادہ بے تمیز، کج خصلت، زور آور جانور ستانہ حالت میں گرمی، شدت، سختی کی پروا سے دور، باتمیز بامراد و باشعور ذوات کی مانند سعادت بے پایاں کی تحصیل میں جان وارے، وارفتہ حالت میں ہوتے ہوئے جان دے رہا ہے۔

عن عبد الله بن قرط عن النبي ﷺ قال ان اعظم الايام عند الله

يوم النحر قال ثور وهو اليوم الثاني قال وقرب لرسول الله ﷺ

بدنات خمس او ست فطفقن يزدلفن اليه كائتھن يبداء (مشکوہ شریف ص

۲۳۲) ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم نحر (قربانی کا دن) یعنی ۱۰ ذی

الحجہ ہے یعنی یوم عرفہ کی طرح یوم النحر بھی بڑی عظمت والا دن ہے اس کے بعد اس سے

اگلا دن یوم القرا ذی الحجہ کا درجہ ہے چنانچہ اس ترتیب کے لحاظ سے قربانی جہاں تک

ہو سکے۔ اذی الحجہ کو کر لی جائے اگر کسی وجہ سے نہ ہو سکے تو اذی الحجہ کو ضرور کر لی جائے،

اسکے بعد ۱۲ ذی الحجہ کو اگر قربانی کی گئی، تو نفس قربانی ادا ہو جائے گی لیکن فضیلت کا کوئی درجہ حاصل نہ ہوگا۔ بہر حال حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنا ایک عجیب و غریب مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ یا چھ اونٹ قربانی کے لئے رسول اللہ ﷺ کے سامنے حاضر کئے گئے، تو ان میں سے ہر ایک اقدام کر کے گردن آگے بڑھا کر آپ کے زیادہ قریب ہو جاتا تا کہ آپ سب سے پہلے اسکو ذبح فرمائیں (سنن ابوداؤد)

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان اونٹوں میں یہ شعور پیدا فرمادیا تھا کہ اللہ کی راہ میں اور اس کے محبوب و برگزیدہ رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ سے قربان ہونا ان کی بے حد سعادت و خوش بختی ہے اس لئے ہر ایک آگے بڑھ کر پہل کرتا تھا اسی لئے کسی صاحب فکر نے اسی کے مطابق اظہار خیال کیا ہے

ہمہ آہوان صحرا سرخود نہادہ برکف
بہ امید آل کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

عظمت مکہ معظمہ : خانہ کعبہ ایک بیت مقدس و معظم دربار خداوندی ہے۔ پورے

عالم کا مرجع، تمام حاجات میں داد خواہی و فریادری اور خالق و بندہ کی نسبت وصال کا محل، مسجد الیہ کہ اسکی طرف منہ کئے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس نسبت سے شہر مکہ کو جس میں بیت اللہ واقع ہے بلد اللہ الحرام قرار دیا گیا ہے گویا جس طرح دنیا بھر کے گھروں میں کعبۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت ہے، اسی طرح دنیا بھر کے شہروں میں مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کا خاص شرف حاصل ہے۔ چنانچہ اسی نسبت سے ان کی ہر سمت میں کئی کئی میل کے علاقہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام قرار دیا گیا ہے) علاوہ اس کے خاص آداب و احکام مقرر کئے گئے ہیں اور ادب و احترام ہی کی بنیاد پر بہت سی اشیاء کی بھی وہاں مخالفت ہے ان

کی باقی ساری دنیا میں اجازت ہے اور اس حرم مکرم کی حدود سب سے پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے معین کی تھیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد میں انہی کی تجدید فرمائی اور اب وہ حدود معلوم و معروف ہیں، گویا یہ پورا علاقہ بلد الحرام کا صحن ہے اور اس کا وہی ادب و احترام ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقدس شہر مکہ معظمہ کا ہے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی چند احادیث حوالہ شائقین کرام کی جاتی ہیں۔

۱- عن عیاش بن ابی ربیعة المخزومی قال قال رسول اللہ ﷺ لا تَزَالُ هَذِهِ الْأُمَّةُ بِخَيْرٍ مَا عَظَمُوا هَذِهِ الْحَرَمَةَ حَقَّ تَعْظِيمِهَا فَاذَا ضَيَعُوا ذَلِكَ هَلَكُوا (مشکوہ ص ۲۳۸)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا میری امت جب تک اس حرم مقدس کا پورا پورا احترام کرتی رہے گی اور اس کی حرمت و تعظیم کا حق ادا کرتی رہے گی، خیریت سے رہے گی اور جب اس یعنی امت میں یہ بات باقی نہ رہے گی برباد ہو جائے گی۔

گویا بیت اللہ اور بلد مکرم، مکہ معظمہ اور پورے علاقہ کی تعظیم و حرمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق اور سچی وفاداری کی علامت اور نشانی ہے۔ جب تک یہ چیز اجتماعی حیثیت سے امت میں باقی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ اس امت کی نگہبانی فرمائے گا اور وہ دنیا میں عزت و سلامتی سے رہے گی جب امت کا رویہ بحیثیت مجموعی اس بارے میں بدل جائے گا اور خانہ کعبہ اور حرم مقدس کی حرمت و تعظیم کے بارے میں اگر تقصیر آ جائے گی تو پھر یہ امت اللہ تعالیٰ کی حمایت و نگہبانی کا استحقاق کھودے گی اور اسی عیجتہ میں تباہیاں اور بربادیاں وہاں اس پر مسلط ہوں گی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں تمام عالم اسلام اور مسلمان ریاستیں بزدلی، محرومی، محکومی اور ذلت و رسوائی کے احاطہ میں جکڑی جا رہی ہیں اور مشرق

و مغرب میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و نگہبانی سے محروم کر دی گئی ہیں کیونکہ بحیثیت مجموعی احترام و تعظیم میں بہت زیادہ تقصیر واقع ہو گئی ہے۔

۱- عن عبد اللہ بن عدی بن حمراء قال رایث رسول اللہ ﷺ واقفا علی الحرورۃ فقال واللہ انک لخیر ارض اللہ الی اللہ وفی روایۃ ما اطیبک من بلد واحبک ولولا انی اخرجت منک ما خرجت (مشکوہ ۲۳۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول کائنات ﷺ کو دیکھا آپ مکہ میں حرورہ (ایک ٹیلے) پر کھڑے تھے اور مکہ مکرمہ سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے خدا کی قسم تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر جگہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب تو کس قدر پاکیزہ اور دل پسند شہر ہے، اور تو مجھے کتنا محبوب ہے۔ اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کیا گیا ہوتا تو میں ہرگز تجھے چھوڑ کر نہ جاتا

چنانچہ افضلیت، عظمت، محبوبیت مکہ مکرمہ کی ہونی بھی چاہیے۔ یہ عقل و فکر، دل و دماغ اور ایمان و انصاف کا تقاضا ہے، کیونکہ اسمیں کعبۃ اللہ ہے جو حق تعالیٰ کی خاص الخاص تجلی گاہ اور قیامت تک کے لئے اہل ایمان کا قبلہ ہے، جس کا رسول اللہ ﷺ بھی طواف کرتے تھے اور اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، خصوصاً اللہ تعالیٰ کی برکات اور انوار کی اصل اصیل زمین محترم اور قطعہ معظمہ ہے۔

عظمت مدینہ طیبہ اور اس کی محبوبیت

دیار حبیب کی فضیلت کے سلسلہ میں آج تک محدثین اور مورخین نے بہت کچھ لکھا فضائل جمع کئے اور مدینہ منورہ کے متعدد اسماء مبارکہ اپنی تصانیف میں جمع کئے اور حج و عمرہ سے متعلق حدیثوں کے بعد فضیلت مکہ اور عظمت مدینہ درج کرنا محدثین سلف کا و طیرہ رہا

ہے۔ فقیر بھی چند احادیث نبویہ ﷺ عظمت مدینہ منورہ اور دیار حبیب میں پیش کرنے کی سعادت کا متمنی، بلکہ شفاعت رسول کی امید پر ہدیہ پیش کرنے کی خوش بختی حاصل کر رہا ہے

۱- عن ابی سعید عن النبی ﷺ قال ان ابراہیم عمّر مکہ فجعلها حراما وانی حرّمت المدینة حراما ما بین ما زمیہا ان لا یہراق منها دم ولا یحمل فیہا سلاح ولا یخبط فیہا شجرة الا لعلف (رواہ مسلم و مشکوٰۃ ص ۲۳۹)

ترجمہ: حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کے حرم ہونے کا اعلان کیا تھا اور اس کے خاص آداب بتلائے۔ میں مدینہ طیبہ کے حرم قرار دیئے جانے کا اعلان کرتا ہوں اس کے دونوں طرف کے ڈھیروں کے درمیان کا رقبہ واجب الاحترام ہے اس میں خون ریزی نہ کی جائے اور نہ کسی کے خلاف ہتھیار اٹھایا جائے (یعنی اسلحہ کا استعمال نہ کیا جائے) اور جانوروں کے چارہ کی ضرورت کے سوا درختوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ ان کے پتے جھاڑے جائیں۔ مدینہ منورہ کی حیثیت یقیناً واجب الاحترام قرار دی گئی ہے اور بہت سے اعمال نازیبا اور اقدام قباحت کو ممنوع ٹھہرایا گیا ہے، اس کی عظمت و حرمت یقینی ہے۔ اصحاب ایمان کے دلوں میں اس کی صرف عظمت کی دھاک نہیں، بلکہ امید شفاعت بھی ہے تاہم اس کے سارے وہی احکام نہیں جو مکہ مکرمہ اور حرم کعبہ مقدسہ کے ہیں۔

۲- عن سعد قال قال رسول اللہ ﷺ انی احرّم ما بین لابتی المدینة

ان یقطع اعضاها او یقتل صیدها وقال المدینة خیر لہم لو کانوا یعلمون لا یدعها احد رغبة عنها ابدل اللہ فیہا من ہو خیر منها ولا یثبت احد علی لاوائہا وجہدہا الا کنت لہ شفیعا او شہیدا یوم

ترجمہ: حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں حرام قرار دیتا ہوں مدینہ منورہ کے دونوں طرف سنگستانی اور پتھر یلے علاقہ کے دو طرف کو یعنی امت کے لئے واجب الاحترام اور مقدس علاقہ ہونے کی ایک حد بندی کر دی۔ اسکے خاردار درخت نہ کاٹے جائیں اور اسکے جنگل میں رہنے والے جانوروں کو شکار نہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بعض اشیاء کی کمی اور بعض تکلیفوں کے باوجود مدینہ لوگوں کے لئے بہتر ہے۔ اگر وہ اسکی خیر و برکت کو جانتے (کسی تنگی اور پریشانی کی وجہ سے اور کسی لالچ میں اس کو نہ چھوڑے) الغرض جو کوئی اپنی پسند اور خواہش سے اس کو چھوڑ کے جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج دے گا جو اس سے بہتر اور افضل ہوگا۔ یعنی کسی کے اس طرح چلے جانے سے مدینہ طیبہ میں کوئی کمی نہ آئے گی، بلکہ وہ جانے والا ہی اسکی برکات سے محروم ہو کر جائے گا اور جو بندہ مدینہ طیبہ کی تکلیفوں، تنگیوں اور مشقتوں پر صبر کر کے وہاں پڑا رہے گا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا یا اسکے حق میں شہادت دوں گا۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تقوم الساعة حتی تنفی المدینۃ شرارہا کما ینفی الکیر۔ (مسلم ۴۲۲)

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم نے فرمایا، قیامت اس وقت تک برپا اور قائم نہیں ہوگی جب تک مدینہ طیبہ اپنے فاسد اور خراب عناصر کو اس طرح دور پھینک دے گا جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔

یعنی قیامت آنے سے پہلے مدینہ طیبہ کی آبادی کو ایسے خراب عناصر سے پاک و صاف کر دیا جائے گا جو عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے لحاظ سے گندے اور فطرت خبیثہ، عادات شنیعہ والے ہوں گے

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ علیٰ أنقَابِ الْمَدِينَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُونَ وَلَا الدَّجَالُ (صحیح بخاری و صحیح مسلم ۴۴۴)

ترجمہ: یعنی مدینہ منورہ کی شاہراہوں اور اندر آنے والے راستوں پر ملائکہ مقرر ہیں اس میں مرض طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتا۔ غالباً یہ ان دعوات متبرکہ کا ثمر ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور ہمارے نبی محمد ﷺ نے اپنے حرم محترم و مبارک کے لئے جو دعائیں مانگی تھیں اور انہی کی بناء پر تمام پاکیزگیاں ہیں اور حد و مبارکہ بابرکت ہیں۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں کتاب الحج کے اخیر میں مدینہ طیبہ کے فضائل کے سلسلہ میں حدیثیں ذکر کرنے کے بعد، اسکا اختتام امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اس مشہور دعا پر کیا ہے

اللهم ارزقني شهادة في سبيلك واجعل موتي في بلد رسولك

فضیلت مسجد نبوی ﷺ

دنیا کے نقشہ پر مسجد نبوی، مسجد مدینہ طیبہ کی بنیاد حضور سرور کائنات ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رکھی اور وہی مسجد مبارک اسلامی ریاست کا پہلا سنگ بنیاد اور اسلامی ریاست کا پہلا حد و دار بعتھا، اسی میں حضور نبی کریم ﷺ نے عمر بھر نمازیں پڑھیں، اعتکاف کیے، آپ کی ساری زندگی دینی اسلامی خصوصاً مکارم نبوت تعلیم و تربیت ہدایت، وارشاد، اور دعوت و جہاد کا مرکز بنی رہی اور اسی کو خطبات نبوت کا شرف حاصل رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس

مسجد مقدس کو اپنے مقدس و معظم گھر خانہ کعبہ اور مسجد حرام کے ماسوا دنیا کے باقی تمام عبادت خانوں پر عظمت و فوقیت بخشی ہے

۱- عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ صلوةٌ فی مسجدی هذا خیرٌ من الف صلوةٍ فیما سواہ الا المسجد الحرام (رواہ البخاری و مسلم ص ۴۴۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول کائنات ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں یعنی مدینہ طیبہ کی مسجد میں ایک نماز دوسری تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے

۲- عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی فی مسجدی اربعین صلوةً لا تفوتہ صلوةٌ کتب اہ برائةً من النار و براءةً من العذاب و براءةً عن النفاق (رواہ احمد و الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری اس مسجد میں مسلسل ۴۰ نمازیں پڑھیں اور ایک نماز بھی فوت نہ ہوئی، اسکے لئے لکھ دی جائے گی نجات اور برأت دوزخ سے اور ہر عذاب سے اور اسی طرح برأت ہوگی نفاق سے حدیث مبارک میں مسلسل چالیس نمازوں کی ادائیگی پر دوزخ، عذاب، نفاق سے برأت و نجات کی بشارت سنائی گئی ہے اور اہل اسلام کا یقیناً یہی اعتقاد ہے اور مسجد نبوی میں چالیس روزہ قیام رسول کریم ﷺ کی شفاعت کی کامل دلیل ہے

۳- عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ ﷺ ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنۃ و منبری علی حوضی (صحیح بخاری - مسلم ص ۴۴۶)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے۔

بے شک رسول اللہ ﷺ کے خطبات نبوت و رسالت، توحید و دعوت، ارشاد و ہدایت والی جگہ خطہء جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت کا مورد و محل ہے اور ہر زمانہ میں مومنین اس جگہ جنت جیسی راحت پاتے ہیں اور یقیناً قیامت کے روز رسول اکرم ﷺ حوض کوثر پر اپنا منبر مبارک لگائے مومنین کو جام رحمت پلائیں گے

زیارت گنبد خضرا: زیارت درگاہ نبوی اور حاضری بارگاہ رسالت ﷺ اگرچہ

رکن حج نہیں ہے، لیکن جزو ایمان ضرور ہے۔ صد ہا سال سے امت کا تعامل اور بارادہ خاصہ و امیدواری شفاعت کے طور پر ہر زمانہ میں دور دراز علاقوں سے حج کرنے کے لئے یا محض عمرہ و زیارت کے لئے آنے والے مسلمانان عالم حرمین طیبین میں دونوں بارگاہوں کی حاضری سعادت دارین اور یقیناً باعث شفاعت ہے اور عفو خطیات و سیئات کی بنا پر دربار خداوندی، کعبہ مقدسہ اور حرم محترم کے آداب بجالانے کے بعد دربار نبوی میں حاضری دیتے ہیں اور ذات برکات حضور نبی کریم علیہ السلام کے روضہ مبارک سے التزام کر کے ہدایا صلوات و تسلیمات پیش کرتے ہیں اور معروضہ صلوات و تسلیمات کی اجابت از خود حضور نبی کریم ﷺ سے حاصل کرنے کی سعادت سے مشرف ہونے کی خاطر حاضری دیتے ہیں، زیارت مدینہ طیبہ اور مسجد نبوی و ریاض الجنۃ سے التزام اور رسول کریم ﷺ سے دادخواہی کیلئے حاضر ہونا واجب خیال کیا جاتا ہے اور کتب احادیث میں محدثین کرام نے اواخر جوامع و مسانید میں اور سنن و سیر میں فضائل حاضری روضہ رسول ﷺ اور زیارۃ گنبد خضراء کے فضائل جمع کرنے کا دستور بنایا ہوا ہے، لہذا چند

احادیث و مرویات ہدیہ ناظرین ہیں۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من حج فزار قبري بعد موتي
كان كمن زارني في حياتي (رواه البيهقي في شعب الایمان، مشکوٰۃ ص ۲۴۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے حج
کیا اور اس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد تو وہ زیارت کی سعادت
حاصل کرنے میں انہی لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے میری حیات میں میری زیارت کی۔

۲- عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من زار قبري وجبت
له شفاعتي (الدارقطنی و البيهقي)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے

ارشاد فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی، اسکے لئے میری شفاعت واجب ہوگی
--- مزید یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنی قبر مبارک میں اور تمام انبیاء کرام علیہم

السلام کا اپنی قبور مبارکہ منورہ میں زندہ و سلامت اور ہر لمحہ مزید ترقی درجات بمطابق
وللاخرة خيراً لك من الاولى پر فائز ہونا اہل ایمان، خصوصاً جمہور امت کے
مسلمات سے ہے۔ اگرچہ نوعیت حیات میں اختلاف واقع ہے مگر مرویات اکابر خواص

امت صاحبان قلب و نظر اور وابستگان کاملین کے مشاہدات و تجربات اور زیارات
وانکشافات، اشراقات و مناظرات سے بھی قطعی درجہ تک حیات اصلیہ ثابت ہے یعنی حد

تو اتر تک ہے کہ امت مصطفیٰ ﷺ کا جو فرد قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کرتا ہے آپ بہ
نفس نفیس اپنے سمعی حق سے سنتے ہیں اور قبول فرما کر جواب بھی دیتے ہیں بلکہ فی الفور

جواب سے نوازتے ہیں۔ بایں وجہ بعد از وفات و رحلت آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہونا

گویا عین آپ کی حاضری میں ہوتا ہے اور حضور میں سلام عرض کرنا بالمشافہ روبرو سلام عرض کرنے کا شرف حاصل کرنا ہے اور یہی سب سے بڑی سعادت ہے۔ تقاضائے ایمان اور محبت بالنبی ﷺ کا عملی نمونہ اور حقیقت ایمان خالص ہے۔ غالباً اسی مضمون کو کسی عرب شاعر نے اپنے ذوق ایمان کی داد سے اس طرح ڈھال کر پیش کیا ہے، مگر بعد میں اپنے اپنے مطلوب کے مطابق ہر طالب فریفتہ کار نے اپنے مطلوب پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے جیسے بعض کتب میں بلخ مجنوں کی طرف یہ اشعار منسوب ہیں۔

امرٌ علی الدیار دیار لیلیٰ

أقبلُ ذا الجدارِ وذا الجدارا

وماحبّ الدیارِ شغفنَ قلبی

ولکن حبّ من سكن الدیارا

ترجمہ: میں جب اپنی محبوبہ لیلیٰ کی بستی سے گزرتا ہوں۔ کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔ اس بستی کے گھروں کی محبت نے میرے دل کو دیوانہ نہیں بنایا بلکہ میں تو اس بستی میں بسنے والے محبوب پر فدا ہوں

احادیث مبارکہ کی رو سے یہ بات واضح ہے کہ بوقت زیارتِ قبر حبیب زائر مومن کے قلب مومن و سلیم کی ایک وجدانی کیفیت ہوتی ہے اور قرب و حضور، جو اور التزام نبوی کی برکت سے ایمانی عہد کی تجدید، گناہوں پر ندامت و شرمساری، انابت الی اللہ اور توبہ و استغفار کی جو موج اور لہر اس وقت مخلص کے قلب میں اٹھتی ہے اور محبت ذات نبی کریم ﷺ کے جو جذبات موجزن ہوتے ہیں اور فرط محبت و قبول شفاعت ایسے ملے جلے جذبات کی بدولت آنکھوں سے قطار در قطار جو آنسو گراتے ہیں ان میں سے ہر شے ایسی ہے جو شفاعت نبوی قبولیت مصطفویٰ بلکہ مغفرت خداوندی کو بھی واجب کر دیتی ہے اس لئے کسی

شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ روضہ نبوی کے ہزاروں حاضر صاحب ایمان کو انشاء اللہ یقیناً قطعاً شفاعت نبوی حاصل ہوگی اور شفاعت سے نصیبہ ملے گا۔ ہر ذہن سلیم اس امر پر مطمئن ہے کہ قبر مبارک کی زیارت کے منافع و برکات، مصالح، محاسن خود ذات بابرکات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمانی تعلق، فرط محبت، بجا آوری توقیر و تعظیم میں مزید سے مزید اضافہ اور دینی و روحانی ترقی کا سب سے بڑا وسیلہ ہے اللہم ارزقنا شفاعت النبی الکریم الامین

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم : عن انس رضی اللہ عنہ الانبیاء

احیاء فی قبورہم یصلون (القول البدیع ص ۱۶۷)

ترجمہ : تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں اصلی زندگی سے زندہ،

نمازیں پڑھتے ہیں۔

حضرت حافظ شمس الدین محمد السخاوی شافعی تفصیل کرتے ہیں اور باین عنوان تحریر کرتے

فرماتے ہیں (القول البدیع ص ۱۶۷)

السادسة رسول الله حي على الدوام يؤخذ من هذه الاحاديث انه

حي على الدوام وذلك انه محال عادة ان يخلو الوجود كله من

واحد يسلم عليه في ليل ونهار ونحن نؤمن ونصدق بانه صلى

الله عليه وسلم حي يرزق في قبره وان جسده الشريف لا تاكله

الارض

ترجمہ : حضور رسول کریم ﷺ دائمی حیات میں ہیں اور احادیث مبارکہ کا حاصل

یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات دائمی ہے، اسلئے کہ یہ امر محال ہے کہ سارے عالم وجود

یعنی موجودات میں سے کوئی ایک بھی سلام پیش کرنے والا دن اور رات میں ہو، ہم ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ جاوید اپنی قبر مبارک اور آخری آرام گاہ میں مرزوق ہیں یعنی ان کو محسوس رزق عطا ہوتا ہے اور آپ کے جسد شریف کو زمین نہیں کھا سکتی۔

وذكر الغزالی ثم الرافعي حديثا مرفوعا انا اكرم على ربي من ان يتركني في قبرى بعد ثلاثٍ ولا أصلى له (القول البدیع)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ کریم کی بارگاہ میں یہ عزت و کرامت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے قبر میں چھوڑ دے تین دن تک، اس کیفیت میں اس کی میں رضا جوئی میں نماز نہ پڑھوں۔ (قال لیبہقی)

ان صحّ فالمراد انهم لا يتركون يصلون الا هذا القدر ثم يكونون مُصَلِّينَ بين يدي الله (القول البدیع)

ترجمہ: مراد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام بھولے نہیں چھوڑے جاتے نمازیں پڑھتے ہوئے، مگر صرف اتنا ہی قدر (تین دن یا مزید) پھر رب العزت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر وہ نمازیں پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں۔

وعن انس رفعه مررت بموسى ليلة أسرى بي عند الكئيب الأحمر وهو قائم يصلى في قبره وفي حديث واذا ابراهيم قائم يصلى شبه الناس به صاحبكم فحانت الصلوة فأممتهم (القول البدیع ۱۶۸)

ترجمہ: روایت مرفوع حضرت انس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا لیلۃ المعراج میرا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے ہوا ایک سرخ ٹیلے کے

قریب وہ اپنی قبر شریف میں بحالت قیام نماز میں مصروف تھے اور ایک روایت میں ہے میرا گزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر پر ہوا، اچانک میری نظر گئی کہ ابراہیم علیہ السلام حالت قیام میں نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے زیادہ مشابہ تمہارا صاحب اور نبی ہے اور پس نماز قائم ہوگئی میں نے ان تمام کی امامت کی۔

تاویلات صادقہ حدیث لا تجعلوا قبری عیداً

قال صاحبُ سلاحِ المؤمنِ قوله عليه الصلوة والسلام لا تجعلوا قبری عیداً یحتمل ان یكون المراد به الحثُّ علی كثرة زیارته ولا یجعل بالعید الذی لا یأتی فی العام الا مرتین (القول البدیع ص ۱۶۵)

مصنف سلاح المؤمن فرماتے ہیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مبارک میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ احتمال یہ ہے کہ ان الفاظ سے مراد کثرت زیارت پر آمادہ اور برا بیچختہ کرنا ہے کہ میری قبر کو مانند عید نہ بنانا کہ سال میں صرف ایک یا دو مرتبہ میری قبر پر حاضری دو، جیسے سال بھر میں عید کے صرف دو ہی دن ہیں بلکہ ہمہ اوقات کثرت سے میری قبر کی زیارت کرنا تاکہ میری شفاعت کثیرہ تمہیں میسر آئے

بعض شراح مصابیح سے یہ بھی منقول ہے کہ کلام میں حذف ہے۔

تقدیرہ لا تجعلوا زیارة قبری عیداً ومضى النهی عن الاجتماع لزیارته علیه الصلوة والسلام اجتماعهم للعید وقد كانت اليهود والنصارى ویجتمعون لزیارة قبور انبیائهم ویشتغلون باللہو والطرب فنهی النبی ﷺ امته عن ذالك (القول البدیع ص ۱۶۶)

ترجمہ: بعض شارحین حدیث سے منقول ہے کہ عبارت حدیث لا تجعلوا قبری عیدا میں عبارت محذوف ہے یعنی عبارت میں حذف مضاف ہے اصل عبارت ہے کہ میری قبر کی زیارت کو درجہ عید نہ دو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی زیارت قبر کے لئے اس اجتماع سے منع کیا اور روکا ہے جیسے عید کے موقع پر اجتماع اور ثقافتی رنگ میلا ہوتا ہے۔

ترغیب صلوات: اعتمد جماعة من الائمة على هذا الحديث يعنى

ما من احدٍ يُسلم على الارذالة على روى (القول البدیع ص ۱۵۴)

ترجمہ: ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث مبارکہ پر اعتماد کیا ہے یعنی کوئی آدمی جب مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم علی فاحسنوا الصلوة فانکم لا تدرون لعل ذالک یعرض علی قولوا اللهم اجعل صلاتک ورحمتک وبرکاتک علی سید المرسلین و امام المتقین وخاتم النبیین عبدک ورسولک امام الخیر ورسول الرحمة اللهم ابعثه المقام المحمود یغبط الاولون و الاخرون (القول البدی ص ۳۸-۳۹)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب مجھ پر صلوة بھیجو، تو عمدہ اور بہترین طریقہ سے صلوة بھیجو، کیونکہ تم نہیں جانتے یقیناً وہ مجھ پر پیش کی جاتی ہے۔ پڑھا کرواے اللہ! نازل فرما اپنی رحمت، درود، برکات سید المرسلین پر، امام المتقین پر، خاتم النبیین پر، جو تیرا عبد اور رسول ہے، امام خیر ہے قائد خیر ہے اور رسول رحمت عالم ہے۔ اے اللہ! عطا فرما اس کو مقام محمود کہ اولین و آخرین اس پر رشک کریں۔

قال النبي صَلَّى الله عليه وسلم من صَلَّى على روح محمد في الارواح
وعلى جسده في الاجساد وعلى قبره في القبور رآني في منامه ومن
رآني في منامه رآني يوم القيمة شفعت له ومن شفعت له شرب من
حوضي وحرّم الله جسده على النار (القول البدیع ص ۴۳)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری روح پر درود بھیجتا ہے تمام

ارواح میں سے اور تمام اجساد و اجسام میں سے جسم محمد پر اور تمام قبور میں سے قبر محمد پر درود
وصلوہ پڑھتا ہے، وہ مجھ کو خواب میں دیکھے گا اور جو مجھے خواب میں دیکھے گا وہ مجھے قیامت
میں دیکھے گا اور زیارت سے مشرف ہوگا اور جو قیامت میں میری زیارت کرے گا میں اس کی
شفاعت کروں گا اور جس کی میں شفاعت کروں گا، وہ میرے حوض اور آب کوثر سے پانی پیے
گا اور سیراب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو جہنم پر حرام قرار دے دے گا۔

عن رويغ بن ثابت الانصاري قال قال رسول الله ﷺ من قال اللهم
صل على محمد وانزله المقعد المقرب عندك يوم القيامة وجبت له
شفاعتي (القول البدیع ص ۴۲)

ترجمہ: حضرت رويغ انصاري رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے
فرمایا جو شخص پڑھتا ہے اللهم صلی علی محمد اور اتارنازل فرما اس کو مقام قرب میں اپنی بارگاہ
جلالت میں قیامت کے روز اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔

وفي رواية قال النبي صَلَّى الله عليه وسلم ان ملائكة الله سيّاحين
حين يبلغوني عن امتي السلام وقوله اذا سلم عليّ آخذ رداً الله عليّ
روحي حتى اردد عليه (القول البدیع ص ۱۵۲)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سیاح ملائکہ ہیں، یعنی سیلانی جو روئے زمین

پر مجالس صلوات و درود میں شرکت کرتے ہیں اور میری امت کے صلوة و سلام مجھ پر پہنچاتے ہیں، جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے اللہ کریم میری روح کو مجھ پر لوٹاتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

قال رسول الله ﷺ صلوا على صلي الله عليكم
آنحضرت ﷺ نے فرمایا مجھ پر صلوات پڑھو، اللہ تم پر صلوات بھیجے گا۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا ما فی السموات السبع موضع قدم ولا شبر ولا كف الا وفيه ملك قائم او راکع او ساجد ومعلوم ان الجميع يصلون على سيدنا رسول الله ﷺ صلى الله عليه وسلم بنص القرآن حيث كانوا واين كانوا (القول البدیع)

ترجمہ: حضرت صدیقہ محبوبہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ ساتوں آسمانوں میں کثرت سے ملائکہ ہیں، یہاں تک کہ ایک بالشت یا چار انچ برابر بھی جگہ خالی نہیں ہے ہر ایک فرشتہ عبادت الہیہ میں ہمہ اوقات مشغول ہے۔ کوئی حالت قیام میں ہے، کوئی حالت رکوع میں اور کوئی سجود میں ہے، اسکے بعد علامہ سخاوی فرماتے ہیں ومعلوم الخ یعنی یقیناً یہ امر ثابت ہے کہ تمام فرشتے ہمارے حضور نبی کریم ﷺ پر صلوات و درود کے نغمے پڑھتے ہیں بنص قرآن مجید، يصلون على النبي ﷺ صلى الله عليه وسلم فرشتے جہاں کہیں ہوں، کسی بھی جہت و سمت اور گوشہ میں ہوں۔

عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله ﷺ صلوا على
فان صلاتكم على زكوة لكم (القول البدیع ص ۳۴)

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

مجھ پر صلوات پڑھو، کیونکہ تمہاری مجھ پر صلواتیں خود تمہارے لئے زکوٰۃ و پاکیزگی ہے یعنی تمہارے دلوں کی پاکیزگی کا باعث اور گناہوں سے مغفرت کے لئے کافی ہے

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا علی فانها لکم اضعافاً مضاعفةً (القول البدیع ص ۳۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا مجھ پر صلوات بھیجو، کیونکہ وہ صلواتیں تمہارے لئے ہزار ہا گنا برکات و رحمت ہیں۔

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ اکثرُوا من الصلوٰةِ علیَّ لان اول ما تسألون فی القبر عَنی (القول البدیع ص ۳۴)

ترجمہ: حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کثرت سے مجھ پر درود پڑھو اس لئے کہ عادتہ قبر میں سب سے پہلا سوال تم سے میری ذات کے متعلق ہوگا۔

فطرة ايمان اطفال مؤمنين

واخرج الديلمی (فی زوایة لا تضرُّبوا اطفالکم علی بُكاءِہم سنۃً فان اربعة اشہرٍ منها یشہد ان لا الہ الا اللہ و اربعة اشہرٍ یصلی علیَّ و اربعة اشہرٍ یدعو لوالدیہ و فی بکاء الصبی فی المہد اربعة اشہرٍ توحید و اربعة اشہرٍ صلاة علی نبیکم و اربعة اشہرٍ استغفار لوالدیہ (القول البدیع ص ۵۲)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ایک سال تک بچوں کو رونے پر نہ مارو اور ڈانٹ کرو، کیونکہ پہلے چار مہینے میں وہ رونے میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر گواہی دیتا ہے دوسرے چار مہینے

رونے میں حضور نبی کریم ﷺ پر درود و صلاۃ پڑھتا ہے اور تیسرے چار مہینے میں اپنے ماں باپ کے لئے استغفار کرتا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال النبی ﷺ بُكاءُ الصّبی الی شہرین شہادۃ ان لا الہ الا اللہ والی اربعۃ اشہر الثقۃ باللہ والی ستۃ اشہر الصلاۃ علی النبی ﷺ ولسنتین استغفار لوالدیہ واذا استسقی انبع اللہ لہ من ضریع امّہ عینا من الجنۃ فی شرب فیجزیہ من الطعام و الشراب (القول البدیع ص ۵۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ابتداء پیدائش میں دو ماہ تک بچے کا رونا اللہ کریم کی توحید کی گواہی ہوتی ہے، اور چار ماہ تک اللہ پر توکل، چھ ماہ تک بچے کا رونا نبی کریم ﷺ پر درود و صلاۃ پڑھنا ہوتا ہے اور دو سال تک بچے کا رونا اپنے ماں باپ کے لئے استغفار ہوتا ہے اور جب پیاسا ہو کر پانی کی طلب میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی ماں کے پستان سے جنت کا ایک چشمہ جاری فرما دیتا ہے اور وہ پیتا ہے اور اسکے کھانے اور پینے کی جگہ وہی اس کے لئے کافی ہے

اللہم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا محمد فی الاولین و الاخرین و فی الملاء الاعلی الی یوم الدین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ نِ الْكَرِيْمِ وَعَلٰی آلِهِ
وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ -

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

ترجمہ: ”ضرور ہونی چاہیے تم میں ایک جماعت جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم

دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی سے اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں“

آیت کریمہ مبارکہ میں صراحتاً امر بالمعروف یعنی لوگوں کو اچھی نصیحت، پسندیدہ وعظ
اور نیکی کی راہ بتلانے اور امور خیر عبادات، صالحات، حسنات، اخلاقیات کا مخلصانہ درس
دینے اور راہ حق پر چلانے کا حکم ترغیبی و تحسینی ہے مزید یکہ ساتھ ہی بھی عن المنکر کی راہ واضح

فرمائی گئی ہے کہ جتنا قدر ممکن ہو بقدر طاقت و استطاعت اور مطابق زور بازو و زور بیان

لوگوں کو برائیوں، بد کاریوں، سیاہ کاریوں سے اجتناب و پرہیز کی تلقین اور مرتکبین کی

سزائش، سرکوبی اور ان کو برائی کی راہ سے ہٹانے اور برائی کے ارتکاب سے دور رکھنے کی

ہر طرح کی چارہ سازی عقلاء اور اتقیاء کے ذمہ واجب ہے تاکہ برائی اور برے کاموں کی

راہ مسدود ہو جائے خلق خدا کو اطمینان اور سکھ نصیب رہے معاشرے میں بگاڑ پیدا نہ ہونے

پائے بلکہ معاشرہ صحیح امن و امان پر قائم رہے۔ چنانچہ آیت شریفہ مذکورۃ الصدر سے

قبل کی آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب کی دو وجہ سے مذمت فرمائی ہے اول

یہ کہ وہ سابقہ امت خود کافر اور گمراہ تھی قرآن کریم میں ان کو فرمایا گیا تم اللہ کی آیات کے

ساتھ کیوں کفر و انکار میں رہتے ہو۔ دوسری وجہ یہ کہ وہ ملقب باہل کتاب مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی درپے رہتے۔

تنبیہ: قرآن کریم نے مؤمنوں کو فرمایا ایمان والو اللہ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا پورا حق ہے چونکہ اہل کتاب کفار کے گمراہانہ و تیرہ کی بناء پر کہ دوسرے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے انکی مذمت کی گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اسلئے مسلمانوں کو حکم دیا اے مومنو! تم میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت ہونی چاہیے جو نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں اور معاصی سے روکیں اس عنوان کی واردہ آیات شریفہ سے ایک آیت کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اَخْرَجْتُ لِلنَّاسِ تَامِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَهَسَبِ اُمَّتِيں جو صفحہ ہستی پر آئی ہیں ان میں تم بہترین امت ہو کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے ہٹاتے ہو (سورۃ آل عمران)

دوسری آیت **يُبْنَىٰ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ** (سورۃ لقمان)

حضرت لقمان حکیم نے اپنے زمانے میں اپنے عزیز بیٹے سے فرمایا تھا اے میرے بیٹے ہمیشہ نماز قائم و برپا رکھ، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک۔

وَان طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَقْتَتَلُوْا فَاَصْلَحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَهُمَا عَلٰى الْاٰخَرٰى فَقَاتِلُوْا الَّتِي تَبَغٰى حَتّٰى تَفِيَّ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات)

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں جھگڑ پڑیں جنگ و جدال پر اتریں تو ان میں صلح کر دو پھر اگر ان میں سے کوئی ایک جماعت دوسری جماعت پر خواہ مخواہ ظلم و زیادتی اور جو رو جفا کرے تو اس جماعت سے جنگ کرو جو زیادتی کرے حتیٰ کہ وہ اللہ کریم کے حکم

کی طرف لوٹ آئے۔

اس بارہ میں بکثرت احادیث مبارکہ موجود ہیں (۱) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت کریم ﷺ نے فرمایا اللہ کریم نے مجھ سے پیشرو جس نبی علیہ السلام کو کسی امت میں مبعوث فرمایا ہے اس نبی علیہ السلام کے اس امت میں حواری ہوتے تھے اور ایسے اصحاب ہوتے جو اس کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اس کے حکم پر بھی عمل کرتے تھے، پھر ان کے بعد ایسے برے لوگ آئے جو ایسی باتیں کرتے تھے جن پر وہ خود عمل پیرا نہیں ہوتے تھے اور ایسے ایسے کلام کرتے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا ہوتا تھا۔ آگاہ رہو جو ان کے ساتھ زور بازو سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے اور جو ان سے زبان کے ساتھ جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے، اسکے علاوہ رائی کے دانہ برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

(۲) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا

جو شخص کسی قوم میں رہ رہا ہو اور وہ لوگوں کو گناہ سے روکنے پر قادر ہو اور نہ روکے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کرے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص

ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے منع کرتے رہنا ورنہ تم پر تم ہی میں سے برے لوگ مسلط کر دیئے جائیں گے پھر تمہارے نیک لوگ دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو شہر والوں سمیت الٹ دو اور تباہ کر دو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی پروردگار ان میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کی مقدار بھی تیری نافرمانی نہیں کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس شہر کو قطنی الٹ دو کہ وہ بندہ میری وجہ سے ایک ساعت ایک گھڑی بھی ناراض نہیں ہوا۔

شریعت اسلامیہ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مستقل باب ملحوظ رکھا ہے کیونکہ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ امن و سلامتی کی اصل روح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ڈالی گئی ہے اور ہر زمانہ میں مزید ڈالی جاسکتی ہے بایں وجہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کسی بھی معاشرہ میں اصل اصیل ہے اور اس سلسلہ میں کثرت سے آیات و احادیث شریفہ وارد ہیں اگرچہ برائی سے روکنا اور نیکی کا حکم دینا فرض کفایہ ہے۔ جب بعض لوگ اس فریضہ کو ادا کر لیں تو باقی والوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر تمام لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک کر دیں تو سب کے سب گنہگار ہوں گے اور جس جگہ کوئی دوسرا شخص برائی سے روکنے والا نہ ہو اور وہاں صرف ایک عالم دین ہو تو اس پر برائی سے روکنا فرض عین ہے مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی اولاد کو یا اپنے ماتحت نوکر کو کوئی برائی کرتے ہوئے دیکھے یا کسی عمل نیک میں تقصیر اور کوتاہی کرتا ہو پائے تو اس ذمہ دار کے لئے نہی عن المنکر فرض ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم عام: تفصیل یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے کوئی ضروری نہیں کہ وہ ناہی شخص خود کامل ہو تمام احکام شرعیہ پر عامل

اور تمام محرمات شرعیہ سے مجتنب ہو اور نہ ہی یہ حکم حکام اور اربکان دولت کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی علماء کے ساتھ مخصوص ہے اس میں تفصیل یہ کہ شرع شریف کے جوا حکام ظاہر اور مشہور ہیں مثلاً نماز روزہ کی فرضیت، جھوٹ، قتل، زنا، چوری اور ڈاکہ وغیرہ کی حرمت ان کا علم ہر مسلمان کو ہے بایں وجہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نماز نہ پڑھنے اور جھوٹ بولنے پر ایسے مرتکب قبیح کوٹو کے نیکی کے کام کا حکم دے اور برائی سے روکے علاوہ ازیں جوا حکام اسلام غامضہ اور باریک و دقیق غیر ظاہرہ باہرہ ہیں یا جن کا تعلق اجتہاد سے ہے، عام لوگوں کا ان میں دخل نہیں ہے اور نہ وہ ان میں انکار کر سکتے ہیں مثلاً روزہ کی حالت میں ٹیکہ (انجکشن) لگوانے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں، ٹیلی فون، موبائل وغیرہ پر نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں، اعضا انسانیہ میں پیوند کاری، انتقال خون، دوسرے کے خون کے نیلے لگوانے وغیرہا) جو مسئلہ اجتہادی اور مختلف فیہا ہو مثلاً کسی مجتہد کے نزدیک جائز اور کسی کے نزدیک ناجائز ہو اور عمل کرنے والا کسی مفتی کے فتویٰ کے مطابق عمل کر رہا ہو تو اس کو گناہ نہیں ہوگا خواہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک ناجائز ہی کیوں نہ ہو ایسی صورت میں عالم کو چاہیے کہ اسلوٹو کے تاکہ وہ ایسی صورت میں عمل کرے جس میں کسی مجتہد کا اختلاف نہ ہو مثلاً بیمار روزہ دار، اگر روزہ میں انجکشن لگواتا ہے تو اس روزہ کی قضا کرے۔

سدّ باب منکر و برائی کی تادیب اور مراتب تعزیر

مفسر قرآن (حکام القرآن) حضرت علامہ ابو بکر جصاص حنفی لکھتے ہیں قرآن کریم کی آیت مبارکہ یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اہتدیتم (المائدہ ۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ کے دوران فرمایا لوگو! ہم نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ کسی ظلم کرنے والے کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمائے مزید یہ کہ ابو امیہ شعبانی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ابو ثعلبہ حشنی سے اس آیت کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تھا آپ نے فرمایا تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے، دنیا کو ترجیح ہی ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اتر رہا ہے اس وقت تم صرف اپنی زبان کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو اور صبر پر کار بند رہو دین کا دامن پکڑے رہو ایسے وقت میں ایک عمل کرنے والے کو پچاس عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا حدیث مسطورہ بالا دلالت کر رہی ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے دو حال ہیں۔ ایک حال یہ ہے کہ جس میں برائی کو بدلنا اور اس کو مٹانا ممکن ہے اس حال میں جس شخص کے لئے برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانا ممکن ہو اس پر اس برائی کو مٹانا فرض ہے تاہم اس کی کئی صورتیں ہیں (۱) ایک صورت یہ ہے کہ وہ برائی کو بزور شمشیر مٹائے اس بناء پر کہ

ایک شخص اسکو یا کسی اور شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کرے اس کا مال لوٹنے یا ڈکیتی کرنے کا قصد کرے یا اس کی بیوی سے زنا کرنے کا قصد کرے اور اس کو یقین ہو کہ زبانی جمع خرچ کرنے یا بار بار نصیحت کرنے اور زبان سے سمجھانے کی صورت میں حرام کار باز نہیں آئے گا یا بغیر ہتھیار کے اس سے لڑائی بھڑائی تھپڑ، مکے یا چابک مارنے سے بھی باز آنے کی امید نہ ہو تو دفاع کرنے والے پر واجب ہے کہ اس ارادہ حرام رکھنے والے کو قتل کر دے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے تم میں جو برائی دیکھے۔ یعنی جو شخص کسی برے کی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے اور جو شخص برائی کر رہا ہو اگر اس کو قتل کئے بغیر اس برائی کو مٹانا ناممکن ہو تو اس کو قتل کرنا اس پر فرض ہے اور اگر اس کو ظن غالب ہو کہ بغیر ہتھیار کے اس برائی کو مٹانا ممکن ہے مثلاً تھپڑ، مکے، دھکے مارنے سے تو پھر اسکو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اسکو یہ گمان ہو کہ اب اگر اس کو بغیر ہتھیار کے مارا، پیٹا جائے یا زبان، کلام سے روکا جائے تو یہ باز آ جائے گا لیکن کھلا چھوڑنے پر بعد میں اتنی سزا سے باز نہیں آئے گا اور اس کو قتل کئے بغیر یہ برائی نہیں مٹ سکتی تو پھر اس کو قتل کرنا لازم ہے۔

یاد رہے کہ کسی بھی ریاست اور قوم میں کسی ایک آدمی کے لئے ملکی ریاستی قانون کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان یا مال یا عزت پر حملہ آور ہو تو وہ اپنی یا دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت بچانے کے لئے مزاحمت کرے اگر مزاحمت کے دوران وہ حملہ آور اسکے ہاتھوں سے مارا جائے تو اس سے شرعاً کوئی مؤاخذہ یا سزا نہیں ہے۔

مسائل

(۱) علامہ ابن رستم نے امام محمد رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے (بالمثل) ایک آدمی نے کسی کا جبرا مال چھین لیا تو تمہارے لئے اس کو قتل کرنا جائز ہے حتیٰ کہ اس کا مال چھڑا لو اور آدمی کو واپس کر دو۔

(۲) اسی طرح امام الفقہاء و المجتہدین امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو چور مکان میں نقب لگا رہا ہو تمہارے لئے اس کو قتل کرنا جائز ہے اور جو آدمی تمہارا دانت توڑنا چاہتا ہے یا بازو کا ٹٹا چاہتا ہے (مدافعت و دفاع) میں تمہارا اس کو قتل کرنا جائز ہے بشرطیکہ تم ایسی جگہ پر ہو جہاں لوگ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں ہاں البتہ اگر چھڑانے والے یا مددگار کافی ہوں وہاں قتل جائز نہیں۔

اس پر دلیل آیت مبارکہ ہے فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبَغِي حَتَّى تَفِيءَ اِلَى اَمْرِ اللّٰهِ (الحجرات: ۹)
ترجمہ: جو جماعت زیادتی کرے اس سے اس وقت تک جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کریم کے امر کی طرف لوٹ آئے اسی طرح حدیث مبارک سے ثابت ہے کہ تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو زور بازو سے مٹائے خواہ برائی کرنے والے کو قتل کرنا پڑے اور وہ زبان سے منع کرنے سے باز آجائے تو اس کو زبان سے منع کرے، یہ حکم اس برائی کے لئے ہے جو علی الاعلان کی جا رہی ہے اور اس پر اصرار کیا جاتا ہے مثلاً کوئی شخص بھتہ (غنڈہ ٹیکس چگا بن کر لیتا ہے) اور جبری طور ٹیکس و تاوان وصول کرے اور ایسی حالت ہو کہ زور بازو سے برائی کو مٹانا اور زبان سے منع کرنا دونوں صورتوں میں جان جانے کا خطرہ ہو تو اس وقت خاموشی اختیار کر کے ان برے لوگوں سے کنارہ کرے اور الگ ہو جائے، قرآن کریم

کی آیت مبارکہ ہے علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اہتدیتم

ترجمہ: تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب تک تمہاری بات اور نصیحت کو قبول کیا جائے تو نیکی کا حکم دو اور عمدہ نصیحت سے نیکی کی راہ پر لگاؤ اور برائی سے روکو بصورت دیگر جب تمہاری بات کو قبول نہ کیا جائے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو۔

اسی طرح حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (لوگو) نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جارہی ہے، خواہش کی پیروی کی جارہی ہے محض دنیا کو ترجیح دی جارہی ہے اور ہر طرف من مانی ہے، ہر شخص اپنی رائے پر اتر رہا ہے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو اور لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو۔ اصل مطلب حدیث مبارکہ یہ ہے کہ جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قبول نہ کریں اور اپنی خواہشات اور اپنی مرضی اپنی فکری آراء کی پیروی کریں تو پھر تمہارے لئے ان کو چھوڑنے کی اور ان سے الگ ہوجانے کی گنجائش ہے کیونکہ ایسے مردود معاشرے میں تم اپنی فکر کرو اور لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو ایسی صورت میں کہ لوگ برائی اور جہالت، بے حیائی پر مصر ہوں اور کسی دیندار ناصح کی الٹا توہین کریں تو آپ نے ہر برے کی برائی اور بے حیائی پر ٹوکنے کو ترک کرنا مباح کر دیا اور ناصح کو کنارہ کشی کا حکم دیا۔

مسائل و احکام

(۱) بغیر علم کے وعظ اور تبلیغ کرنا حرام ہے۔۔۔۔۔ (۲) وعظ، تقریر اور تبلیغ دین کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا علماء دین کا منصب ہے اور علم دین کی حسب ذیل شرائط ہیں یعنی علم دین جاننے، بیان کرنے کی یہ شرائط ہیں۔

(۱) عربی لغت، صرف اور نحو کا عالم ہونا کہ عربی عبارت بغیر اعراب کے صحیح پڑھ سکے، آیات قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کا صحیح ترجمہ کر سکے (۳) قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ، نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدین کی سیرت طیبہ اور فقہ کا عالم ہو اور اس پر کامل عبور رکھتا ہو (۴) مسلک حق اہل سنت و جماعت کے عقائد اور ان کے دلائل کا عالم ہو اور باطل فرقوں کے رد کی کامل مہارت رکھتا ہو۔

(۵) پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن، سنت، علم کلام اور فقہ کی کتابوں میں دیکھ کر بغیر کسی مدد کے احکام نکال سکتا ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (سورۃ عنکبوت آیت ۴۳)

ترجمہ : یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں ان کو صرف علماء ہی سمجھتے ہیں قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ کرنا، ان سے مسائل کا استنباط کرنا، ان کی باریکیوں اور اسرار کو سمجھنا۔

مذکورۃ الصدر شرائط کا پورا ہونا علوم کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو عالم فرمایا ہے۔ امام ابو عیسیٰ محمد ترمذی کی روایت میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بغیر علم کے قرآن مجید میں کوئی بات کہی وہ

اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔

دلچسپ سوال و جواب امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا

سائل نے عرض کیا - کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے (ارشاد) غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے (۲)

عرض - عالم کی کیا تعریف ہے (ارشاد) عالم کی تعریف یہ ہے کہ عقائد سے پورے طور آگاہ

ہو اور اپنی ضروریات کے پیش نظر احکام کو کتاب سے نکالے بغیر کسی کی مدد کے (المملفوظ

مطبوعہ لاہور) کتاب سے مراد تفسیر، حدیث اور فقہ کی عربی کتابیں ہیں کیونکہ اعلیٰ حضرت

نے اردو کی کتابیں پڑھ کر وعظ کرنے سے منع فرمایا ہے عبارات فتاویٰ رضویہ سے بیان کی

گئی ہیں نیز اعلیٰ حضرت امام موصوف رحمہ اللہ تعالیٰ بے علم واعظ کے متعلق لکھتے ہیں

مسئلہ ۸ اذی قعدہ ۱۳۱۹ھ) (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ

میں بہت لوگ اس قسم کے ہیں کہ تفسیر و حدیث بے خواندہ و بے اجازت اساتذہ، برسر

بازار و مسجد وغیرہ بطور وعظ و نصائح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی و مطلب میں کچھ مس

نہیں وعظ اردو کتابیں دیکھ کر کہتے ہیں یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کا شرعاً جائز ہے یا نہیں،

(الجواب) حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام ہے جناب رسول اللہ فرماتے ہیں،

من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوء مقعدہ من النار و العیاذ باللہ

العزیز الغفار و الحدیث رواہ الترمذی و صححہ عن ابن عباس رضی

اللہ عنہ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قادری متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ اگر بے

علم اپنے آپ کو مولوی کہلوائے (آج کل تو بے علم، ناخواندہ اور بے سند یافتہ اپنے آپ کو

علامہ کہلاتے ہیں) اور منبر پر بیٹھ کر وعظ کرے اسکا کیا حکم ہے تو اس کے جواب میں لکھتے

ہیں؟ یونہی اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا بھی گناہ و مخالف حکم قرآن

مجید ہے قال اللہ تعالیٰ 'ہو اعلم بکم از انشاءکم من الارض و اذا انتم اجنۃ فی بطون امہتکم فلا تزکوا انفسکم ہو اعلم بمن اتقی

ترجمہ : اللہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے اٹھان دی

اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں چھپے تھے تو اپنی جان کو آپ اچھا نہ کہو خدا خوب جانتا ہے

جو پرہیزگار ہے اور فرمایا الم تر آلی الذین یزکون انفسہم بل اللہ یزکی من یشاء

”کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جو آپ اپنی جان کو ستھرا بتاتے ہیں بلکہ خدا ستھرا کرتا

ہے جسے چاہے“ - ایک حدیث شریف میں ہے آنحضرت کریم ﷺ فرماتے ہیں (من

قال انا عالم فہو جاہل) جو اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے (رواہ الطبرانی فی

الاوسط عن ابن عمر، سند حسن) ہاں اگر کوئی شخص حقیقت میں عالم دین ہو اور لوگ اس کے

فضل سے ناواقف اور یہ اس سچی نیت سے کہ وہ آگاہ ہو کر فیض لیں - ہدایت پائیں، اپنا عالم

ہونا ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں جیسے سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انسی

حفیظٌ علیم پھر یہ بھی سچے عالموں کے لئے ہے = زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی

صاحب کہنا دونوں گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا

قال اللہ عزوجل لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان

یُحْمَدُوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنہم بمفازة من العذاب ولہم عذاب

الیم ہرگز نہ جانیں انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے

جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانیں انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور

ان کے لئے دکھ کی مار ہے - معالم شریف میں عکرمہ تابعی شاگرد حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں منقول یفرحون باضلالہم الناس وبنسبۃ

النَّاسِ اِيَاهُمْ اِلَى الْعِلْمِ وَلَيْسُوا بِاَهْلِ الْعِلْمِ = خوش ہوتے ہیں لوگوں کو بہکانے پر

اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی لکھیں حالانکہ مولوی نہیں۔ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے۔

وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہوگی یا نبی کریم ﷺ کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو ان

میں سے کسی شے کا بیان جائز نہیں۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں (من قال في القرآن

بغير علم فليتبوء مقعده من النار)۔ جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا

ٹھکانہ دوزخ میں بنالے رواہ الترمذی صحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما = احادیث میں

اسے صحیح و غلط اور ثابت و موضوع کی تمیز نہ ہوگی اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ من يقل

على ما اقل فليتبوء مقعده من النار جس شخص نے مجھ پر وہ بات کہی جو میں نے

نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے رواہ البخاری فی صحیح عن سلمة ابن الاكوع رضی اللہ

عنه مزید فرماتے ہیں افتروا بغير علم فضلوا واضلوا بغير علم یعنی بے علم مسئلہ

بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کیا رواہ الائمة احمد والشیخان و

الترمذی وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما

دوسری حدیث میں ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا من افقی بغير علم لعنته ملائكة

السماء و الارض جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کریں۔ رواہ

ابن عساکر عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ۔ یوں ہی جاہل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا،

چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت

ابھی احادیث میں گزرا کہ ہدایت نہیں کر سکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے۔

(ع) کہ بے علم نتواں خدا را شناخت (فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص ۹۵-۹۶ مطبوعہ مکتبہ

رضویہ کراچی) نیز بے علم کے فتویٰ دینے اور علماء کی توہین کرنے والے کے متعلق لکھتے ہیں۔

الجواب: سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے، مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہوگا ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جسارت حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں من افقی بغير علم لعنته ملائكة السماء و الارض جو بے علم فتویٰ دے اسپر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے اور اگر فتویٰ سے اگرچہ فتویٰ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیوی نفع منظور ہو تو یہ دوسرا سبب لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض ثمن قلیل حاصل کرنے پر فرمایا گیا اولئك لا خلاق لهم في الاخرة ولا يكلمهم الله ولا ينظر اليهم يوم القيامة ولا يزكّيهم ولا لهم عذاب اليم -

ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لے دردناک عذاب ہے اور علماء دین کی توہین کرنے والا منافق ہے۔ حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں

ثلاثة لا يستخف بحقهم الا منافق بين النفاق ذو العلم وذو الشبهة في الاسلام وامام مقسط تین شخصوں کا حق ہلکا نہ جائے گا مگر جو منافق کھلا منافق ہو عالم وہ جسے اسلام میں بڑھا پایا یا ہو اور سلطان اسلام عادل، تحصیل زر کے لئے علماء مسلمین پر بے جا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن کئی ظلمات ہیں قاضی مذکور جیسے امام کے پیچھے بلا وجہ شرعی نماز ترک کرنا، تفریق جماعت یا ترک جماعت ہے اور دونوں حرام

ناجائز (فتاویٰ رضویہ جز ۱۰ صفحہ ۳۰۸ مکتبہ رضویہ کراچی)

(بے علم کے وعظ کے متعلق اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں)

الجواب: اگر عالم ہو تو اس کا یہ منصب اور جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں وہ جتنا

سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا (واللہ اعلم)

(اعلیٰ حضرت بیعت کی شرط کے متعلق فرماتے ہیں) بیعت اس شخص سے کرنا چاہیے

جس میں یہ باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہوگی۔

اولیٰ صیح العقیدہ ہو (۲) کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی امداد کے اپنی ضروریات کے

مسائل کتاب سے خود نکال سکے (۳) اسکا سلسلہ آنحضرت کریم ﷺ تک متصل ہو کہیں

منقطع نہ ہو (۴) فاسق معلن نہ ہو (المملو ظ ص ۵۳۳ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے خود نیک صالح ہونا ضروری نہیں ہے۔ امام علامہ ابو بکر

احمد بن علی رازی جصاص حنفی متونی ۳۷۰ھ فرماتے ہیں

قرآن مجید اور نبی ﷺ کی احادیث سے ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے اور جب بعض لوگ اس فرض کو ادا کر لیں تو پھر باقیوں سے

ساقط ہو جاتا ہے اور اس فرض کی دائیگی میں نیک اور بد کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی

شخص کسی ایک فرض کو ترک کر دے تو اس کی وجہ سے باقی فرائض اس سے ساقط نہیں ہوتے

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھے تو اس سے روزہ اور دیگر عبادات کی فرضیت

ساقط نہیں ہوتی اسی طرح جو شخص تمام نیکیاں نہ کرے اور کسی برائی سے نہ روکے تو اس سے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں صحابہ کی

ایک جماعت حاضر ہوئی ، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ بتائیے کہ اگر ہم تمام نیکیوں پر عمل کر لیں حتیٰ کہ کوئی نیکی باقی نہ بچے مگر ہم نے اس پر عمل کر لیا ہو اور تمام برائیوں سے بچیں اور دور رہیں حتیٰ کہ کوئی برائی نہ بچے مگر ہم اس سے رک چکے ہوں تو کیا اس وقت ہمارے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے کی اجازت ہے آپ نے فرمایا نیکیوں کا حکم دو خواہ تم نے نیکیوں پر عمل نہ کیا ہو اور برائی سے روکو خواہ تم برائی سے نہ رکے ہو۔

نبی کریم ﷺ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کو باقی تمام فرائض کی ادائیگی کے مساوی اور برابر قرار دیا ہے جس طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود دیگر فرائض کا ادا کرنا ساقط نہیں ہوتا اسی طرح بعض واجبات میں تنکیر کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔

(ہتھیاروں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فتنہ کہنے کا بطلان)

علماء امت میں سے صرف ایک جاہل قوم نے یہ کہا کہ باغی جماعت سے قتال نہ کیا جائے اور ہتھیاروں کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کیا جائے انہوں نے کہا جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پڑے تو یہ فتنہ ہے حالانکہ قرآن مجید میں ہے **فقاتلو الّٰتی تبغی حتیٰ تقمّی الی امر اللّٰہ = جو جماعت بغاوت کرے اس سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔**

ان لوگوں نے کہا سلطان کے ظلم اور جور و جفا پر انکار نہ کیا جائے البتہ سلطان وقت کا غیر اگر برائی کرے اسکو قول۔ کلام سے منع کیا جائے اور بغیر ہتھیار کے ہاتھ سے منع کیا جائے یہ لوگ بدترین امت ہیں۔ حضرت امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری

رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم یا ظالم امیر کے سامنے کلمہ حق کہا جائے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور اس کی پاداش میں اس کو قتل کر دیا گیا (احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۳-۳۰ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

(کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہ کیا جائے)

کسی شخص سے دوستی اور محبت کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہ کرنا چاہیے نہ کسی شخص کے نزدیک قدر و منزلت بڑھانے اور اس سے فائدہ طلب کرنے کے لئے (مداہنت) (بے جا نرمی) اور دنیاوی مفاد کے لئے نہی عن المنکر کو ترک نہ کرنا چاہیے) کیونکہ کسی شخص سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اور اس کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو آخرت کی فلاح کی ہدایت دی جائے اور اس کو آخرت کے عذاب سے بچایا جائے اور کسی انسان کا سچا دوست وہی ہے جو اس کے لئے آخرت کی بھلائی کی سستی کرے اور اگر وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں تقصیر کر رہا ہو تو اسے ان فرائض کی ادائیگی کا حکم دے اور اگر وہ کسی برائی کا ارتکاب کر رہا ہو تو اس کو برائی سے روکے

(امر بالمعروف میں ملامت کو اختیار کیا جائے)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی اور ملامت کو اختیار کرنا چاہیے تاکہ وہ موثر ہو امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو تنہائی میں نصیحت کی اس نے خیر خواہی کی اور جس نے کسی شخص کو لوگوں کے سامنے نصیحت کی اور ملامت کی اس نے اس کو

شرمندہ اور رسوا کیا۔

اگر کسی برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے سے ملکی قوانین کو اپنے ہاتھوں میں لینا لازم نہیں آتا تو اس برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹایا جائے ورنہ زبان سے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے اور اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اس برائی کو دل سے ناپسند کرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکام اور ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹائیں مثلاً قاتل کو قصاص میں قتل کریں اور چور کا ہاتھ کاٹیں، زانی کو کوڑے لگائیں یا رجم کریں اسی طرح دیگر حدود الہیہ جاری کریں اور علماء پر لازم ہے کہ وہ زبان سے برائی کی مذمت کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں اور عوام کو چاہیے کہ وہ ہر برائی کو دل سے برا جانیں لیکن صحیح یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے ظلم اور زیادتی ہو اس کو حسب مقدور مٹانے کی کوشش کرے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے اور انہوں نے واضح دلائل آجانے کے باوجود اختلاف کیا اور وہی لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس سے بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے۔ جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا (سواب تم عذاب کا مزہ چکھو) اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا

آل عمران آیت ۱۰۸-۱۰۵)

بنی اسرائیل کے اختلاف کی مذمت کا سبب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم ان اہل کتاب کی مانند نہ ہو جانا جو پہلے ایک متحدہ جماعت تھے اور بعد میں بہت سے فرقوں میں بٹ گئے، حالانکہ ان کے پاس واضح دلائل آچکے تھے جو ان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتے، اگر وہ ان کی اتباع کر لیتے، اور اس تفرقہ کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دیا تھا اس وجہ سے وہ دنیا اور آخرت میں عذابِ عظیم کے مستحق ہو گئے، دنیا میں عذاب یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے خوف میں مبتلا تھے اور مختلف جنگوں میں ان کو ذلت اور رسوائی کا سامنا ہوتا تھا اور آخرت کا عذاب یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے

لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داود و عیسیٰ ابن مریم
ذالک بما عصوا و کانوا یعتدون - کانوا لا یتناہون عن منکر فعلوہ
لبس ما کانوا یفعلون ۝

ترجمہ: بنی اسرائیل میں جنہوں نے کفر کیا ان پر داود اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی تھی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کی تھی۔ یقیناً بہت برا کام کرتے تھے (سورۃ المائدہ ص ۷۹-۷۸)

تفسیر: کفار پر یہ وعید اس لئے کی گئی ہے کہ وہ دین کے اصول اور عقائد میں اختلاف کرتے تھے، اپنی نفسانی خواہشات اور من مانی حرص و آرز کے مطابق عقائد کو ڈھال لیتے تھے لیکن فروعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف پر یہ وعید نہیں ہے، جیسے ائمہ اربعہ کے

فروعی مسائل میں مختلف مذہب ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات کے متعدد معانی ہوتے ہیں جیسے قرء کے معنی حیض اور طہر اور نبی کریم ﷺ کے عبادت کے مختلف طریقے مروی ہیں جیسے آپ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں رفع یدین کیا اور اس کو ترک بھی کیا۔ اسی طرح قرأت خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ = اور احادیث مبارکہ کے ثبوت میں بھی اختلاف ہوتا ہے، راویوں کے ضعف اور قوت کے لحاظ سے بھی اختلاف ہوتا ہے اس لئے ایک حدیث ایک امام کے نزدیک مقبول ہوتی ہے اور دوسرے امام کے نزدیک وہی حدیث مقبول نہیں ہوتی ہے مثلاً ابو عبیدہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا فقہاء احناف کے نزدیک اپنے والد حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے سماع ثابت ہے اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک یہ سماع ثابت نہیں ہے لہذا ابو عبیدہ کی اپنے والد سے روایات احناف کے نزدیک متصل اور قبول ہوگی اور ائمہ شافعیہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگی، سو اسی طرح آیات کے معانی نبی کریم ﷺ کے افعال اور ثبوت روایات میں اختلاف کی وجہ سے مجتہدین کا فروعی مسائل میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف جائز اور رحمت کا سبب ہے اور اس میں اس کے لئے وسعت و آسانی ہے اور بنی اسرائیل کا اختلاف اس نوعیت کا نہیں تھا وہ دین کے اصول و عقائد میں اپنی نفسانیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے) جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا لو اب تم عذاب کا مزہ چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۶-۱۰۷) اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں کفار اہل کتاب کو عذاب

کی وعید سنائی گئی اس آیت میں اس عذاب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن مسلمانوں کے چہرے سفید، روشن اور مسرور ہوں گے جیسا کہ اس آیت میں ہے (وجوہ یومئذناضرة الی ربھاناظرۃ)

ترجمہ: کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوئے (سورۃ القیامت) کفار پر عذاب کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنے انعام و اکرام کا بیان فرمایا کیونکہ کسی شخص کے دشمنوں پر انعام بھی اس شخص کے حق میں عذاب کا موجب ہوتا ہے پھر ان پر صراحتہ عذاب کا بیان فرمایا۔ قیامت کے دن مومنوں اور کافروں کی وہ علامات جن سے وہ پہچان لئے جائیں گے آیت مبارکہ ہے وَجُوہٌ یَوْمَئِذٍ بِاسْرَةٍ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِہَا فَاِقْرَةٌ (القیامتہ - آیت ۲۴-۲۵)

ترجمہ: اور کتنے ہی چہرے مڑجھائے ہوئے ہوں گے یہ دیکھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائے گا۔ نیز دوسری آیت مبارکہ ہے = وَجُوہٌ یَوْمَئِذٍ مُّسْفَرَةٌ ضَا حِکَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَجُوہٌ یَوْمَئِذٍ عَلَیْہَا غَبْرَةٌ تَرْهَقُہَا قِطْرَةٌ اَوْلَئِکَ ہُمُ الْکٰفِرَةُ الْفَجْرَةُ (۳۲-۳۸)

ترجمہ: اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے، مسکراتے ہوئے، ہشاش بشاش ہوں گے اور کئی چہرے اس دن خاک آلود ہوں گے اسپر سیاہی چھائی ہوگی، وہی لوگ کافر بدکار ہیں۔ مزید اور آیت مبارکہ مفصلہ ہے = لِلَّذِیۡنَ اَحْسَنُوۡا الْحَسَنٰی وَزِیَادَةٌ وَّلَا یُرْهَقُوۡا وَوَجُوہُہُمۡ قَطْرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ اَوْلَئِکَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ ہُمۡ فِیْہَا خٰلِدُوۡنَ - وَالَّذِیۡنَ کَسَبُوۡا السَّیِّئٰتِ جَزَاؤُہُمۡ سَیِّئَةٌ بِمِثْلِہَا وَّلَا تَرْهَقُہُمۡ ذِلَّةٌ مَّا لَہُمۡ مِنَ اللّٰہِ مِنْ عٰصِمٍ کَانَمَّا اُغْشِیَّتْ وَجُوہُہُمۡ قِطْعًا مِّنَ الْیَلِّ مُظْلِمًا اَوْلَئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ

ہم فیہا خالدون (سورۃ یونس آیت ۲۶-۲۷)

ترجمہ جن لوگوں نے نیک کام کئے ان کے لئے اچھی جزا ہے اور اس سے بھی زیادہ، اور ان کے چہروں پر سیاہی چھائے گی نہ ذلت وہی جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہوں نے برے کام کئے تو برائی کی سزا اسی کی مثل ہوگی - ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا - گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپے ہوئے ہوں گے وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

علاوہ اسی طرح کی آیت مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میدان حشر میں کفار کی علامتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا **يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَ الْاِقْدَامِ** (سورۃ الرحمن آیت ۴۱)

ترجمہ اس دن مجرم اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا **فَاَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ مَا اصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ وَ اصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ مَا اصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ** (سورہ واقعہ آیت ۸-۹)

ترجمہ تو دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے کیسے برے ہیں بائیں طرف والے

(حوض پر وارد ہونے والے مرتدین کے متعلق علم رسالت اور بحث و نظر =

مذکورہ آیات سے صاف واضح ہوا کہ میدان حشر میں کفار کے چہرے سیاہ اور مرجھائے ہوئے ہوں گے ان کو ذلت و رسوائی نے گھیرا ہوا ہوگا اور ان کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہوگا - اور اس کے برخلاف مومنوں کے چہرے سفید، روشن، تروتازہ اور ہشاش بشاش ہوں گے اور ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور ان علامات کی وجہ سے

کفار پہچانے جائیں گے جیسا کہ سورہ رحمن میں ہے اور ان علامات سے میدان حشر میں موجود ہر شخص کو علم ہو جائے گا کہ کون مومن ہے اور کون کافر ہے؟

حیرت در ورطہ حیرت = اس بحث کے ضمن میں حیرت ہے کہ شیخ اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ کو بعض مرتدین کے متعلق یہ علم نہ تھا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں چنانچہ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں - حدیث شریف میں ہے کہ بعض امتیوں کی نسبت قیامت کے دن آنحضرت کریم ﷺ سے کہا جائے گا -

انک لا تدری ما احدثوا بعدک آپ از خود نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا تبدیلیاں کیں) اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے بعض ازمنہ تک بھی کہ آخر عمر میں بہت متاخر ہے آپ پر بعض کو نیات ظاہر نہیں ہوئے نہ بالذات نہ بالعطاء کیونکہ بالعطاء کے بعد آپ ان کو نہ بلا تے صریح اطلاع کے بعد سحقا سحقا فرمایا - (حفظ الایمان ص ۷۱ مکتبہ تھانوی کراچی)

اسکی تفصیل یہ ہے کہ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت حوض پر آئے گی اور میں اسوقت دوسرے لوگوں کو حوض سے روک رہا ہوں گا، جیسے کوئی شخص اپنے حوض سے پرانے اونٹوں کو دور کرتا ہے، صحابہ نے پوچھا یا نبی اللہ! آپ ہم کو پہچان لیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں پہچان لوں گا کیونکہ تمہاری ایک ایسی نشانی ہوگی جو کسی امت میں نہیں ہوگی - تم جس وقت میرے پاس حوض پر آؤ گے تو تمہارے چہرے اور ہاتھ، پاؤں آثار وضو کی وجہ سے سفید اور چمکدار ہوں گے، اور تم میں سے ایک گروہ کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا پس وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے، میں کہوں گا اے میرے رب یہ میرے صحابہ

ہیں پھر مجھے ایک فرشتہ جواب دے گا کیا آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں نئی نئی باتیں نکالی تھیں) ایک روایت میں ہے کہ آپ سے کہا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے وصال کے بعد دین بدل لیا تھا) پھر میں کہوں گا دور ہو جاؤ - دور ہو جاؤ (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ ۱۳۷۵ھ)

بعض لوگ نبی کریم ﷺ کے علم کلی کا انکار کرتے ہیں وہ اس حدیث سے آپ کے علم کی نفی پر استدلال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم کلی ہوتا تو آپ حوض پر آنے والے مرتدین کو اصحابی نہ فرماتے = الجواب اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا انہیں اصحابی فرمانا عدم علم کی وجہ سے نہ ہے بلکہ اس لئے ہے کہ پہلے ان کو یہ امید ہو کہ ان کو پانی ملے گا اور پھر جب ان کو حوض سے دور کیا جائے گا اور ان کی امید ٹوٹے گی تو ان کو زیادہ عذاب ہوگا دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصحابی سے پہلے ہمزہ استفہام کا عبارت میں محذوف ہو، یعنی کیا یہ میری اصحابی ہیں؟ جن کے چہرے سیاہ، اعمال نامے بائیں ہاتھ میں، آنکھیں نیلی، چہرے تاریک اور مرجھائے ہوئے ہیں - یہ میرے صحابہ ہیں؟ میرے صحابہ کے تو چہرے اور ہاتھ پیر سفید اور روشن ہیں، ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ہیں اور ان کے چہرے کھلے ہوئے اور شاداب ہیں - قرآن مجید اور احادیث میں مومنوں اور کافروں کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں کہ ان کے چہرے سیاہ اور اعمال نامے بائیں ہاتھ میں ہوں گے، ان علامتوں سے میدان محشر میں موجود ہر شخص کو علم ہوگا کہ مومن کون ہے اور کافر کون ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ علم نہ ہو کون آپ کا صحابی ہے اور کون نہیں ہے - علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ پر دنیا میں امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں - سو آپ کو علم ہے کہ کون ایمان پر قائم ہے اور کون مرتد ہو گیا ہے اور سب سے

بڑھ کر یہ کہ آپ تو دنیا میں بیان فرما رہے ہیں کہ میرے حوض پر ایسے ایسے لوگ آئیں گے
 سو آخرت کا علم تو دور کی بات ہے۔ آپ نے تو دنیا میں ہی اپنے علم کی وسعت کا اظہار فرما دیا ہے
 شیخ علامہ شبیر احمد عثمانی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

امام بزار نے سند جید کے ساتھ اپنی مسند میں روایت کیا ہے میری حیات بھی تمہارے
 لئے خیر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لئے خیر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے
 ہیں، سو جو اچھے اعمال ہوں میں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو برے اعمال ہوں میں ان پر
 تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں، اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو علم ہو کہ حوض پر آنے
 والے یہ لوگ مرتد ہو چکے تھے اور صحیح مسلم کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ علم نہیں
 تھا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں۔ شیخ شبیر احمد عثمانی متونی ۱۳۶۹ھ بعض دیگر علماء کے جوابات نقل
 کرنے کے بعد اپنی تحقیق لکھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ مسند بزار کی حدیث کے سیاق سے یہ
 معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر امت اجابت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور ارتداد
 سے وہ شخص امت اجابت سے خارج ہو جاتا ہے، پس ہو سکتا ہے کہ اسکے اعمال آپ پر پیش
 نہ کئے جاتے ہوں، نیز اس حدیث میں ہے جو اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں وہ اچھے
 اعمال ہوتے ہیں، جن پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں یا وہ برے اعمال ہوتے ہیں جن
 پر آپ استغفار کرتے ہیں اور ارتداد نہ لائق حمد ہے نہ لائق استغفار (فتح الملہم جلد ۱ ص ۴۳
 مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی) شیخ عثمانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان لوگوں
 کے مرتد ہونے کا علم نہیں ہوا اس لئے آپ نے ان کو میدان محشر میں نہیں پہچانا، اور ان کو
 اپنا صحابی گمان کیا = ہمارے نزدیک شیخ عثمانی کا کہنا صحیح نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ اس حدیث کا
 مضمحل یہ ہے کہ جو اعمال لائق استغفار ہوں میں ان پر استغفار کرتا ہوں اور جو لائق استغفار نہ

ہوں آپ ان پر استغفار نہیں کرتے اور ارتداد لائق استغفار نہیں ہے، لیکن ان کا لائق استغفار نہ ہونا اس عمل کے پیش کئے جانے، کے منافی نہیں ہے۔

باقی رہا شیخ عثمانی کا یہ کہنا کہ آپ کی امت اجابت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور ارتداد کی وجہ سے وہ آپ کی امت سے خارج ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ ارتداد کے بعد وہ آپ کی امت سے خارج ہوا اس لئے ارتداد کے بعد اسکے اعمال پیش نہیں کئے جائیں گے لیکن ارتداد سے پہلے تو وہ آپ کی امت میں تھا اور جب اس نے ارتداد کا برا عمل کیا تو وہ آپ پر پیش کیا گیا کہ آپ کے فلاں امتی نے یہ برا عمل کیا ہے اسکی وجہ سے وہ آپ کی امت سے خارج ہو گیا، نیز کسی چیز کا علم اس کی ضد کے علم کو مستلزم ہوتا ہے، مثلاً دن کا علم رات کے علم کو مستلزم ہے کہ جو وقت دن کی طرح نہیں ہوگا وہ رات ہوگا اسی طرح اسلام کا علم کفر کے علم کو مستلزم ہے کہ جو عقیدہ اسلام کی طرح نہیں ہوگا وہ کفر ہوگا تو جب نبی کریم ﷺ کو آپ کی تمام امت دکھادی گئی تو آپ نے جان لیا کہ جو لوگ آپ کو نہیں دکھائے گئے وہ آپ کی امت نہیں ہیں۔ تو جب شیخ عثمانی کے بقول یہ مرتدین آپ پر پیش نہیں کئے گئے اور ان کے اعمال آپ کو نہیں دکھائے گئے تو آپ نے جان لیا کہ یہ آپ کے امتی نہیں ہیں تو آپ کو علم ہو گیا، رہا یہ کہ پھر آپ نے ان کو اصحابی کیوں کہا تو اس کا جواب ہے کہ آپ کا فرمانا یا تو بطور استفہام تھا یا ان میں مزید حسرت، افسوس اور عذاب واقع کرنے کے لئے تھا۔ اس حدیث کی بنا پر بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کے علم کلی پر جو اعتراض کرتے ہیں اسکے مزید جوابات اور سیر حاصل بحث کتب مطالعہ میں درج ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اللہ کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تمام چیزیں لوٹائی جائیں گی (آل عمران آیت ۱۰۹)

(عذاب کا عدل اور ثواب کا فضل ہونا)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا (اور اللہ جہان والوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل فرمائی ہے کیونکہ ظلم کا معنی ہے غیر کی ملک میں تصرف کرنا اور کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے وہ اس کا ظلم نہیں ہے، بلکہ اگر اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کو اٹھا کر کے جہنم میں ڈال دے تو یہ اس کا ظلم نہیں ہے کیونکہ وہ مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ اس نے اپنے فضل و کرم سے نیک لوگوں کو اجر و ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے اسی لئے اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ نیک لوگوں کو ثواب دینا اللہ کا فضل ہے اور برے لوگوں کو عذاب دینا اس کا عدل ہے

امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں؟ آنحضرت کریم ﷺ نے فرمایا مجھ کو بھی نہیں ماسوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ لیکن تم درست اور صحیح کام کرتے رہو (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۷۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ) یعنی اعمال بحسب الذات نجات اور ثواب کا تقاضا نہیں کرتے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اعمال صالحہ کو ثواب کی علامت بنا دیا ہے نیز تمام انسان اور ان کے اعمال اللہ کے پیدا کرنے سے ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔ وہ جو چاہے ان کے ساتھ معاملہ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے ہاں البتہ اس حدیث مذکور پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ

قرآن مجید کی آیت کریمہ ہے ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون =

ترجمہ: اپنے اعمال کے سبب سے تم جنت میں داخل ہو جاؤ، (سورۃ النحل: ۳۲)

اس آیت سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کے سبب سے نجات ہوگی اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے: اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی مجمل ہے اور حدیث پاک نے اسکی تفسیر کر دی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے جو تم نے نیک عمل کئے اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ نہ یہ کہ تم محض ان اعمال کی وجہ سے دخول جنت کے مستحق ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں دخول نیک اعمال کی وجہ سے ہے لیکن نیک اعمال کی ہدایت دینا اور ان کا قبول فرمانا محض اللہ کے فضل سے ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ جنت کے دخول کے دو سبب ہیں ایک صورۃ اور دوسرا حقیقۃ۔ صورۃ سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقۃ سبب اللہ کا فضل ہے اس آیت میں سبب صوری بیان فرمایا ہے اور حدیث میں سبب حقیقی بیان فرمایا ہے (تفسیر تبیان القرآن جلد ۲)

بحث دوم

كنتم خير امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر

وتؤمنون بالله

ترجمہ: جو امتیں لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہیں تم ان سب میں بہترین امت ہو۔ تم نیکی

کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(ربط آیات، مناسبت اور شان نزول)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے، جن کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہی پر رہنے دے، پھر اس امت کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو تم کو جبلۃً و فطرۃً سب سے بہتر بنایا کیونکہ تم تمام لوگوں کو نیکی کی ہدایت دیتے ہو اور ان کو برائی سے روکتے ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین سے فرمایا تھا کہ تم اہل کتاب کی طرح سرکش اور نافرمان نہ ہو جانا پھر ان کو نیکی اور اطاعت شعاری پر برا بیچتے کرنے کے لئے آخرت میں مومنوں کی سرخ روئی اور ان کے درجات کو بیان فرمایا۔ اور کافروں کی روسیاہی اور انکے عذاب کو بیان فرمایا اور اب ایک اور طریقہ سے مومنوں کو نیکی اور اطاعت شعاری کی ترغیب دی ہے اسلئے فرمایا تم بہترین امت ہو یعنی تم لوح محفوظ میں سب سے بہتر اور سب سے افضل امت ہو اس لئے مناسب یہ ہے کہ تم اپنی اس فضیلت کو ضائع نہ کرو اور اپنی اس سیرت محمودہ کو زائل نہ کرو۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت میں امت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی، حضرت سدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس آیت مبارکہ سے خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب مراد ہیں اور جو مسلمان ان کے طریقہ پر گامزن ہوں۔

بہرہ بن حکم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو تم نے ستر امتوں کو پورا کر دیا تم ان کے آخر میں ہو اور تم اللہ کے نزدیک سب سے مکرم ہو۔ حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کعبہ تریفہ سے ٹھیک لگائے ہوئے تھے آپ نے فرمایا ہم قیامت کے دن ستر امتوں کو پورا کریں گے ہم ستر امتوں میں سب سے آخر میں ہیں اور سب سے بہتر ہیں (جامع البیان جلد ۴ ص ۳۰ مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۱۳۸۹ھ)

تمام امتوں سے افضل امت ہونے کا مدار

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو یہ خبر دی ہے کہ وہ اس وقت امتوں سے افضل ہے اور جب تک یہ امت نیکی کا حکم دیتی رہے گی اور برائی سے روکتی رہے گی اور اللہ پر صحیح، صادق اور کامل ایمان رکھے گی اس وقت تک یہ امت تمام امتوں سے افضل ہی رہے گی۔ اس آیت میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ایمان پر مقدم کیا اس لئے کہ ان میں دو وصفوں کی وجہ سے مسلمانوں کو دوسروں پر فضیلت ہے کیونکہ ایمان کا تو دوسری قومیں بھی دعویٰ کرتی ہیں لیکن دوسری امتوں نے ایمان کی حقیقت کو بگاڑ دیا تھا اور ان میں شر اور فساد غالب آچکا تھا اس لئے ان کا ایمان صحیح نہیں تھا اور وہ نیکی کا حکم دیتے تھے نہ برائی سے روکتے تھے۔

(صحیح - صادق اور کامل ایمان کا معیار)

اللہ تعالیٰ نے جس صحیح، صادق اور کامل ایمان لانے کا حکم دیا ہے اس کا معیار اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے (إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ

ترجمہ : ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے شک نہ کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں
(سورۃ الحجرات آیت ۱۵)

دوسری آیت کریمہ ہے **إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّت قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ** (سورۃ الانفال آیت ۲)

ترجمہ : ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیں اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کریں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا تب صحیح ہوگا جب ہر اس چیز پر ایمان لایا جائے جس پر ایمان لانا ضروری ہے مثلاً آسمانی کتابوں پر، فرشتوں پر، تمام نبیوں پر، تقدیر پر، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر، حساب و کتاب پر، جزا و سزا پر، اور جو شخص ان میں سے بعض پر ایمان لایا اور بعض پر ایمان نہیں لایا تو اس کا ایمان صحیح نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا = (آیت کریمہ)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا (سورۃ النساء آیت)

ترجمہ : بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان جدائی کا ارادہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر نہیں لاتے اور وہ کفر اور ایمان کا درمیانی راستہ بتانے کا ارادہ کرتے ہیں حقیقت میں وہی لوگ کافر ہیں۔

تفصیل: نیز اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا۔ ان میں بعض مومن ہیں اور اکثر کافر ہیں اسکی وجہ یہی تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان نہیں لاتے تھے اور قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے اور سیدنا محمد کریم ﷺ کے رسول ہونے کا انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کو خوف تھا کہ اگر انہوں نے سیدنا محمد کریم ﷺ کی رسالت کو مان لیا تو ان کی ریاست جاتی رہے گی اور یہ یہودی عوام جو ان کی اتباع کرتے ہیں وہ ان کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے اور دنیاوی مال مزید نذرانے ملنے بند ہو جائیں گے حالانکہ اگر وہ اسلام قبول کر لیتے تو دنیا میں بھی انکی عزت و کرامت زیادہ ہوتی اور وہ آخرت میں بھی اجر عظیم کے مستحق ہوتے۔ یہ ایمان صحیح کا معیار ہے اور ایمان صادق کا معیار یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان کو بے دریغ خرچ کریں تاکہ ان کا دعویٰ ایمان صادق ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَحْسِبَ النَّاسَ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَقُوْلُوْا اٰمِنًا وَّهُمْ لَا يَفْتَنُوْنَ (سورۃ عنکبوت آیت ۲)

ترجمہ: کیا لوگوں کا یہ گمان ہے کہ وہ اس کہنے پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔۔۔۔۔ اور ایمان کامل کا یہ معیار ہے کہ تمام فرائض و واجبات کو دوام اور التزام کے ساتھ ادا کیا جائے اور کسی فرض اور واجب کو ترک نہ کیا جائے اور حتی الامکان تمام سنن اور مستحبات کو ادا کیا جائے اور کسی حرام اور مکروہ تحریمی کا کبھی بھی ارتکاب نہ کیا جائے اور ہر قسم کے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی کاموں سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے اور اگر تقاضائے بشریت سے کبھی کوئی فرض یا واجب رہ جائے تو فوراً اسکی قضا کر لی جائے اور اگر غلبہ نفسانیت سے کبھی حرام یا مکروہ تحریمی کا ارتکاب

ہو جائے تو اس پر فوراً توبہ کر لی جائے۔ چنانچہ تاریخ کا واقعہ ہے حضرت عمر بن عبد العزیز نے عدی بن عدی کی طرف لکھا کہ ایمان کے فرائض اور شرائع ہیں اس کے حدود اور سنن ہیں جس نے ان کو مکمل کر لیا اس کا ایمان کامل ہو گیا اور جس نے ان کو مکمل نہیں کیا اس کا ایمان کامل نہیں ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو ایذا نہ ہو مسلمان محفوظ رہیں اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو ترک کر دے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (صحیح بخاری شریف جلد ۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اکرم ﷺ ہر خطبہ میں یہ فرماتے تھے جو شخص امانت دار نہیں وہ (کامل) مومن نہیں اور جو شخص عہد پورا نہ کرے اس کا دین (کامل) نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص بہت طعنے دیتا ہو بہت اعنت کرتا ہو بدزبانی اور بے حیائی کی باتیں کرتا ہو وہ (کامل) مومن نہیں ہے۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص (کامل) مومن نہیں جو رات کو پیٹ بھر کر کھانا کھائے یعنی عیش و عشرت سے کشادہ اور بے فکر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رات گزارے یہ کہ رات کھانے کی کوئی شے بوجہ تنگ دستی و غربت میسر نہ آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پر صحیح ایمان یہ ہے کہ ان تمام امور میں پورا ایمان لائے اور یہ ایمان لانا ضروری ہے اور صادق ایمان یہ ہے کہ اسکے دل میں اس کے خلاف شک نہ آئے وہ اللہ سے ڈرتا رہے اور اللہ کی راہ میں جان و مال کو بے دریغ خرچ کرے اور کامل ایمان یہ ہے کہ تمام فرائض و واجبات پر دائماً عمل کرے، سنن اور مستحبات پر بھی عامل ہو، حرام اور مکروہ تحریمی سے دائماً مجتنب رہے اور مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ سے بچتا رہے اور اس درجہ کے ساتھ جو مسلمان بھی نیکی کا حکم دیتے رہیں گے اور برائی سے روکتے رہیں گے وہ تمام امتوں میں بہترین امت ہونے کے مصداق ہیں

رزقنا اللہ تعالیٰ عملاً صالحاً وخیراً کثیراً و اللہ ذو الفضل
العظیم ما شاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم
وصلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ محمد ن کریم و علی آلہ
واصحابہ و عترتہ اجمعین

امر بالمعروف: ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة

وجادلهم بالتي هي احسن ان ربك هو اعلم بمن ضل عن سبيله وهو اعلم بالمهتدين (پ: ۱۴، سورة النحل ۲۲، آیت: ۱۲۵)

ترجمہ: اے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام، دعوت دو لوگوں کو اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے اور ان سے بحث و مناظرہ اس انداز سے کیجئے جو بڑا پسندیدہ اور شائستہ ہو، بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے اسے جو بھٹک گیا اس کے راستے سے۔

آیہ مبارکہ میں اس حقیقت حال کو ظاہر کیا جا رہا ہے کہ ایک داعی اور مبلغ کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ حکیمانہ انداز سے خلق خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہو کر تبلیغ کرے کیونکہ تالیف قلوب کے رنگ میں لوگ نصائح قبول کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

عن انس قال کان النبی ﷺ اذا تکلم بکلمة اعادها ثلاثاً حتى تفهم عنه (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی، جب کسی بات اور معاملہ میں عمدہ موعظہ حسنہ کا حکم فرماتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے یہاں تک کہ وہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی۔

مقصد یہ کہ بعض اوقات، جب کہ نئے لوگ اور لغات مختلفہ کے لوگ شریک مجلس وعظ نبی کریم ﷺ ہوتے اور ان کے سمجھانے کی ضرورت محسوس ہوتی، تو آپ گاہے تین مرتبہ تک مسئلہ دہراتے تاکہ ابہام اٹھ جائے کیونکہ بیان سے مقصود لوگوں کے دلوں میں بات اتارنا ہوتی ہے تو دیکھا جاتا ہے کہ سامعین کیسے لوگ ہیں: ان کے فکر و طرز کے مطابق ڈھلاؤ

ضروری ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

كَانَ كَلَامُهُ كَلَامًا فَصَلًا فَيَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ يَسْمَعُهُ يَعْنِي أَنَّ كَلَامَ وَبَيَانَ انْتِهَائِي صَافٍ أَوْ رَاضِحٍ هُوَ تَأْتِيهِ جَوْنَتًا نَحْوِي سَمَّحًا تَأْتِيهِ -

قال علي رضي الله عنه الفقيه كل الفقيه من لم يقنط من رحمة الله ولم يرخص لهم معاصي الله ولم يؤمنهم من عذاب الله
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بہترین صاحب فکر صحیح وہ عالم ہے جو اپنی تقریر و وعظ سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اور نہ ہی اللہ کی نافرمانیوں میں انہیں رخصت دیتا ہے اور نہ ہی عذاب خداوندی سے انہیں بے خوف بناتا ہے

حاصل مقصد یہ کہ اصحاب منبر کو چاہیے، وہ ایسے انداز میں لوگوں سے بیان مسائل اور وعظ کریں، جس میں دونوں پہلو ہوں، یعنی موعظت و حکمت اور موعظت حسنہ کا رنگ غالب رہے تاکہ سامعین اپنی نجات اور رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہو جائیں، بلکہ ترغیبات اعمال صالحہ کے رنگ میں اللہ کی رحمتوں اور نعمتوں کی مزید سے مزید امید دلائے اور اعمال فاسقہ میں خوف مواخذہ دلائے تاکہ لوگ فسق و فجور میں جبری نہ ہو جائیں، بلکہ زیادہ ترغیب عبادات کی دلائے تاکہ لوگ ایک راہ عمل پر گامزن ہونے کی طرح پکڑتے رہیں۔ قال النبی ﷺ ان من اشد امتی لی حبا ناس یكونون بعدی یؤد احذہم لورانی باہلہ ومالہ

ترجمہ: میری امت میں سب سے زیادہ میرے ساتھ محبت کرنے والے وہ لوگ ہوں گے، جو بعد میں آئیں گے لیکن ان میں سے ہر ایک تمنا کرے گا کہ کاش وہ مجھے دیکھتا اپنے گھر والوں اور اپنے مال کے ساتھ۔

كان عبد الله بن مسعود رضی اللہ عنہ يذكر الناس في كل خميس فقال له رجل يا ابا عبد الرحمن لو ودت انك ذكرتنا في كل يوم فقال انه يمنعني من ذلك اني اكره ان املككم واني استحوولكم بالموعظة كما كان رسول الله ﷺ يتحوّلنا بها مخافة السامة علينا (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہفتہ میں صرف ایک دن پنج شنبہ جمعرات کے دن اجتماع کثیر میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے، ان میں سے ایک آدمی نے کہا، اے ابو عبد الرحمن: میری خواہش ہے کہ آپ ہم لوگوں کو ہر روز وعظ و نصیحت اور بیان مسائل فرمایا کریں۔ آپ نے جواب میں فرمایا مجھے ہر روز تقریر و وعظ سے ایک شے روکتی اور مانع ہے، وہ یہ کہ ہر دن کی مجلس اور وعظ سے تم لوگ اکتا جاؤ گے اور پیچھے ہٹ جاؤ گے اور میں تمہیں اکتانا نہیں چاہتا اور نفرت و انوبت نہیں لانا چاہتا میں کئی ناغے دے کر کچھ دنوں بعد لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا ہوں جیسا کہ نبی کریم ﷺ ناغے سے اور کئی کئی دن بعد وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور آپ اس لئے وقفے سے مجلس قائم فرماتے تاکہ لوگ اکتانہ جائیں۔ حضور اکرم ﷺ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے معمول اور طریقہ مسلوکہ سے واضح ہے کہ تبلیغ دین کرنے والے لوگوں کو کسی دوسرے کے ہر سوار نہیں ہونا چاہیے بلکہ انہیں لوگوں کی طرز و فکر اور حال کے مطابق مسائل بیان کرنے چاہئیں اور عالم دین کو اس کسان کی مانند عمل اپنانا چاہیے جو بارش کے انتظار میں ہوتا ہے جس وقت بارش بر سے فوراً زمین کو تیار کرنے لگ جاتا ہے، بہترین مواقع اور وقتی ضرورت کو ضائع نہ کیا جائے، بلکہ رفتار زمانہ کے ساتھ حکمت عملی سے علوم اور مسائل کی تشہیر کی جائے۔

خطب رسول اللہ ﷺ ذات یوم فائنی علی طوائف من المسلمین خیر اثم قال ما بال اقوام لا یتفقہون جیرانہم ولا یعلمونہم ولا

يعظونهم وما بال اقوام لا يتعلمون من جيرانهم ولا يتفقهون ولا يتعظون والله ليعلمن قوم جيرانهم ويفقهونهم ويامرונهم وينهونهم وليتعلمن قوم من جيرانهم ويتفقهون ويتعظون اولا عاجلنهم العقوبة ثم نزل فقال قوم من ترونه عنى بهولاء فقالوا لا شعريتین هم قوم فقهاء الاشعريين ولهم جيران حفاة من اهل المياة و الاعراب فبلغ ذلك الاشعريين فاتوا رسول الله قالوا يا رسول الله ذكرت قوما بخير وذكرتنا بشر مما بالنا فقال ليعلمن قوم جيرانهم وليعظنهم وليامرنهم ولينهونهم وليعلمن تعلمن قوم من جيرانهم ويتعظن ويتفقهن اولا عاجلنهم العقوبة فى الدنيا فقالوا يا رسول الله انظن غيرنا فاعاد قوله عليهم فاعادوا قولهم انظن غيرنا فقال ذلك ايضا فقالوا امهلنا سنة ليفقهوهم ويعظوهم ثم قرء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم هذه الاية لعن الذين كفروا من بنى اسرائيل على لسان داؤد الخ (پارہ ۶ سورہ مائدہ - رکوع ۱۴۷) (طبرانی)

ترجمہ: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا اور اسمیں کچھ مسلمانوں کی تعریف و ثنا کی، پھر فرمایا کیوں ایسا ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ پیدا نہیں کرتے اور انہیں دین کی تعلیم نہیں دیتے اور دین سے بالکل بے خبری کے عبرتناک نتائج انہیں نہیں بتاتے اور انہیں برے کاموں سے نہیں روکتے اور کیوں ایسا ہے کہ کچھ لوگ اپنے پڑوسیوں سے دین نہیں سیکھتے اور کوئی دینی سمجھ ان سے حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی دین نہ جاننے کے برے نتائج سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ خدا کی قسم، لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً تعلیم دین اور ان میں دینی سمجھ پیدا کریں، انہیں نصیحت کریں ان کو اچھی اور نفع مند باتیں بتائیں اور

ان کو بری باتوں سے روکیں۔ نیز لوگوں کو اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھنا ہوگا۔ دین کی سمجھ پیدا کرنی ہوگی اور ان کے وعظ و نصیحت کو قبول کرنا ہوگا، ورنہ میں انہیں بہت جلد سزا دوں گا، پھر آپ منبر سے اترے اور تقریر ختم فرمادی۔ سامعین میں سے کچھ لوگوں نے کہا: یہ کون لوگ تھے؟ جن کے خلاف آپ نے تقریر فرمائی ہے؟ دوسرے لوگوں نے بتایا کہ آپ کا روئے سخن قبیلہ اشعریہ کے لوگوں کی طرف تھا، یہ لوگ دین رکھتے ہیں اور ان کے پڑوس میں چشموں اور پہاڑیوں میں رہنے والے دیہاتی ان پڑھ لوگ ہیں، جب اس تقریر کی خبر اشعریوں تک پہنچی، تو وہ لوگ حضور اقدس ﷺ کے ہاں حاضر ہوئے۔ عرض کرنے لگے اے اللہ کے حبیب! آپ نے اپنی تقریر میں کچھ لوگوں کی تعریف فرمائی اور ہمارے قبیلہ پر غصہ کا اظہار فرمایا۔ ہم سے کونسا قصور سرزد ہوا؟ آپ نے فرمایا لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازمی طور پر دین کی تعلیم دیں، انہیں وعظ و نصیحت کریں، اچھی باتوں اور عمل صالح کی تلقین کریں، برائی سے روکیں، بدی کو نہ پھیلنے دیں، اسی طرح لوگوں کو اپنے پڑوسیوں سے دین حق سیکھنا ہوگا، دین کے مسائل پر عمل کرنا ہوگا، وعظ و نصیحت کو قبول کرنا اور اپنے میں پوری پوری سمجھ پیدا کرنا ہوگی ورنہ ان لوگوں کو جو دین کی راہ نہ چلائیں گے اور نہ خود چلیں گے، سخت سزا ملے گی۔ اس پر اشعریں نے عرض کیا اے اللہ کے حبیب! کیا دوسروں کو تعلیم دینا ہمارے ذمے لازم ہے۔ کیا دوسروں کو تعلیم دین اور تبلیغ احکام ہماری ذمہ داری ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! جتنا علم رکھتے ہو یہ تمہاری بھی ذمہ داری ہے، تو ان حضرات نے عرض کیا ہم کو ایک سال کی مہلت دیجئے آپ نے ان کو ایک سال کی مہلت فرمائی تاکہ اس مدت میں وہ اپنے گرد و نواح کے لوگوں میں بھی دین کی تعلیم اور سمجھ پیدا کریں۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ (نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی لَعْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (سورہ المائدہ- پارہ ۶، آیت ۷۸)

ہی عن المنکر عن النعمان بن بشیر قال رسول الله ﷺ مثل المدھن

فی حدود اللہ و الواقع فیہا مثل قوم استھموا سفینۃ فصار بعضهم فی
اسفلھا و صار بعضهم فی اعلاھا فكان الذی فی اسفلھا یمر بالماء
علی الذین فی اعلاھا فتأذوا بہ فاخذ فأسا فجعل ینقر اسفل السفینۃ
فاتوہ فقالوا مالک؟ قال تاذیتم بی ولا بدلی من الماء فان اخذوا علی
یدیہ انجوه و نجوا انفسہم وان ترکوہ اھلکوہ و اھلکوا انفسہم (بخاری)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص
جو اللہ کے احکام کو پامال کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور اسکو ٹوکتا نہیں ہے، بلکہ اس سے
رواداری برتا ہے۔ ان دونوں کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کچھ لوگوں نے ایک کشتی لی اور قرعہ
ڈالا۔ اس کشتی کے مختلف طبقات ہوں۔ کچھ لوگ اوپر کے حصہ میں بیٹھ جائیں اور کچھ نچلے
حصہ میں۔ نیچے جو لوگ بیٹھے تھے، وہ پانی کے لئے اوپر والوں سے گزرتے تھے تو اس سے
اوپر والوں کو تکلیف ہوتی۔ آخر کار نیچے کے لوگوں نے اوزار لیا اور کشتی کے پیندے اور تختے
کو سوراخ کرنے لگے، اوپر کے لوگ ان کے پاس آئے اور کہا تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے
کہا پانی کی ضرورت ہے اور سمندر سے پانی اوپر والی منزل پر جا کر ہی بھرا جا سکتا ہے۔ اور
تم ہمارے آنے جانے سے تکلیف محسوس کرتے ہو۔ تو ہم اب کشتی کے تختوں کو توڑ کر اس
سے پانی حاصل کریں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے یہ مثال بیان کر کے فرمایا اگر اوپر والے
نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیتے اور سوراخ کرنے سے روک دیتے تو انہیں بھی ڈوبنے سے بچاتے
اور خود بھی بچ جاتے اور اگر انہیں اس حرکت سے نہیں روکتے اور چشم پوشی اختیار کرتے ہیں،
تو انہیں بھی ڈوبیں اور غرق کریں گے اور خود بھی ڈوبیں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن سرور کائنات ﷺ ٹیک لگائے بیٹھے تھے، جلدی سے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، فرمانے لگے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم ضرور لوگوں کو نیکی و بھلائی کا حکم کرتے رہو گے اور برائیوں سے روکتے رہو گے اور ظالم کے دستِ ظلم و جفا کو پکڑتے رہو گے، اسکو حق پر جھکاؤ گے۔ اگر تم لوگ ایسا نہیں کرو گے تو تم سب کے دل بھی ان ہی طرح کے ہو جائیں گے اور پھر اللہ تم کو اپنی رحمت اور ہدایت سے دور پھینک دے گا، جس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ معاملہ کیا گیا۔

عن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یجاء بالرجل یوم القیامۃ فیلقی فی النار فتندلق اقتابہ فی النار فیطحن فیہا کطحن الحماز برحاہ فیجتمع اهل النار علیہ فیقولون ای فلان ما شانک ایس کنت تامرنا بالمعروف وتنہانا عن المنکر؟ قال کنت امرکم ولا اتیہ وانہاکم عن المنکر وایتہا (بخاری و مسلم)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز ایک آدمی کو میدان میں لایا جائے گا۔ اس کے بعد اسے آگ جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ اسکی انتڑیاں باہر نکل پڑیں گی۔ آگ میں اس طرح پھرے گا جیسے گدھا اپنی چکی میں پھرتا ہے دوسرے دوزخی اس کے گرد اکٹھے ہو کر پوچھیں گے اے فلاں تیرا یہ کیسا حال ہے کیا تو دنیا میں ہم کو نیکی کرنیکی تلقین دوعظ نہیں کرتا تھا اور برائیوں سے نہیں روکتا تھا۔ بڑے بڑے نیکیوں کے کام کرنے کے باوجود تم یہاں دوزخ میں کیسے پہنچ گئے؟ وہ جواب میں بڑی حسرت و ندامت اختیار کرتے ہوئے گرم آہیں بھر کر کہے گا کہ میں تم کو نیکیوں کی تلقین کرتا تھا۔ اور میں خود ان کے نزدیک نہیں جاتا تھا۔ برائیوں سے تم کو روکتا تھا اور پھر خود ہی برائیاں کرتا تھا۔

قال رسول الله ﷺ لا تقولن للمنافق سيدا فإنه ان يكن فقد اسخطتم ربكم (مشکوٰۃ)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کسی منافق کو سردار مت کہو، کیونکہ اگر ایسا ہوا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کیا۔ مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ ایسے آدمی کو جس کے قول و فعل میں تضاد ہو، دینی احکام سے روگردانی کرتا ہو اور احکام شریعت کی اہمیت نہ سمجھتا ہو اگر اسے سرداری کا سہرا دو گے، تو رب تعالیٰ کی ناراضگی کو دعوت دو گے۔

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب وكره ما لم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة (متفق عليه)

رسول خدا ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کو اجتماعی معاملات کے ذمہ دار کی بات سننا اور ماننا ضروری ہے چاہے وہ حکم تم کو پسند ہو یا تمہارے ناموافق ہو، بشرطیکہ وہ معصیت نہ ہو، البتہ جب خدا تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے، وہ بات نہ سنی چاہیے اور نہ ماننی اور نہ عملی طرز اختیار کرنی چاہیے کیونکہ وہ منکر ہے اور منکر سے اجتناب لازم ہے۔

سید اور امیر کی ذمہ داری

عن ابن عمر قال قال النبي ﷺ الا كلکم راعٍ وكلکم مسئول عن رعیتہ فالامام الذی علی الناس راعٍ وهو مسئول عن رعیتہ والرجل راعٍ علی اهل بیتہ وهو مسئول عن رعیتہ والمرأة راعیة علی اهل بیت زوجها وولده وہی مسئولة عنہم (بخاری و مسلم)

ترجمہ: رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے ہر شخص محافظ و نگران ہے اور اس سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھ گچھ اور سوال ہوگا جو اس کی نگرانی اور ذمہ داری میں ہوں

گے۔ پس امیر اور بڑا جو لوگوں کے امور کا نگران ہے، پس اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال اور پوچھ گچھ ہوگی اور مرد اپنے اہل خانہ پر نگران ہے اس سے اپنے ماتحت اہل خانہ سے پوچھ گچھ ہوگی کہ ان کو راہ حق و صداقت پر لگایا تھا یا نہیں لگایا تھا۔ اور بیوی اپنے شوہر کے گھر اس کی اولاد کی نگران ہے، تو اس سے انہیں کے بارے میں سوال اور پوچھ گچھ میں ذمہ داری نبھانے کی ضمانت بھری جائے گی۔

عن معقل بن یسار قال سمعت رسول الله ﷺ يقول ما من والٍ يلي رعيتَه من المسلمين وهو غاشٍ لهم الا حرم الله عليه الجنة (مشکوہ ص ۳۲۱)
ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو اور وہ ان کے معاملات اور خود ان سے خیانت کرے، تو اللہ تعالیٰ ان پر جنت حرام کر دے گا۔

عن يزيد بن ابى سفيان قال قال ابوبكر حين بعثني الى الشام يا يزيد ان لك قرابة عسيت ان تؤثرهم بالامارة وذاك اكبر ما اخاف عليك فان رسول الله ﷺ قال من ولي من امر المسلمين شيئاً فامر عليهم احداً مجاباةً فعليه لعنة الله لا يقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً حتى يدخله جهنم

حضرت یزید بن ابی سفیان فرماتے ہیں جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے سپہ سالار بنا کر شام کی طرف روانہ کیا تھا اس وقت آپ نے یہ نصیحت فرمائی اے یزید! تمہارے کچھ رشتہ دار ہیں۔ ہو سکتا ہے تم ان کو ذمہ داریاں سونپنے میں ترجیح دو، یہ سب سے بڑا اندیشہ ہے جو مجھے تمہاری طرف سے لاحق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہو اور وہ مسلمانوں پر کسی کو حکمران بنائے، محض رشتہ داری یا دوستی کی بنا

پر، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے کوئی فدیہ قبول نہیں کرے گا یہاں تک کہ اس کو دوزخ میں ڈال دے گا۔

طرز معاش ۱- یا ایہا الذین امنوا کُلُوا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ

واشکروا للہ ان کُنْتُمْ اَیَّاهُ تَعْبُدُونَ (پارہ ۲: ۵ع)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھاؤ پاک چیزیں، جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر ادا کیا کرو اللہ تعالیٰ کا، اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔

دوسری آیت مبارکہ ہے

۲- یا ایہا الناس کُلُوا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (پارہ ۲، رکوع ۵ع)

اے انسانو! کھاؤ تم اس سے جو زمین میں ہے، حلال اور پاکیزہ چیزیں۔

شریعت اسلامیہ نے مذکورہ آیت میں لفظ حلال اور طیب ذکر فرما کر واضح کر دیا کہ ظاہر پاکی ہو اور حقیقی پاکی بھی ہو اور ناجائز طریقہ سے نہ ہو۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ یأتی علی الناس زمان

لا یبالی المرء ما اخذ منه امن الحلال ام من الحرام (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول خدا ﷺ نے فرمایا

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں آدمی اس بات کی پرواہ نہیں کرے گا، اس نے جو

مال کمایا آیا وہ حلال ہے یا حرام۔

عن عبد اللہ بن مسعود عن رسول اللہ ﷺ قال لا یکسب عبد مال

حرام فیتصدق منه فلا یقبل منه وینفق منه لا ینبارک لہ فیہ ولا ینترکہ

خلف ظهرہ الا کان زادہ الی النار ان اللہ لا یمحوا السیئی بالسیئی

ولكن يمحو السيئ بالحسن ان الخبيث لا يمحو الخبيث (مشکوہ شریف ص ۲۲۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ حرام مال کمائے پھر اس کو صدقہ کرے، اس کا یہ صدقہ قبول نہ ہوگا، اور اگر اپنی ذات پر اور گھر والوں پر خرچ کریگا، تو برکت سے خالی ہوگا اگر وہ اس کو چھوڑ کر مر اور فوت ہوا تو وہ اسکے راہ جہنم و دوزخ کا زاد اور خرچہ بنے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی برائی کے ذریعہ برائی کو نہیں مٹاتا، بلکہ برے عمل کو نیک اور صالح عمل سے مٹاتا ہے اور اسی طرح کسی امر خبیث کو خبیث کے بدلے میں نہیں مٹاتا۔

واضح ہو کہ کوئی بھی نیکی کا کام کیا جائے، اسمیں مقصد نیک اور عمل نیک اور ذریعہ بھی نیک ہو اور اگر ناجائز ذریعہ سے کمائی کر کے عبادت کرے یا خواہ صدقات کرے، فلاح و بہبود میں لائے، یا مساجد بنائے، اللہ تعالیٰ کو اس حرام کمائی سے استعمال ہونیوالی دولت کی کوئی غرض نہیں، نہ ہی عبادت قبول فرمائے گا نہ صدقہ نہ فلاح و رفاہ میں اس کو کوئی اجر دے گا اور آخرت کی پہلی منزل قبر ہی میں وبال حرام کار اور حرام خور کے سر پر پڑ جائے گا، اگر چہ دنیا کی زندگی بڑی بلے بلے اور عیش و عشرت، طرف و نشاط اور آرام و راحت سے گزارے گا، مگر چند روزہ زندگی کے بعد دائمی زندگی کے نعوذ باللہ وبال اور عذاب و عقاب کے علاوہ تمام تر محرومیاں اور خسارے مول لے گا۔ مسلم شریف میں روایت ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ طیب لا یقبل الا طیباً ان اللہ امر المؤمنین بما امر به المرسلین فقال ایہا الرسل کُلُوا من الطیبات و اعملُوا صالحاً و قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا کُلُوا من الطیبات ما رزقنکم ثم ذکر الرجل یطیل السفر اشعث اغبر یمد یدیه الی السماء یارب و مطعمہ حرام و مشربہ حرام و ملبسہ حرام و غدی

بالحرام فإني يُستحبُ لذلك (مسلم ومشکوٰۃ شریف ۱۱۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ طیب اور پاکیزہ ذات ہے صرف طیب اور پاکیزہ کو قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین کو وہی امر اور حکم دیا ہے جو اس نے رسولوں اور پیغمبروں کو دیا تھا فرمایا: اے پیغمبر! باصفا! پاک نعمتیں کھاؤ اور صالح و نیک عمل بجلاؤ اور پھر فرمایا: اے ایمان والو اللہ کی پاکیزہ ستھری اور حرام کاری سے منزہ و پاکیزہ روزی کھاؤ، جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو لمبی مسافت طے کر کے آیا اور دور کا سفر کاٹ کر ایک مقدس مقام پر آتا ہے، غبار سے اٹ ہے، گرد آلود ہے، اپنے دونوں ہاتھ سوال کے لئے آسمان کی طرف اٹھا کر دعا مانگتا ہے۔ اے میرے رب! اے میرے رب! اور دعا مانگتا ہے طرح طرح کی آرزو پیش کرتا ہے۔ اسکی حالت جب یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، اسکا پینا حرام، اس کا لباس حرام، اور حرام پر ہی پلا پوسا ہے تو ایسے شخص کی دعا کیونکر قبول ہو سکتی ہے یعنی ہرگز قبول نہ ہوگی۔

واضح طور پر اس حدیث مبارک میں دو چیزیں ذکر ہوئی ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ کریم صرف وہی صدقہ قبول فرماتا ہے جو پاک، حلال، جائز کمائی کا ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق رضا جوئی کے لئے ہو، اسکے برعکس اگر حرام مال اسکی راہ میں خرچ کیا جائے تو وہ اسے قبول نہیں کرتا۔ دوسری یہ کہ جس شخص کی کمائی حرام ہو اور ناجائز اور اجازت شریعت کے سوا حرام طریقہ سے ہو، اس کی دعا اللہ کریم قبول نہیں فرماتا ہے۔

تجارت میں دیانت: قال رافع بن خدیج سئل عن النبی ﷺ یا

رسول اللہ ﷺ ای الكسبِ اطيّبُ قال عملُ الرجل بیده وکل بیع

مبرور (مشکوٰۃ ص ۲۴۲)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور کریم ﷺ سے پوچھا گیا اے اللہ کے سچے رسول، سب سے اچھی کمائی کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا بندے کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور وہ تجارت جس میں تاجر بے ایمانی، جھوٹ، دھوکہ سے کام نہ لے

قال رسول الله ﷺ التاجر الصدوق الأمين مع النبيين و الصديقين والشهداء (ترمذی)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا سچائی کے ساتھ معاملہ کرنا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقیوں اور شہیدوں کے ساتھ جنت میں ہوگا۔

مزید یہ کہ دیکھنا چاہیے تجارت بظاہر کوئی تلاوت کلام مجید نہیں، مقام مقدس میں نہیں، نماز تسبیح نہیں، بلکہ عام دنیا دارانہ منفعت کمانا ہے لیکن اگر اس میں تاجر سچائی، دیانت داری اور حلال کو عمل میں لائے تو وہ عبادت بن جاتی ہے ایسے صادق تاجر خدا کے پاکباز بندوں یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اور صدیقیوں یعنی مخلصین عبادت گزاروں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت پانے

والوں کے ساتھ اسکی معیت ہوگی اور آخرت میں انہیں کے ساتھ ٹھکانا نصیب ہوگا کیونکہ اس نے صداقت اور دیانت کی بناء پر دوسرے مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دیا بلکہ خلق خدا کو راحت پہنچانے کی راہ اختیار کی ہے۔ جھوٹ اور ملاوٹ سے مال زیادہ ہتھیانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ مال کو خریداروں کے لئے کھلا رکھتا کہ دوسرے حرام کاروں کو لوٹ اور دھوکہ کا موقع نہ مل سکے اور اسی میں دوسروں کی بھلائی، خیر خواہی اور بہتری ہے اور یہی شے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے۔

قال رسول الله ﷺ التاجر يحشرون يوم القيامة فجارا الا من اتقى وبر وصدق

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا تاجر لوگوں کو روز قیامت میدان حشر میں لایا جائے گا لیکن صرف وہ مقبولان بارگاہ خداوندی فلاح پائیں گے جو تقویٰ، صداقت پسند ہوں گے۔

تجارتی معاملہ میں جھوٹی قسم پر وعید

قال رسول الله ﷺ ثلاثة لا يكلمهم الله يوم القيامة ولا ينظر اليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب اليم قال ابو ذر خابوا وخسروا من هم يا رسول الله؟ قال المسبل و المنان و المنفق سلعتة بالحلف الكاذب
----- (مسلم شریف و مشکوٰۃ ۲۲۳)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا، نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ہی ان کو صاف و پاک کر کے جنت میں داخل کرے گا بلکہ ان کو دردناک عذاب میں ڈالے گا۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول! یہ ناکام و نامراد کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک وہ شخص جو ازراہ تکبر و غرور اپنے تہبند کو ٹخنوں کے نیچے تک لٹکاتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو اپنا کیا ہوا احسان جتلاتا ہے، تیسرا وہ شخص جو جھوٹی قسم کے ذریعے اپنے مال تجارت کو فروغ دیتا ہے اور نفع کماتا ہے۔

خلاصہ حدیث مبارک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے بات نہ کرنا اور نہ اس کی طرف نظر فرمانا یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا اور ہر سہولت سے بے بہرہ رکھا جائے گا اور چادر و غرور و تکبر کی وجہ سے زمین پر گھسٹنے والا چونکہ انتہائی درجہ اسراف اور انہماک بڑائی میں آ کر اتراتا ہے وہ اللہ کو سخت ناپسند ہے۔

اس میں علت اور وجہ ناراضگی تکبر و غرور ہے۔ اور اگر کسی شخص کی چادر یا شلواری تکبر اور گھمنڈ

کی وجہ سے نیچی نہیں ہے، بلکہ بوجہ ضعف و یا سستی یا پھر اصل کے لحاظ سے شلواری بڑی، تو اس صورت میں وعید نہ ہوگی گرچہ مستحسن نہیں۔

تجارتی لغزش پر کفارہ اور صدقہ

عن قیس بن غرزة قال كنا نسئ في عهد رسول الله ﷺ السماسرة فمر بنا رسول الله ﷺ فسمانا باسم هواحسن فقال يا معشر التجار ان البيع يحضره اللغو و الحلف فشوبوه بالصدقۃ (ابوداؤد شریف - مشکوٰۃ ص ۲۲۳ ج ۱)

ترجمہ: حضرت قیس بن ابو غرزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ہم تاجر لوگوں کو سماسرہ کہا جاتا تھا۔ ایک دن حضور کریم ﷺ کا ہمارے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے اس نام سے بہتر نام عطا فرمایا۔ آپ نے فرمایا اے تاجروں کے گروہ! مال کے بیچنے میں لغویات کہنے اور جھوٹی قسم کھا جانے کا اکثر امکان ہوتا ہے لہذا تم لوگ اپنی تجارت میں صدقہ رائج کرو اور کمائی کو صدقہ دیکر کفارہ ادا کرتے ہوئے پاک رکھو۔

عادتاً یہ بات اکثر رہی ہے کہ مال کی خرید و فروخت میں کمزور باتیں یا قسم تک نوبت نادانستہ اور اکثر فطری عادت ہو جاتی ہے، حالانکہ مقصود قسم نہیں ہوتی اسلئے تم تجارت کی کمائی میں صدقہ رائج رکھو کیونکہ صدقہ دینا کفارہ بن جاتا ہے اور کوتاہیوں کو دور کرتا ہے۔ صدقہ دینا نفس کو بخل سے بھی نکالتا ہے۔

ممانعت احتکار: قال رسول الله ﷺ من احتكر فهو خاطئ

(مسلم شریف ۲/۳۱ ص ۲۵۰)

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے احتکار کرنے والا خطا کار اور گنہ گار ہوتا ہے۔

تفصیل بحث: اصطلاح تجارت میں احتکار یہ ہوتا ہے کہ جب لوگوں میں ایک

شے کی ضرورت بڑھ جائے، تاجر اس مال کو شاک کر کے روک لے، اور بازار میں لا کر نہ بیچے بلکہ بوقت اشد ضرورت مزید سے مزید قیمت کے حیلے کرے، جب قیمت بہت بڑھ چڑھ جائے تب کھلے عام بیچے اور کئی گنا نفع کمائے اور عادی طور پر حرص طبیعت اور بخل نفس کی وجہ سے تاجر لوگ ایسا کرتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ایسی حرکت سے منع فرمایا ہے اور سخت ممانعت فرمائی ہے، کیونکہ ایسی عادات سے انسان سنگ دل، بے رحم، غبن فاش کا عادی بن جاتا ہے، اس لئے شریعت اسلامیہ نے تعلیم و تربیت فرمائی ہے کہ نبی نوع انسان کو ایک دوسرے سے رحمت، احسان اور کشادگی کا معاملہ رکھنا چاہیے۔ احتکار کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ وہ احتکار جس سے منع کیا گیا ہے، وہ صرف غلہ کے لئے مخصوص ہے۔ غلہ کے سوا دوسری اشیاء میں احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی ممنوع نہیں ہے کیونکہ گر غلہ کے سوا باقی چیزیں بازار میں نہ لائی جائیں تو وعید نہ ہوگی اور بعض علماء باریک بین کی رائے ہے کہ احتکار، اور ذخیرہ اندوزی کی ممانعت تمام اشیاء میں ہے بلکہ روزمرہ کی ضرورت کی اشیاء میں مال روک لینا شرعاً ممنوع ہے کیونکہ اصل وجہ ضرورت انسانی ہے، کیونکہ حیات انسانیہ اور اس کی سہولت و بقا ایک اہم امر ہے اور سہولت و بقا وسعت و کشاد باہمی معاشرہ سے متعلق ہے اور باہمی معاشرہ کا تقاضا کھلی مارکیٹ اور کھلے عام بازاروں میں اشیاء کا ملنا ہے، لہذا روزمرہ کی مستعملہ اشیاء میں ذخیرہ اندوزی، درندگی، سخت دلی اور قساوت قلبی ہے۔

تجارتی معاملات میں عیب بیان کرنا

قال رسول الله ﷺ لا يَحِلُّ لِحَدِّ اَنْ يَبِيْعَ شَيْئًا اِلَّا بَيْنَ مَا فِيهِ وَلَا يَحِلُّ لِحَدِّ يَعْلَمُ ذَاكَ لَا يَبِيْنُهُ (ابن ماجہ ۲/۲۱۲)

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ اگر تجارتی مال اور بیع میں کوئی عیب ہو تو بائع

یعنی بیچنے والا اسے بیان کر دے۔ عیب کو نہ چھپائے تاکہ دوسرا دھوکا نہ کھائے۔

اس حدیث مبارک میں تاجر اور مال بیچنے والے کو ہدایت کی گئی ہے کہ بائع وقت بیع اگر مال کے عیب سے واقف ہو تو اسے چاہیے کہ عیب بتلا دے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے زمانے کی ایک بات ہے کہ ایک دن بازار مدینہ کی غلہ منڈی سے گزرے۔ ایک دوکاندار کا دانوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک ڈھیر میں ڈالا، تو اندر سے بھیکے دانے تھے آپ نے فرمایا: ایسا کیوں ہے؟ تاجر نے عرض کی رات کو بارش پڑ گئی تھی۔ آپ نے فرمایا بھیکے دانے اوپر کرنے چاہئیں تھے نہ کہ اندر چھپانے تھے: آپ نے اسی وقت فرمایا: دھوکے باز ہم میں سے نہیں ہے۔

قرض میں حسن معاملت ان النبی ﷺ قال کان رجل یداین

الناس فکان یقول لفتاہ اذا اتیت مُعسراً تجاوزَ عنہ لعلّ اللہ ان یتجاوزَ عنّا قال فلقی اللہ فتجاوزَ عنہ (بخاری و مسلم)

ما ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک آدمی لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا، پھر وہ مال وصولی کرنے والے اپنے کارندے کو، جسے وہ قرض کی وصولی کیلئے بھیجتا تھا، یہ ہدایت دیتا کہ اگر کسی تنگ دست قرضدار کے پاس جائے تو اسکو معاف کر دینا، شاید اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ بھی درگزر اور آسانی و سہولت والا معاملہ کرے۔ آپ نے فرمایا یہ شخص جب اللہ تعالیٰ سے وصل ہو اور بارگاہ خداوندی میں اس کا معاملہ آیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرمایا اور سہولت دی

حدیث پاک کی روشنی میں یہ امر واضح ہوا کہ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے سہولت برتے اور احسان و مروت کی راہ چلے خصوصاً اسکے بندوں سے رحمت و شفقت سے پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر مزید احسان فرماتا ہے۔

قال رسول الله ﷺ من سرّه ان يُنَجِّيه الله من كرب يوم القيمة
فليُنْفَس عن معسرٍ او يضعُ عنه (مسلم شریف ص ۱۸، مشکوٰۃ ص ۲۵۱)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو یہ بات پسند اور خوش لگتی ہے کہ اللہ
تعالیٰ اسے قیامت کے دن سختی سے نجات دے وہ مقروض تنگ دست کو مہلت دے یا احسان
کرتے ہوئے قرضہ معاف کر دے

عن ابی رافع رضی اللہ عنہ قال استسلف رسول اللہ ﷺ بکر افجاءً ته
ابل من الصدقة قال ابورافع فامرني ان اقضى الرجل بكرة فقلت لا
اجد الا جملا خيارا رباعيا فقال رسول الله ﷺ اعطه اياه فان خير
الناس احسنهم قضاء (مسلم ۲/۲۵۵)

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ایک کم عمر
کا اونٹ کسی سے قرض لیا، بعد میں آپ کے پاس زکوٰۃ کے کچھ اونٹ آئے - آپ نے مجھے
حکم دیا کہ قرضدار کو اسی طرح کا اونٹ دے دوں - میں نے عرض کیا یہ دیا جانے والا اونٹ
ان اونٹوں میں سے ہے جو انتہائی عمدہ سات سالہ عمر کا ہے تو اس پر آپ نے فرمایا وہی دے
دو، اس لئے کہ معاملہ کا بہترین آدمی وہ ہے جو بہترین طریقہ پر قرض ادا کرتا ہوں

حدیث شریف میں یہ امر واضح بیان ہوا کہ جب قرضہ دینے کا وقت آئے تو قرضہ اچھے
طریقے اور احسن شے سے ادا کرنا چاہیے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ادائیگی کی توفیق عطا فرماتا
ہے مزید بھی بندہ ادا کر جائے تو اتنا بڑا فرق نہیں آتا جیسا کہ لینے والا اگر کچھ چھوڑ دے
اور تنگ دست پر احسان کر دے تو اس کا کچھ مال گھٹ نہیں جاتا بلکہ اس احسان کی برکت سے
اللہ تعالیٰ اور اضافہ و کثرت فرماتا ہے

وعید غصب و خیانت یا ایہا الذین امنوا لاتخونوا اللہ و الرسول
وتخونوا امانتکم وانتم تعلمون (پ ۹، رکوع ۱۷، آیت ۳۷)

اے ایمان والو! خیانت نہ کرو، اللہ اور رسول سے، اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں
اس حال میں کہ تم جانتے ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ سے خیانت کا مطلب حضرت ابن عباس رضی
اللہ عنہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے لا تخونوا اللہ بترك فرائضه و
الرسول بترك سنته - ترک فرائض و احکام میں اللہ تعالیٰ سے خیانت ہے اور رسول
کریم ﷺ کی سنت و طریقہ عمل سے منہ موڑنا خیانت ہے۔

عن سعید بن زید قال رسول الله ﷺ من اخذ شبرا من الارض
ظلماً فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع ارضين

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا
جو شخص کسی دوسرے بندے کی ظلما و جبرا ایک بالشت برابر بھی زمین پر قبضہ کرے گا تو اللہ
تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اسکی گردن میں ڈالے گا - نعوذ باللہ من
ذالك اللہ تعالیٰ اتنی بڑی سزا سے ہزار بار بجات بخشتے اور محفوظ رکھے - حدیث پاک میں وعید
حق مالی پر ہے کیونکہ کسی کی ملک میں ناجائز ہاتھ ڈالنا اسکی آبروریزی بھی ہے اور مظاہرہ
جبر بھی ہے لہذا اللہ کریم کو اتنا بڑا جبر ہرگز پسند نہیں ہے ہاں البتہ! اگر کوئی شخص رضامندی سے
کچھ دیدے، اس کو لے لو، یہ باہمی معاملہ ہوتا ہے۔

قال النبی ﷺ ان اللہ عزوجل يقول انا ثالث الشريكين ما لم يخن
احدهما صاحبه فاذا خانه خرجت من بينهما وفي روايه وجاء
الشیطان = (ابوداؤد ص ۲: ۵۵)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تک کسی بھی

کاروبار یا شریک عمل کے دو ساجھے باہم خیانت نہ کریں، میں انکے ساتھ رہتا ہوں، میری تائید و برکت انکے حق میں ہوتی ہے، لیکن جب ایک شریک کھاتہ، دوسرے ساجھی اور شریک کھاتہ سے خیانت کرتا ہے تو میں ان کے درمیان سے علیحدہ ہو جاتا ہوں، اپنی تائید اٹھا لیتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ ان میں شیطان دخیل ہو جاتا ہے جو ان دونوں کو ایک دوسرے سے خیانت اور دھوکے پر ابھارتا ہے۔

حدیث مبارک سے واضح مقصود یہی ہے کہ جب تک شریک اور ساجھی نیک دل رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد شامل حال رہتی ہے۔ اگر ایک نیت بد کرے یا دونوں، تو پھر رحمت سے محرومی اور دوری حاصل ہوگی۔ کاروبار اور کسب عمل و معاش میں خسارہ لاحق ہو جاتا ہے

حقوق مزدور قال رسول اللہ ﷺ اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان

يَجُفَّ عَرَقُهُ (ابن ماجہ شریف ص ۱۷۶) مشکوٰۃ ص ۲۵۸

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے قبل اسکی مزدوری ادا کرو۔

حدیث مبارک میں ادائیگی کی ترغیب دی گئی ہے اور کمزور و ناتواں اور عاجز خیال کر کے اس کا حق نہ مارا جائے۔ دوسرا یہ کہ مزدور بیچارہ دن بھر مشقت اٹھاتا ہے کہ اپنی حاجت حاصل کرے اور اس سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا کھانا دانہ مہیا کرے اگر اسے مشقت کے بعد بھی کچھ نہ دے تو یہ ظلم اور خدا کی کمزور مخلوق پر بے جا جرات ہے اسی لئے اللہ مزدور کا وکیل و کفیل ہو جاتا ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ تعالیٰ ثلثة انا خصمهم يوم القيامة رجل

اعطى لى ثم غدر ورجل باع حرا فاكل ثمنه ورجل استاجر اجيرا

فَأَسْتَوْفَىٰ مِنْهُ وَلَمْ يُعْطَ أَجْرَهُ (بخاری شریف ۱/۳۵۲/۲۹۷، ابن ماجہ ص ۱۷۶)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: تین آدمی ایسے ہیں، جن سے میرا قیامت کے دن جھگڑا ہوگا، پہلا وہ شخص جس نے میرا نام مبارک استعمال کر کے کوئی معاہدہ کیا پھر اس نے اس عہد کو توڑ ڈالا اور بد عہدی کی۔ دوسرا وہ شخص جس نے کسی شریف اور آزاد کو اغوا کر کے اسے بیچا اور اس کی قیمت کھائی، تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر لگایا، اس سے پورا کام لیا اور کام لینے کے بعد اس کی مزدوری نہیں دی۔

حدیث پاک میں نمبر وار تین بے وفاؤں کا ذکر آیا ہے لیکن سب سے پہلا وہ شخص جو بد عہدی کرتا اور اللہ کے نام کی کوئی لاج نہیں رکھتا، بلکہ الٹا اہانت کا مرتکب ہوا گویا خدا سے دشمنی لی، اور انتہائی ناشکری، نااہلی کا ثبوت دیا۔ دوسرا شریف بندے کی آبرو سے کھیلتا ہے جو شرعاً حرام ہے۔ تیسرا کمزور اور ناتواں پر اتراتا اور حقوق العباد پامال کرتا ہے، لہذا تینوں دشمنانِ خدا اور رسول ہیں۔

حق وراثت واجب ہے

قال رسول الله ﷺ من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيمة (ابن ماجہ ص ۱۹۴)

ترجمہ: رسول کریم (کافرمان اقدس ہے جو شخص اپنے کسی وارث کو حق وراثت سے محروم کر دے گا تو بدلے میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو میراث جنت سے محروم کر دیگا۔

حدیث مبارک میں صراحتاً حق مارنے والے کو چیلنج کیا گیا ہے اور صاحب حق کے سلسلہ میں خدا خونی دلائی گئی ہے اور آخرت کی دائمی وراثت و جائیداد سے یکسر محرومیت کا حکم سنایا گیا ہے۔ یہ حدیث عبرت ہے ان صاحبانِ اولاد کے لئے، جو اولاد کو عاق کر دیتے ہیں یا

بعض کو دیتے ہیں اور بعض کو محروم کرتے ہیں اور خصوصاً مسلمانوں میں رسم بد اور قبیح کہ اپنی بیٹیوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیتے اور بھائی اپنی بہنوں سے زمین کے حصے واپس لیتے ہیں اور بیچاری نرم دل بہنوں کو ورغلا کر اور ماں باپ کی لاج کا واسطہ دیکر مزید یہ کہ شریکوں اور دشمنوں کی داستان میں ڈال کر حصے واپس لیتے ہیں۔ اگر یہ بس بھی نہ چلے تو رشوت و فراڈ سے عملہ مال سے مل کر چوری رجسٹری و انتقال تک کروا لیتے ہیں۔

بحث دردمندانہ بہنوں، بیٹیوں اور پھوپھیوں کو وراثت سے محروم کرنے یا ان

سے ہتھیالینے والوں کے لئے یہ بھی سوچنا چاہیے کہ بہن بھائی دونوں ایک ہی ماں باپ سے برابر کے رشتہ کے مالک ہیں، ان میں سے بھائی تو ماں باپ کی جائیداد مزے سے کھائے اور بہن بے چاری محرومیوں میں رہے، بڑے دکھ کی بات ہے دوسرا یہ کہ بہن اگر شریکوں یا غیروں میں رشتہ ازدواج کی وجہ سے چلی جاتی ہے اور بھائیوں کو دکھ ہوتا ہے کہ شریک بیگانے ہیں اور شریک وغیر خاندان والے نہ کھائیں ہمارے باپ کی جائیداد ہے لیکن ^{جب} اسی بہن کے بھائی بیوی غیروں سے لاتے ہیں تو وہ اسی طرح شریکوں، غیروں، دشمنوں اور بیگانوں کی خواتین بھائی کے نکاح میں آتی ہیں تو بیگانی یعنی ^{بہن} کے بھائی کی آڑ میں بہن کے والد کی جائیداد مزے سے کھائے، عیش اڑائے تو بیگانی اور غیروں بیٹی جو بہو ہوتی ہے وہ تو جائیداد سرخوب استعمال کرے اور جو خود اسی باپ کی بیٹی ہے جس کے باپ کا سب کچھ ہے، وہ یکسر محروم رہے۔ پھر جس طرح بھائی کی اولاد بیگانوں اور غیروں کی خاتون سے ہے، وہ بیگانی والے مالک بنیں اور وہ خاتون جس کے سگے باپ کی جائیداد ہے، اسے بھی تو اپنے فرزند عزیز اور پیارے ہیں، وہ اپنے جگر گوشوں کے لئے غربت و محرومی کے ستم سہے کتنی دکھ، درد کی بات ہے جس طرح بھائی کو اپنی اولاد عزیز اور جان سے قریب ہے بہن بے چاری کی بھی تو اپنی اولاد اسی طرح ٹکڑا جگر ہے اسی طرح بیٹیوں

اور پھوپھیوں کی حالت ہوتی ہے ان فی ذالک لآیت لقوم یتفکرون

کتنا سنگ دل باپ ہوگا جو بیٹے کو اور بہو کو سب کچھ دے کر مالک و مختار بنا دے اور بیٹی بے چاری کو اپنا ہی جو خون و جگر ہے - سینے پر پتھر رکھ کر محروم کرے علاوہ ازیں پھوپھیوں سے واپس لیتا ہے اور چچاؤں کو پائی پائی اور زمین کا انچ انچ دیتا ہے، زمانے کی بڑی الٹی چال ہے بھائی اپنے بھائی کے قتل پر جائیداد حاصل کر نیکی لئے آمادہ ہو جاتا ہے اور بہن تو بھائیوں کو دے دیتی ہے - دیکھنا یہ ہے کہ آیا بھائی بھی اپنی بہن کو دیتے ہیں یا نہیں، اکثر وغالب یہی ہے کبھی سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا ہے کہ بھائی اتنا ایثار دکھائیں ^{نہم} حالاً اس عالم حرص میں ایسا کوئی واقعہ ظہور میں نہ آیا ہوگا اور غالباً نہ ہی آئے گا کہ بھائی، بہنوں یا بیٹیوں پر ایثار اور احساس کا جذبہ ظاہر کرے۔

لعنت سود و رشوت

احل اللہ البیع و حرّم الربوا (پ ۳، ع ۶، سورۃ آل عمران)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے بیع کو یعنی تجارت کو اور حرام کیا سود کو - چنانچہ تجارت اور سود میں فرق بیان کرنا ضروری ہے - وہ یہ کہ تجارت میں انسان روپیہ لگاتا ہے پھر ہمہ وقت ساری ذہنی قابلیتیں صرف کرتا ہے، وقت لگاتا ہے، محنت و مشقت برداشت کرتا ہے اسکے باوجود نفع یقینی نہیں لیکن سود خور جو صرف اپنا فالٹو روپیہ دیتا ہے نہ وقت، نہ محنت، نہ سوچ و فکر تو ایسا شخص مفت خور اور نفع یقینی کا خواستگار کیوں ہو؟ اسلام قرضہ حسنہ کا حکم دیتا ہے یا پھر کاروبار میں شریک نفع و نقصان میں برابر کا شریک بنے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان النبی ^{صلی اللہ علیہ وسلم} لعن اکل الربوا ومؤکله
وشاہدہ وکاتبہ (بخاری و مسلم ۳/۲۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نبی ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کائنات کا ناسخ و ناسخ

نے سود کھانے والے پر لعنت کی اور سود کھلانے والے پر بھی لعنت بھیجی ہے۔ ان دونوں کے گواہوں اور سود لکھنے والے پر بھی لعنت کی ہے

حضور نبی اکرم ﷺ نے جس شی کی وجہ سے لعنت فرمائی اور قرآن مجید نے اسے حرام قرار دیا اس کا ارتکاب کتنا بڑا جرم اور گناہ ہے۔ الامان والحفیظ یہی نہیں بلکہ نسائی شریف میں روایت ہے کہ جانتے بوجھتے حرمت سمجھتے ہوئے سود کھانے، کھلانے، گواہی دینے اور لکھنے والے سب پر قیامت کے دن حضور نبی اکرم ﷺ لعنت فرمائیں گے۔ واضح ہوا کہ اگر ایسے لوگ بغیر توبہ اور ندامت مر گئے تو قیامت کے دن شفاعت سے محروم اور لعنت کے مستحق ٹھہریں گے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لعنة اللہ علی الراشی والمرتشی (منشی - ترمذی ص ۱۵۹)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا رشوت دینے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار اور اس حاکم پر بھی جو رشوت لے کر کھاتا ہے

تفصیل مسئلہ: رشوت اس رقم یا مال کو کہا جاتا ہے جو دوسروں کا حق مارنے کے لئے، دھوکہ یا فراڈ سے دوسروں کا حق دبانے کے لئے حکومتی افسران یا متعلقہ افراد معاشرہ دفتری کلرک، یا سرکاری اہل کاروں کو جو رقم دی جائے وہ حرام اور مستحق لعنت ہے۔

ہاں البتہ وہ رقم یا کوئی مال جو اپنے جائز حق کے حاصل کرنے میں استعمال کی جائے یا باطل نظام حکومت کے بے ضمیر، بے ایمان قسم کے اہل کاروں کو دلی نفرت کے ساتھ اور امر قبیح کے یقین سے اپنی گرہ سے دینا پڑ جاتی ہے اور دیئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور حق جائز کے مارے جانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں استعمال شدہ رقم جائز ہوگی تاکہ اسے اپنا حقیقی حق مل جائے لیکن لینے والا گنگار ہوگا۔

معاشرت خاصہ: فانكحوا ما طاب لكم من النساء (پارہ نمبر ۴، رکوع ۱۲):

(سورہ النساء آیت ۳)

ترجمہ: اور نکاح کرو، جو تمہیں پسند آئیں عورتوں سے دو، دو، تین تین، اور چار چار تک ازواج کی اجازت ہے لیکن مشروط طور۔ اسلام میں تعدد ازواج کی حکمت یہ ہے کہ مرد کی طبعی کیفیت، عورت کی طبعی کیفیت سے جداگانہ ہے، کیونکہ ہر مرد میں جنسی رغبت عورت سے کہیں زیادہ ہے۔ شریعت نے تعدد ازواج کی اجازت دی ہے تاکہ وہ حرام میں مبتلا نہ ہو۔ دوسری وجہ کفالت عورت ہے، کیونکہ اکثر ممالک میں عورت کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں جنگ آزما قوموں میں بصورت جنگ لاکھوں کی تعداد میں مرد مارے جاتے ہیں لقمہ موت بن جاتے ہیں اور خواتین کی کثرت ہو جاتی ہے ان کی عصمت و آبرو بچانے کے لئے اسلام نے تعدد ازواج جائز قرار دیا تاکہ زنا اور حرام کاری سے اجتناب رہے اور معاشرہ میں بگاڑ پیدا نہ ہو۔

مسلمان ممالک میں مسلمانوں میں تعدد ازواج سے بھیانک ماحول کا ہوٹا کھڑا کر دیا گیا ہے یہ سب نصاریٰ، عیسائیوں کی تحریک ہے مگر خود عیسائی صورت زنا میں کتنی عیسائی عورتوں سے زنا کرتے، کراتے ہیں اسلام نے مسلمانوں کو زنا سے بچانے کیلئے تعدد ازواج جائز قرار دیا۔ ابتداء زمانہ اسلام میں مہاجرین و انصار مدینہ کی آبادیوں میں مالدار نہ تھے لیکن متعدد شادیاں تھیں۔ رزاق اللہ کی ذات ہے۔

ترغیب نکاح عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانہ اغص

للبصر و احسن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ له وجاء

(بخاری و مسلم ج ۲ ص ۷۵۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کی ذمہ داریاں اٹھانے کی سکت رکھتے ہوں انہیں نکاح کر لینا چاہیے کیونکہ یہ نگاہ کو جھکا دیتا ہے، اور شرم گاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جو شخص نکاح کی ذمہ داریاں اٹھانے کی وسعت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ شہوت کا زور توڑنے کیلئے روزے رکھے۔

حدیث شریف میں دو امر ملحوظ رکھے گئے ہیں۔ اول یہ کہ بیوی بچوں کی پرورش اور اخراجات کی طاقت ہو تو مفید نکاح بیاہ گیا جائے تاکہ پورا خاندان پریشانی میں نہ پڑے۔ دوسرا یہ کہ نکاح بیاہ سے حفاظت نفس و ایمان ہوتا ہے اور پاکیزگی آنکھ اور شرم گاہ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان، شیطان کے بہکاوے وغلبہ شہوت سے حرام کاری میں مبتلا نہ ہو اور عصمت برقرار رہ سکے

قال رسول اللہ ﷺ تنكح المرأة لاربعة لِمَالِهَا وَلِحُسْنِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفِرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرَبَّتْ يَدَاكَ (متفق علیہ بخاری ۷۶۲/۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے چار چیزیں ملحوظ ہوتی ہیں: اول مال و دولت کی وجہ سے، دوسرا خاندانی شہرت کی وجہ سے، تیسرا حسن و خوبی کی وجہ سے، چوتھا دین کامل کی وجہ سے، لیکن دیندار عورت حاصل کرنے میں بھلائی ہے (چنانچہ عمومی طور لوگوں میں یہ چار اور مشہور امور قابل اعتبار سمجھے جاتے ہیں اور عمومی معاشرے میں ہر کوئی اپنی فکر سے شادی کے درپے ہوتا ہے۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست لیکن حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ سب سے بہتر دینداری ہے اور تقویٰ کو کرامت و شرافت ہے، لہذا ترجیح اور فوقیت شرعی طور پر دین کو ہے۔ بالفرض کسی عورت میں چاروں امور مجتمع ہو جائیں تو بہت بھلائی اور سعادت ہے۔

قال رسول الله ﷺ اذا خطب اليكم من ترضون دينه وخلقه
فزوجوه وان لا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد كبير (ترمذی ص
۱۲۸)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس شادی کا پیغام ایک ایسے
شخص کی طرف سے آئے، جسکے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے بہن، بیٹی کی
شادی کر دو اور اگر ایسا نہ کیا، بلکہ نوجوان شادی کے حاجت مند آ زاد رہ گئے تو زمین میں فتنہ،
خرابی اور بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔

حدیث شریف کا یہ مطلب ہے کہ صرف مال و جائیداد یا حسن و خانوادہ ہی کو مقصود
و مطلوب نہ بنا لیا جائے اور دین کی پرواہ کئے بغیر نظروں سے دین گرا دو اور صرف مال
و دولت بٹورنا ہی ^{مطم} نظر بنا لو گے تو دین اور دیندار لوگ پیچھے رہ جائیں گے اور فساد و بگاڑ
پیدا ہوتا جائے گا۔

مسئلہ مہر: عن عقبہ ابن عامر قال قال رسول الله ﷺ خير الصداق
ایسرہ - ہ (انیل الاوطار - کنز الاعمال ۱۴/۳۲۰)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
بہترین و آسان مہر وہ ہے جو آسانی سے ادا کیا جاسکے
مقصد تھا کہ بھاری مقدار میں مہر کا تعین خاندانوں میں پیچیدگی اور مشکل پیدا کر دیتا ہے
- کبھی خاوند کی ناچاقی کی وجہ سے کبھی حد و ہمت سے زیادہ ہونے سے اور کبھی کثیر رقم یا
مال لانے سے خرابی واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے شریعت مطہرہ نے سہولت اور آسانی
کا حکم دیا ہے۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال لاتغالوا صدقة النساء فانها لو كانت مكرمة في الدنيا وتقوى عند الله لكان اولاكم بها نبی اللہ ﷺ ما علمت رسول اللہ ﷺ نكح شيئا من نساءه ولا انكح شيئا من بناته على اكثر من اثنتي عشرة اوقية (ابوداود-ترمذی ۱۳۲/۱) ترجمہ: ایک دن خطبہ میں خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! عورتوں کے مہر بھاری بھاری اور بہت زیادہ متعین نہ کرو اور نہ باندھو، اسلئے کہ اگر دنیا میں کثیر مہر کوئی عزت و شرف کی چیز ہوتی اور اللہ کریم کی نگاہ میں کوئی متقیانہ فعل ہوتا، تو اس کے سب سے زیادہ حقدار نبی کریم تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لیکن مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کسی عورت سے نکاح کیا ہو، یا اپنی بیٹیوں میں سے کسی کا اس سے زیادہ مہر باندھا ہو۔۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ خاندانی غرور کی وجہ سے بہت زیادہ مقدار میں مہر باندھتے ہیں، جس کی ادائیگی کبھی بس سے باہر ہوتی ہے اور اکثر طور پر خاوند اور بیوی کے درمیان تلخی کا سبب بنے گی اور کئی ہنستے بستے گھرانے اجرٹ جانے کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خانوادوں اور بعض مالدار بستیوں کے اہالیان کو اس طرح کی بڑائی اور شیخی سے روکتے ہیں اور سادگی کی تعلیم دیتے ہیں اور دلیل کے طور پر رسول رحمت ﷺ کی زندگی مبارک اور آپ کے طرز عمل کو پیش فرماتے ہیں تاکہ لوگ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے وہ معاشرہ کے بگاڑ سے بچ سکیں۔ رہا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان رسول کریم ﷺ کی زوجہ کا معاملہ، انکے نکاح میں مہر بھاری مقدار میں تھا لیکن اسکی کئی وجوہ ہیں۔ اول یہ کہ وہ نکاح حبشہ میں دربار بادشاہ نجاشی میں منعقد ہوا تھا، وہاں حضور نبی کریم ﷺ خود موجود نہ تھے، اور بادشاہ

حبشہ نے کافی مقدار میں مہر مقرر کیا تھا - دوسری وجہ یہ ہے کہ غالباً اس مہر کا ادا کر نیوالا خود شاہ حبش تھا - تیسری وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ شاہ حبشہ کی اپنی بادشاہانہ رائے و عمل تھا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا مہاجرہ تھیں اور اس وقت ان کی کفالت کا مسئلہ تھا - ہاں اگرچہ شریعت مطہرہ میں زیادہ مقدار میں مہر جائز ہے مگر خیر الامور اوسطھا پر عمل افضل ہوتا ہے -

رسم ولیمہ : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرّ الطعام طعام الولیمۃ یدعی لها الاغنیاء ویترک الفقراء ومن ترک الدعوة فقد عصی اللہ ورسولہ (بخاری و مسلم ص ۴۶۲)

ترجمہ : رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے برکت اور بے نفع وہ طعام ولیمہ ہے جس میں صرف مالداروں، دولت مندوں کو بلایا جائے اور غرباء کو نظر انداز کر دیا جائے بلکہ دھکے مار کر دور ہٹا جائے اور جس شخص نے دعوت ولیمہ قبول نہ کی اس نے اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی یعنی بغیر کسی عذر معقول کے رد کرنا خلاف سنت ہے چنانچہ صحیح اور سنت کے مطابق ولیمہ میں جانا ثواب ہے تاکہ غرباء کے ساتھ ملکر کھانا کھایا جائے - البتہ ایسی کسی دعوت مطلق یا دعوت ولیمہ میں جانا شرعاً منع اور خلاف سنت ہے جس میں فساق و بدکاران کی بدکاریاں ناچ گانے اور بہودہ رسومات منائی جائیں کیونکہ اسمیں شیطان کا رنگ غالب ہے اور شیطانی کاموں میں شرکت کر کے وقت ضائع نہ کرنا چاہیے بلکہ اجتناب کرنا لازمی ہے - فاسق وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی حدود توڑتا ہے اور پوری ڈھٹائی سے اعلانیہ خلاف شرع کرتا ہے -

والدین کے حقوق وقل لہما قولا کریمًا (پارہ ۱۵: آیت ۲۳)

ترجمہ : جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم، نرمی سے بات کرو -

ماں، باپ جب اولاد کے سہارے کے محتاج ہو جاتے ہیں اس وقت نیک اور سعادت مند اولاد کا فرض ہے، اور ان والدین کا حق واجب ہے کہ ان کی خدمت اور دل جوئی کے لئے کوششیں وقف کر دے۔ اگر مرض طول پکڑ جائے اور ان کے مزاج میں چڑچڑاپن اور شدت آجائے تو بھی نہایت نرمی و احسان کے ساتھ نبھائیں بلکہ بوڑھے والدین کی خدمت میں موقع غنیمت جائیں۔

قال رجل يا رسول الله صلى الله عليه وسلم من احق بحسن صحابتي قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال ابوك و في رواية قال امك ثم امك ثم اباك ثم ادناك ثم ادناك (بخاری ۲: ۸۸۳)

ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ کے یہاں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں! پھر عرض کیا اور کون؟ تیری ماں، پھر عرض کیا اور کون؟ فرمایا تیری ماں! تیسری اور چوتھی بار آخر میں فرمایا تیرا باپ اس کے بعد درجہ بدرجہ تیرے قریبی رشتہ دار یعنی ماں اور باپ کے بعد ان کے قریبی رشتہ دار بھی حسن سلوک کے مستحق ہیں۔

اس حدیث مبارک سے اظہر من الشمس ہے کہ اولاد پر ماں کا حق باپ کی نسبت تین گنا زیادہ ہے۔ اگرچہ ادب و تعظیم میں باپ زیادہ مستحق ہے سورہ لقمان میں ارشاد خداوندی ہے ان شکر لی ولو الیدیک رب کریم خالق ہوتے ہوئے اپنی شکرگزاری کا حکم دیتا ہے اور متصل والدین کی شکرگزاری کا بھی۔ یعنی اللہ کریم نے بندے کو اپنی شکرگزاری کیساتھ والدین کی شکرگزاری کو بھی واجب ٹھہرایا ہے۔ والدین کی عظمت کا یہ انتہائی بلند نمونہ ہے اور سب سے زیادہ سعادت مند وہی شخص ہوگا جو والدین کا زیادہ میطیع و فرمانبردار ہو، اسے ابدی سعادت میسر آتی ہے ربّ ارحمہما کما ربّانی صغیرا

ماں باپ کے لئے یہ دعاربِ ارحمہما کما ربیبانی صغیرا والی کے سلسلہ میں محشی
مراق الفلاح علامہ سید احمد طحاوی نے عبارت خطبہ کتاب میں آیت مبارکہ مسطورہ کا ماں
باپ کے حق میں پڑھنا دعائے ننگے کا فائدہ بتلایا ہے یعنی دعاربِ ارحمہما کما ربیبانی
صغیرا هو مفتاح الرزق (پ ۱۵، آیت ۲۵، سورہ نبی اسرائیل)

خدمت والدین میں جنت ہے

قال رسولُ اللہ ﷺ رَغِمَ انْفُه رَغِمَ انْفُه قيل من يارسول اللہ ﷺ
قال من ادرك والديه عند الكبر احدهما او كلاهما ثم لم يدخل الجنة (مسلم ص ۳۱۴)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد
فرمایا اسکی ناک خاک آلود ہو (یعنی ذلیل ہو) تین دفعہ آپ نے یہی فرمایا - صحابہ کرام
نے عرض کیا یا رسول اللہ! کون ذلیل ہوا، وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے جواباً فرمایا وہ شخص
جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو یا
دونوں کو، پھر وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا یعنی انکی خدمت و وفاداری نہ کر کے جنت حاصل
نہ کر سکا۔

واضح ہو کہ والدین کی خدمت کا صلہ جنت - خدا تعالیٰ کی رضا اور ابدی سعادت ہے -
سعادت مند وہ ہے جسے یہ دولت میسر آجائے۔

عن ابی سعید بن الساعدي رضی اللہ عنہ قال بینا نحن عند رسول
اللہ ﷺ ان جاءه رجل من بنی سلمة فقال یا رسول اللہ ﷺ هل بقی
من ابوی شیء ابرہما بہ بعد موتہما قال نعم الصلوۃ علیہما
والاستغفار لہما وانفاذ عہدہما من بعدہما صلة الرحم التي لا توصل

الابھما واکرام صدیقھما (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم بہت سارے حضور اکرم ﷺ کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ عرض کرنے لگا: اے اللہ کے رسول! ماں باپ کے وفات پا جانے کے بعد ان کا کوئی حق باقی اولاد پر باقی رہتا ہے؟ (یعنی جسے ادا کرے) آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں بہت ہے، اسکے حق میں دعا و استغفار کرو اور جو جائز وصیت کر گئے ہیں، اس کو پورا کرو اور والدین سے جن لوگوں کا رشتہ داری کا تعلق ہے ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو اور باپ کے دوست اور سنگت والوں کی عزت اور خاطر داری کرو۔

حدیث مبارک سے صاف ظاہر ہے والدین کے اقارب و مخلصین سے حسن سلوک رکھنا ان کی روحوں کو خوش کرنا ہے اور اپنے ماں باپ کی یاد تازہ رکھنی ہے، اسپر اللہ اجر عطا فرمائے گا۔

حق زوجہ عن حکیم بن معاویۃ رضی اللہ عنہ القشیری عن

ابیہ قال قلت یا رسول اللہ ما حق زوجة احدنا علیہ؟ قال ان تطعم
اذا طعمت وتکسوہا اذا اکتسیت ولا تضرب الوجه ولا تقج ولا تھج

فی البیت (ابوداؤد شریف ص ۲۱۲)

ترجمہ: حضرت حکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں میں نے حضور نبی کریم

ﷺ سے عرض کیا کسی بھی شخص کی بیوی کا اپنے شوہر پر کیا حق ہے؟ آنحضرت ﷺ نے

فرمایا مطابق استطاعت عمدہ کھانا کھلانا، عمدہ لباس پہننانا، اور غیظ و غصہ میں اس کے منہ

پر طمانچہ یا مکانہ مارنا اور اس سے علیحدگی نہ کرنا ہاں بوجہ غصہ گھر میں علیحدہ لیٹ لینا جائز ہے

چہرے پر نہ مارے، اسکو بددعا نہ دے۔ اگر بیوی سے ترک تعلق کرے، تو صرف گھر کی چار دیواری

تک باہر پتہ نہ چلے۔ تفصیل یہ کہ اگر کوئی بیوی ناشکری اور بدگو ہے، تو اولاً اسے نرمی اور محبت سے نصیحت کے طور پر سمجھانے کی کوشش کرے۔ اگر راہ راست پر نہیں آتی، تو اس سے الگ بیٹے، گھر میں اسکے ساتھ موافقت و پیار ترک کر دے اور باہر بات نہ جانے دے، کیونکہ شرافت کے منافی ہے۔ اگر پھر بھی سبک پارہتی ہے تو پھر مار کٹائی کر سکتا ہے، لیکن ایک حد تک، ہڈی توڑنے یا لہولہان کرنے، زخمی کرنے کی شریعت میں ممانعت ہے، پھر بھی چہرہ پر تھپڑ یا کوئی شے نہ مارے، کیونکہ اس سے اللہ کریم کی قدرت کے کرشمہ کی ہتک ہوگی۔ دوسرا یہ کہ چہرہ وہ شرافت والا عضو ہے جو بوقت دعا و سوال اللہ کی بارگاہ میں اٹھتا ہے اور بوقت دعا انسان اللہ کی حضرت میں چہرہ سے دیکھتا ہے دوسرا یہ کہ خدا تعالیٰ کے حضور عجز و نیاز کے وقت منہ کو مٹی پر ٹیک کر رب کریم کی سبحانیت کے نغمے پڑھتا ہے (جتنا ہو سکے مزید بیوی سے تعلق جوڑا جائے)

قال رسول اللہ ﷺ لَا يَغْفِرُ مَوْنٌ مَوْمنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخِرَ (مسلم ۱/۴۷۵)

ترجمہ: کوئی مومن شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت پسند نہیں آتی، تو دوسری کوئی چیز اچھی و پسندیدہ ہوگی۔

حدیث مبارک سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ محض کسی نازیبا حرکت پر جو حرام نہیں ہے، دل میں دائمی نفرت نہیں بٹھالینی چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ کئی دوسری صفات اسمیں فی الواقع اچھی ہوں اور کوئی بھی انسان ہو اس میں کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے بالکل ہی پاکیزہ اور فرشتہ صورت و سیرت ہونا مجال سے باہر ہے۔

اہل و عیال پر نفقہ صدقہ ہے قال رسول اللہ ﷺ إِذَا انْفَقَ

الرَّجُلُ عَلَىٰ أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ (متفق علیہ) (بخاری ص ۱۳) رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بندہ جب اپنے گھر والوں پر آخرت میں اجر پانے کی نیت اور ثواب کی خاطر خرچ کرتا ہے، تو یہ اسکے لئے صدقہ ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے اگر کوئی بندہ عام فقراء یا لوگوں پر خرچ کرتا ہے، تو اس کے ایک ثواب ملتا ہے اور اگر گھر والوں اور اقارب میں خرچہ کرے، تو دو ثواب ملتے ہیں۔ ایک صدقہ کا ثواب اور دوسرا صلہ رحمی اور قرابت کا ثواب ملتا ہے۔ حدیث مبارک سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بندے کو اقارب میں دل کھول کر خرچہ کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں کہ نفلی صدقے کرے یا نہ کرے ہاں البتہ واجب صدقے غرباء اور ضعفاء میں تقسیم کرے۔

عورت کا استحقاق جنت: قال رسول الله ﷺ المرأة اذا صلت

خمسة و صلت شهرها و احصنت فرجها و اطاعتت بعلمها فلتدخل من اي ابواب الجنة شاءت (مشکوہ ص ۲۸۱)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت جب کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہ رمضان مبارک کے رکھے اور اپنی آبرو اور شرمگاہ کی حفاظت کرے، اپنے شوہر کی اطاعت کرے، وہ جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے گزرے اور جنت میں داخل ہو جائے

صفات زوجہ صالحہ قيل يا رسول الله ﷺ اي النساء خير قال

التي تسره اذا نظر و تطيعه اذا امر و لا تخالفه في نفسها و مالها بما يكره (نسائی شریف ص ۱۷، نسائی شریف ۱/۷۱)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! کون سی بیوی بہتر اور اچھی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا وہ خوش بخت بی بی جو اپنے شوہر کو خوش لگے۔ جب اس کی طرف نظر

نظر کرے، اسے دیکھے، جب اسے حکم کرے، وہ اطاعت کرے، خود اپنے اور اپنے مال کے بارے میں کوئی ایسا ناپسندیدہ رویہ اور مال غلط طریق سے استعمال نہ کرے جو شوہر کو ناپسند ہو۔

مال سے مراد سارے گھر کا اثاثہ ہے اور وہ مال جو مالک ہونے کی حیثیت سے خاوند نے جو کچھ اس کے سپرد کیا ہے، بقدر ضرورت خرچ کرے اور پوری حفاظت کرے۔

عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال لما نزلت والذین یکنزون الذہب و الفضة الخ (سورۃ توبہ: پارہ ۱۰، رکوع ۱۱، آیت ۳۴)

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَقَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ نَزَلَتْ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ لَوْ عَلِمْنَا أَيُّ الْمَالِ خَيْرٌ فَلَنَتَّخِذْهُ فَقَالَ أَفْضَلُهُ لِسَانُ ذَاكِرٍ وَقَلْبُ شَاكِرٍ وَزَوْجَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُعِينُهُ عَلَى دِينِهِ (ترمذی ۱۳۶/۲)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ کے صحابی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ سفر میں تھے۔ اثنائے سفر یہ آیت کریمہ والذین یکنزون الذہب و الفضة نازل ہوئی تو ہم میں سے بعض ساتھیوں نے کہا کہ یہ آیت سونا چاندی جمع کرنے کے سلسلہ میں اتری ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حرص مال کی بنا پر سونا چاندی جمع کرنا پسندیدہ نہیں ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ دنیا کی زندگی میں کونسا اور کس نوعیت کا مال عمدہ اور بہتر ہے تو اسکے اکٹھا کرنے کی سوچیں اور فکر کریں۔ آپ نے فرمایا بندے کی زندگی کا سب سے عمدہ اور بہتر ذخیرہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والی زبان ہے اور اس کے شکر کے جذبے سے معمور، دل متفکر اور تیسری چیز زوجہ صالحہ نیکو کار بیوی اور عبادت گزار، جو دین کی راہ چلنے میں اپنے شوہر کی مددگار بنتی ہے

حدیث مبارک سے واضح ہے اللہ تعالیٰ کو ذکر لسانی زیادہ پسند ہے کیونکہ یہ عمل خود زبان

سے پوری توجہ کے ساتھ جاری ہوتا ہے اور اسی کو عملی نمونہ کہا جاتا ہے اور وہ نیک دل بیوی جو اپنے شوہر کے ساتھ تنگی اور کمزوری میں بھی صبر و شکر کے ساتھ رفاقت رکھتی ہے اور دین کی راہ چلنے میں سہارا بنتی ہے۔ کشادہ دلی سے پیش آتی ہے۔ حقیقت میں ایسی بیوی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے اور مرد کی خوش قسمتی ہے۔

حقوق اولاد ان رسول اللہ ﷺ قال ما نحل والد ولدہ من نحل

افضل من ادب حسن (ترمذی شریف ۲-۱۷)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے، اس میں سب سے بہتر عطیہ اور عمدہ حصہ اسکی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔ دین سکھانا خصوصاً نماز پڑھنے کی عادت ڈالنا، سچ بولنے کا درس دینا اور ہاتھ سے کام کرنے کی ترغیب دینا، شرافت کی زندگی گزارنے کا طریقہ کار سکھانا، برے معاشرہ سے دور رکھنا۔ یہ سب امور اچھی تعلیم و تربیت ہیں۔

نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے ان رسول اللہ ﷺ قال اذا مات

الانسان انقطع عمله الا من ثلث صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع به او ولد صالح یدعو له (مسلم ۴۱/۲)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب انسان فوت ہو جاتا ہے اس کے تمام عمل زندگی منقطع ہو جاتے ہیں، سوائے تین اعمال کے کہ ان کردہ اعمال کا ثواب مرنے کے بعد بھی اس کو ملتا اور پہنچتا رہتا ہے، مثلاً زندگی میں کوئی صدقہ جاریہ کر جائے یا ایسا علم چھوڑ جائے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں یا اولاد صالحہ میں سے کوئی عامل صالح اسکے حق میں بخشش و عفو کی دعا کرتا ہے۔

تفصیل یہ کہ حدیث مبارک میں تین امور مذکورہ میں ہر ایک کا نفع و فائدہ مختلف اور عمدہ ہے، لیکن دولت علم اور ولد صالح کو اول الذکر پر ترجیح ہے اور اس فقیر کے نزدیک علم کی نسبت ولد صالح کہیں زیادہ شرافت و اعزاز اور منافع کثیرہ و کاخزینہ ہے۔ اگرچہ علم کا نفع بھی کثیر ہے مگر ولد صالح مخلص سے نیت کو دو گنہ مزید ثواب و اجر ملے گا، بلکہ اس کی صلاح سے معاشرہ میں صلاح پیدا ہوگی اور آخرت میں اتار ب و احباب کے لئے شفیع بھی ہوگا۔

اللهم ارزقنا ولداً صالحاً حكيماً عليماً جسيماً فضيلاً وعلماً نافعاً
مباركاً كثيراً ومالاً طيباً حلالاً مباركاً كثيراً

دختر نیک اختر کی تعلیم و تربیت کا صلہ قال رسول الله ﷺ من

كانت له انثى فلم يئدها ولم يوتر عليها يعنى الذكور ادخله الله الجنة
(ابوداؤد شریف ص ۲/۲۱۲)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کے یہاں بیٹی، بیٹی پیدا ہوئی، اس نے بیٹی کی حفاظت اور پرورش کی اور زمانہ جاہلیت کی طرح اسے زندہ درگور نہ کیا اور اس کو حقیر خیال نہ کیا اور نہ ہی اہانت کی اور نہ ہی لڑکوں کو اسپر ترجیح دی، یعنی تمام اولاد سے برابر کا سلوک کیا تو اللہ کریم ایسے لوگوں کو جنت میں داخل فرمائے گا اور بہشتی بنائے گا۔ حدیث مبارک سے یہی واضح درس ملتا ہے کہ بیٹیاں ہوں یا بہنیں ہوں، ان کی کفالت میں بخل اور تعلیم و دین داری میں لاپرواہی نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ان دختران اور ہمشیرگان سے اچھا سلوک اور حسن ملاطفت، مروت و احسان سے پیش آنا چاہیے اور تمام گھریلو امور اچھے طریقے سے سکھانے چاہئیں ان کو وبال جان نہیں خیال کرنا چاہیے بلکہ رحمت الہیہ یقین کرنا چاہیے۔

ایک روایت میں مزید آتا ہے من ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَاحْسَنَ
 اليهن كن له سِتْرًا مِنَ النَّارِ (بخاری و ترمذی ۱۳۱۳)
 ترجمہ: رسول کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے جس شخص کو ان بچیوں، بیٹیوں کی وجہ سے
 آزمائش میں ڈالا گیا پھر اس نے اپنی بچیوں سے اچھا سوک کیا، مروت و احسان سے
 پیش آیا تو یہ بچیاں اسکے لئے جہنم سے پردہ بن جائیں گی یعنی باپ اور دوزخ کے مابین
 حائل ہوں گی۔

مقصد یہ کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا تو اس بندہ کو جنت میں داخل فرمائے گا
 کیونکہ بچیوں کے ساتھ حسن سلوک انتہائی احسان اور صدقہ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ احسان
 کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

عن ام سلمة قال قلت يا رسول الله هل اجر لي في بنى سلمة ان اندق
 عليهم ولست بتاركهم هكذا وهكذا انما هم بنى فقال نعم لك اجر ما
 انفقت عليهم (بخاری ۲/۸۰۹ و مسلم ۱/۳۲۳)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے
 دریافت کیا کہ ابو سلمہ (پہلا خاوند) کے بیٹوں پر خرچ کرنے سے مجھے کوئی اجر ملے گا؟
 اور میں انہیں اس طرح محتاج در بدر پھرنے کے لئے بھی نہیں چھوڑ سکتی کیونکہ وہ میرے
 بیٹے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہاں ضرور ثواب ملے گا، جو کچھ تم ان پر خرچ کرو گی۔
 چنانچہ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پہلے خاوند کی کنیت ابو سلمہ تھی۔ ان کی وفات کے بعد
 آپ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئی تھیں تو ابو سلمہ سے ام المومنینؓ کے جو بچے تھے ان
 پر نفقہ، خرچہ کا مسئلہ پوچھا تھا، تو آپ نے صلہ رحمی اور قرابت داری سے نہایت احسان سے
 پیش آنے کی ترغیب دیتے ہوئے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا

اجر کفالت یتیم قال رسول اللہ ﷺ انا وكافل الیتیم له

ولغیره فی الجنۃ ہکذا و اشار بالسبابة و الوسطی و فرج بینہما

(بخاری جلد دوم ص ۸۸۸)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کا سرپرست نیز دوسرے محتاجوں کا

سرپرست (نیک دل) ہم دونوں اکٹھے جنت میں اس طرح قریب ہوں گے، یہ فرما کر

آپ نے اپنی درمیانی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا

سا فاصلہ رکھا احسان کے ساتھ یتیموں کو پالنے والے، محتاجوں کی ذمہ داری لینے والے

بہشت میں آنحضرت ﷺ کے قریب ہوں گے۔ یہ بشارت عامہ ہے جو ہر حاجت مند سے

حسن سلوک سے ذمہ داری نبھائے گا خدا تعالیٰ کی رحمت اس بندے پر سایہ کرے گی۔

ان رجلا شکا الی النبی ﷺ قسوة قلبہ قال امسح رأس الیتیم

و اطعم المسکین (مشکوہ شریف الفصل الثالث ص ۴۲۵)

ترجمہ: ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے ہاں اپنی سنگدگی اور سخت عادت کا ذکر کیا، تو اس

پر آپ نے فرمایا یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔

دائے کائنات ﷺ کی عادت مبارکہ تھی جس شخص میں کوئی کمزوری محسوس فرماتے تو اس کو دور

کرنے کے لئے صرف اسی کمزوری کا دفاع فرماتے۔ سنگ دل آدمی کو یتیموں اور مسکینوں سے

میل ملاپ اور کھانا کھلانے کا حکم دیتے کہ جب یہ شخص ان بے کسوں، درد کے ماروں

اور ناتوانوں سے مل بیٹھے گا ان کی حاجات پر سوچے گا، تو نوع انسانی کے جذبات، باہمی اشتراک

کی چمچ سے ابھریں گے۔ ان کی ناتوانی اور کمزوری اسکی آنکھوں میں پھرے گی، تو آنکھیں

تصور درد و حاجت اس کے دل پر نقش کریں گی۔ ہمہ اوقات ولولہ دل میں ابھرے گا، دل پانی

ذَٰلِكَ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ وَلَا يَجِلُّ لَهَا أَنْ يَثُوبَهُ عِنْدَهُ حَتَّى يَحْرَجَهُ
(بخاری ۹۰۶/۲)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی خاطر مزار کریں۔ انعام و عطیہ کا ایک دن رات ہے (یعنی پہلا دن پورے انعام و عطیہ، احسان و اکرام سے عمدہ عمدہ کھانا کھلائے اور مہمان تین دن تک ہے یعنی دوسرے اور تیسرے دن بھی پورے زور دار اور بھرپور تکلف سے مہمانی ضروری نہیں) اسکے بعد جو کچھ وہ اہتمام کرے گا، خدمت خاطر بجالائے گا وہ سب صدقہ ہوگا اور مہمان کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں بیٹھ رہے یہاں تک کہ وہ حرج اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے۔

حدیث مبارک میں مہمان و میزبان دونوں کو ہدایت دی گئی ہے میزبان کو اس بات کی وہ اپنے مہمان کی خاطر کرے اور خاطر کرنے کا مطلب صرف سیر کر کے کھلانا پلانا نہیں ہے بلکہ ہنس کر بولنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا کشادہ قلبی اور دریا دلی سے ٹھکانا دینا ہے تاکہ مہمان کا دل مطمئن اور راضی رہے اور مہمان کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب کسی کے یہاں بطور مہمان جانے تو احتیاط سے کام لے اور وہیں دھرنا مار کر نہ بیٹھ جائے تاکہ دوسرے تنگی میں نہ پڑ جائیں۔ چنانچہ مسلم شریف میں ایک روایت اسی کی تشریح کے طور پر ہے جس میں آپ نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ساتھی اور بھائی کے پاس اتنا قیام کرے کہ اس کو پریشانی میں مبتلا کر دے۔ حاضرین مجلس اقدس نے دریافت کیا اے اللہ کے سچے رسول ﷺ وہ مہمان کس طرح پریشانی میں ڈالے گا، وہ کونسی صورت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ اس طرح کہ مہمانی اختیار کئے ہوئے وہیں ڈیرہ ڈال لے اور مال کم ہونے کی صورت میں میزبانی کے لئے کچھ نہ بچے اور وہ شرمندگی میں مبتلا ہو جائے۔

رعایت حق ہمسایہ قال النبی ﷺ مازال جبریلُ یوصیننی

بالجارحتی ظننتُ انه سیورثہ (بخاری جلد دوم ص ۸۸۹)

ترجمہ: آنحضرت کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جبریل امین میرے یہاں آتے اور پڑوسی کے ساتھ مجھے برابر سلوک کے تلقین کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ پڑوسی کو پڑوسی کا وارث بنا دیں گے۔

قال رسول اللہ ﷺ یا ابا ذرٍ اذا طبختَ مَرَقَةً فاکثِرْ ماءَها وتعاہد

جیرانک

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: ابو ذر جب تو شوربہ پکائے تو کچھ پانی زیادہ کر دے اور اس سے اپنے پڑوسیوں کو سنبھالا کر۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قال قلت یا رسول اللہ ان لی جارین

فالی ایہما اُهدی قال الی اقربہما منک بابا (بخاری جلد دوم ص ۸۹۵)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے

دریافت کیا میرے دو پڑوسی ہیں، ان میں سے کس کے ہاں ہدیہ بھیجوں؟ آپ نے فرمایا

جس ہمسائی کے گھر کا دروازہ تیرے دروازہ سے زیادہ قریب ہو۔

ہمسایہ سے جنت یا جہنم قال رجلُ یا رسول اللہ ﷺ ان فلانة

تُذکر من صلاتہا وصیامہا وصدقہا غیر انها تُؤذی جیرانہا بلسانہا

قال ہی فی النار قال یا رسول اللہ ﷺ فان فلانة تُذکر قلة صیامہا و

صدقہا وصلاحہا وانہا تصدق بالاثوار من الاقط ولا تؤذی بلسانہا

جیرانہا قال ہی فی الجنة (مشکوہ ص ۴۲۴)

ترجمہ: ایک آدمی نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر دریافت کیا یا رسول اللہ فلاں عورت کثرت سے نوافل، نمازیں پڑھتی ہے، کثرت سے نفل روزے رکھتی ہے، کثرت سے صدقہ کرتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو زبان سے بہت تکلیف ورنج پہنچاتی ہے یعنی بدگوئی اور بدزبانی کرتی ہے۔

آپ نے فرمایا: وہ جہنم میں جائے گی۔ اسی آدمی نے پھر دریافت کیا اے اللہ کے سچے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام فلاں عورت کے بارے میں کہا جاتا ہے وہ کم نفل روزے رکھتی ہے، بہت کم نفل نمازیں پڑھتی ہے۔ ہاں پنیر کے کچھ ٹکڑے بطور صدقہ گاہے گاہے دے دیتی ہے، لیکن زبان پاک ہے، ہمسایوں پڑوسیوں کو کوئی تکلیف اور رنج نہیں پہنچاتی۔ آپ نے فرمایا وہ جنت میں جائے گی۔

چنانچہ حدیث مبارک سے واضح ہوا کہ موذی آدمی برا ہوتا ہے اور صلاح والا نیک ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ کسی مسلمان کے دل کو رنج کرنا اور دکھی بنانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی جرم ہے کہ اس سے رحمت خداوندی سے محرومی ہو جاتی ہے اور کسی کے دل کو راحت پہنچانی اور دل کو راضی رکھنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے رحمت و فضل حاصل کرنا ہے اور لوگوں کی رضا پر اللہ کریم کی رضا آتی ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے یہ شعر سینہ بہ سینہ میسر آیا ہے انہوں نے کرامت کے طور پر قبر میں مدفون ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر قبر سے باہر کر دیا تھا۔ شعر فارسی میں ہے۔ اگر فقیر سے شعر میں غلطی ہو تو اصلاح کی جائے۔

جملہ فنون شیخ نیرزد نیم خس راحت بدل رساں کہ ہمیں مشرب است و بس
زعایت حق فقرا و مساکین قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ

عزوجل يقول يوم القيامة يا ابن آدم استطعمتك فلم تطعمني قال

يَا رَبِّ كَيْفَ أَطْعَمَكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَا اسْتَطْعَمَكَ
عَبْدِي فَلَنْ فَلَمْ تَطْعَمَهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَهُ رَاكَ عِنْدِي يَا
ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتَكَ فَلَمْ تَسْقِنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اسْقَيْكَ وَأَنْتَ رَبُّ
الْعَالَمِينَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فَلَنْ فَلَمْ تَسْقِهِ أَمَا أَنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ
لَوَجَدْتَهُ ذَلِكَ عِنْدِي (مشکوہ شریف ص ۱۳۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ
تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے
نہیں کھلایا۔ تو وہ بندہ عرضاً استفسار کرے گا، اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا حالانکہ
تو تو جہانوں کا پروردگار ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے خبر نہیں ہے کہ تجھ سے میرے فلاں
بندے نے کھانا مانگا تھا تو نے نہ کھلایا اگر تو اس کو کھلاتا تو اپنے کھلائے ہوئے کھانے کو
میرے یہاں پاتا، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے مجھے نہیں پلایا
تھا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا جب کہ تو خود رب
العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو
نے نہیں دیا اگر تو اس کو پانی پلاتا تو وہ پانی میرے یہاں پاتا۔

خلاصہ حدیث مبارک یہی نکلتا ہے کہ لوگوں کے دل راضی رکھنے سے اللہ تعالیٰ کی رضا
و رحمت، بہشت اور قرب حاصل ہوتا ہے، لیکن یہ حصہ کسی خوش قسمت کو ہی نصیب ہوتا ہے۔
ہر کس را ہمت او نیست۔

نگہداشت حاجت مند قال النبی ﷺ السّاعی علی الارملة و
المسکین کالمجاہد فی سبیل اللہ و أحسبہ و کالقائم الذی لا یفتر و ما
الصائم الذی لا یفطر (بخاری و مسلم ۸۸۸/۳)

ترجمہ: کسی بیوہ، بے سہارا اور مسکین کی حاجت روائی کے لئے جو کوشش کرتا ہے
انہی ہر طرح سے مدد اور تعاون کرتا ہے، وہ مجاہد کی مانند راہ خدا میں لڑنے والا ہے
اور وہ اس کی مانند ہے جو فرائض کے بعد رات بھر خدا تعالیٰ کے حضور کھڑا رہتا ہے، تھکتا
نہیں اور اس روزہ دار کی طرح ہے جو زندگی بھر روزے رکھتا ہے۔

حق خادم و مملوک: قال رسول اللہ ﷺ المملوك طعامه وكسوته

ولا يكلف من العمل الا ما يطبق (مسلم شریف ۵۲/۳)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے تمہارے غلاموں اور باندیوں کا حق
ہے کہ انہیں اچھا کھانا کھلایا اور لباس پہنایا جائے، انکی ہمت کے مطابق کام لیا جائے یعنی
ظلم کی حد تک کام نہ لو۔ چنانچہ قبل از بعثت نبی کریم ﷺ عرب اقوام میں غلام اور باندیاں
پائی جاتی اور استعمال میں لائی جاتی تھیں اور یہ لوگ ان کے زر خرید ہوتے تھے، باقاعدہ
عرب کی منڈیوں میں غلام اور باندیوں کی خرید و فروخت ہوتی تھی، لوگ ان سے بدترین کام
لیتے اور انکی انسانیت کی کوئی قدر و قیمت نہ سمجھتے تھے، حیوانات کی طرح سلوک کرتے، جب
برکھوں والا اسلام آیا اور رحمت عالم ﷺ نے ان کے دکھوں اور تکلیفوں کا بھی مداوا کیا تو خیر
کثیر کا نفع ان بے چاروں اور ناتوانوں کو بھی نصیب ہوا۔ شفقت رحمۃ للعالمین نے انہیں
اپنی آغوش تلافی میں لیا اور تمام مسلمان سوسائٹی میں یہ ہدایت کر دی گئی کہ ان سے
انسانوں کا سا سلوک کرو۔ ان کو وہی کھلاؤ پہناؤ جو تم کھاتے اور پہنتے ہو۔ ان سے بقدر
وسعت و طاقت کام لو۔ اسی حدیث سے ماخوذ ہے، اپنے مستقل خادموں اور نجی نوکروں
کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔

چنانچہ حضرت قلابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے
پاس زمانہ گورنری میں ایک آدمی بغرض ملاقات آیا تو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھوں سے آٹا

گوندھ رہے تھے عرض کیا جناب گورنر صاحب آپ ایسے کام بھی کرتے ہیں۔ ایسا کیوں کیا کوئی خادم یا باندی نہیں ہے؟ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خادم ہے، مگر میں نے اسے ایک کام کے لئے بھیجا ہوا ہے، مجھے یہ ناپسند ہے کہ جب وہ واپس آئے تو میں اس کام میں لگا دوں اور دوہرا کام اس کے سر پر ڈال دوں، میں نے نوکر سے ہاتھ بٹائی کے طور پر آٹا گوندھنے والا کام شروع کر دیا ہے تاکہ مل جل کر کام نمٹایا جائے اور خادم ہمت سے زیادہ مشقت میں مبتلا نہ ہو۔ سبحان اللہ ماشاء اللہ

یہ تھا حسن سلوک تربیت یافتگان نبوت کا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا وَضَعَ لِحَدِثِكُمْ خَادِمُهُ طَعَامَهُ ثُمَّ جَاءَ بِهِ وَقَدَوَلَى حَرَّةً وَدُخَانَهُ فَلْيُقْعِدْ مَعَهُ فَلْيَأْكُلْ فَإِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوها قَلِيلًا فَلْيَضَعْ فِي يَدَاهُ مِنْهُ أَكْلَةً أَوْ اكْلَتَيْنِ

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کسی وقت تمہارا خادم کھانا پکائے اور تمہارے میں سے کسی کے پاس کھانا پیش کرے اور اس نے کھانا پکانے میں گرمی اور دھواں کی مشقت اٹھائی ہے تو صاحب خانہ کو چاہیے کہ خادم کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائے اگر کھانا تھوڑا ہو تو ایک لقمہ یا دو لقمے اس میں سے اپنے خادم بندے یا باندی کو ضرور دیوے۔

ما تحت سے حسن سلوک: اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَهَبَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُ غَلَامًا فَقَالَ لَا تَضْرِبْهُ فَإِنِّي نُهَيْتُ عَنْ ضَرْبِ أَهْلِ الصَّلَاةِ وَقَدْ رَأَيْتُهُ يُصَلِّي

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک غلام خادمیت کیلئے عطا فرمایا۔ ساتھ ہی تلقین فرمائی کہ اس کو مارنا پیٹنا نہیں ہے، کیونکہ مجھے نمازی

کو مارنے سے منع کیا گیا ہے۔ میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، چونکہ نماز ایک اہم عمل صالح ہے اور اس کی برکت سے انسان کو عزت اور کرامت ملتی ہے لہذا رعایت دی گئی ہے۔ نمازی بندے کی صلاح مزید کے لئے اسے بعض امور میں رعایت دی جائے اور اسکی ہتک نہ کی جائے، ورنہ دیندار شخص کی ہتک لازم آئے گی اور دیندار کی ہتک سے گویا دین کی ہتک کا اندیشہ ہے

شریک سفر کا حق: قال رسول اللہ ﷺ سَيِّدُ الْقَوْمِ فِي السَّفَرِ

خَادِمُهُمْ فَمَنْ سَبَقَهُمْ بِخِدْمَةٍ لَمْ يَسْبِقُوهُ بِعَمَلٍ إِلَّا الشَّهَادَةَ
(مشکوہ ص ۳۴۰)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کسی قوم کا سردار حالت سفر میں ان کا خادم ہوتا ہے جو شخص لوگوں کی خدمت کرنے میں سبقت لے جائے تو لوگ اس سے کسی عمل کی بدولت نہیں بڑھ سکتے سوائے شہادت کے۔ چنانچہ ایک حدیث مبارک میں سید القوم خادمہم بھی آیا ہے۔

سید القوم سے مراد عام ہے خواہ امیر قافلہ ہو یا سپہ سالار، جنرل فوج ہو یا کمانڈر انچیف، قبیلہ کا سردار ہو یا حکومتی طور پر کسی بڑے منصب و عہدہ پر فائز ہو جب کبھی ایسی صورت حالت سفر میں پیش آجاتی ہے، تو اسے چاہیے کہ اپنے ہم سفرؤں کی خدمت کرے، سہولت پہنچائے، ان کی ضروریات ان کی تمام حاجات کا لحاظ رکھے اور ان کو ہر طرح کا آرام پہنچانے کی کوشش کرے اسکا بہت بڑا ثواب ہے، اس نیکی سے بڑھ کر اگر کوئی اور نیکی ہے تو وہ یہ ہے کہ بندہ راہ خدا میں لڑتے ہوئے شہادت پا جائے۔ چنانچہ حدیث مبارک سے واضح درس یہی ملتا ہے کہ دوسرے کی دل جوئی اور تعاون بہتر عمل ہے، کیونکہ اس سے خلق خدا

کے قلوب راضی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا و رحمت اپنے بندے بلکہ ماتحت بندوں کی رضا میں رکھی ہے۔ جب کسی کے ماتحت اس پر راضی ہوں گے، تو اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہوتا اور اجر وافر عطا فرماتا ہے؟

حق مریض قال رسولُ الله ﷺ إن الله عزوجل يقول يوم القيامة

يا ابن آدم مرضت فلم تعدني قال يا رب كيف اعود بك وانت رب العالمين؟ قال اما علمت ان عبدی فلانا مریض فلم تعده اما علمت انك لوعدته لو جدتني عنده (مسلم شریف جلد دوم ص ۳۱۸)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کریم دریافت فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تھا، تو نے میری عیادت، بیماری پر سی اور دل جوئی نہیں کی تھی، بندہ عرض کرے گا: اے میرے رب کریم! میں تیری عیادت کیسے کرتا تو خود رب العالمین ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا، تو تو نے اسکی عیادت نہیں کی، اگر تو اسکی عیادت کے لئے جاتا تو اسکے پاس مجھے پاتا کیا تو اسکی خبر نہیں رکھتا چنانچہ حدیث مبارک میں صرف عیادت کا لفظ ہے، مگر مراد عام ہے کہ اگر مریض تنگ دست محتاج ہے تو پوری دل جوئی سے اس کی دوا بھی مہیا کی جائے تاکہ نادار کو مزید تسلی و تشفی حاصل ہو اور محرومی دور ہو جائے اور اگر تنگ دست نہیں تو پھر دوا یا حکیم لانے کی چارہ جوئی کی جائے، ہو سکتا ہے کہ وہ اس حالت میں ہو کہ اس کو دوا لادینے والا کوئی نہ ہو، اس لئے بوقت عیادت ان باتوں کی پوری فکر کرنی چاہیے اور عیادت بھی عامہ مراد ہے۔ علاوہ ازیں مریض مسلم ہو یا غیر مسلم، شریعت کی کشادگی کی بدولت غیر مسلم پڑوسی یا تعلق دار کی بھی عیادت کی جائے۔ مشکوٰۃ شریف اور بخاری و مسلم شریف میں موجود ہے۔

كان غلام يهودي يخدم النبي ﷺ فمرض فأتاه النبي ﷺ عليه السلام فمرض فأتاه النبي ﷺ عليه السلام
 يعودُه فقعد عند رأسه فقال له أسلم فنظر إلى أبيه وهو عنده
 فقال أطع أبا القاسم فأسلم فخرج النبي ﷺ وهو يقول الحمد لله
 الذي أنقذه من النار (بخاری و مشکوٰۃ ، مسلم ، ابوداؤد ۳۲/۲)

ترجمہ : زمانہ اقدس نبوی میں ایک یہودی نوجوان لڑکا آنحضرت ﷺ کی خدمت
 کیا کرتا تھا۔ اسی زمانہ میں وہ بیمار ہو گیا آنحضرت کریم ﷺ اس کی عیادت کرنے تشریف
 لے گئے۔ ازراہ شفقت و رحم آپ کریم اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا اے نوجوان
 تو اسلام قبول کر لے عاشق بیمار نے بڑی حسرت و تمنا سے آنسو بہاتے ہوئے نظریں
 پھیریں؟ گویا آنکھوں کو عین سوال بنا کر اجازت طلب کرنے کی جھلک تھی۔ قریب بیٹھے
 ہوئے باپ نے نیک دل اور سعادت مند بیٹے کی سعادت مندی کو چار چاند لگائے و فور
 شوق سے فوراً کہا: ابوالقاسم رحمت عالم ﷺ کی اطاعت کر یعنی اسلام قبول کر لے، شفاعت
 و رحمت اخرویہ سے نصیبہ وافر حاصل کر لے۔ شاید ایسی خوش بختی اور رحمۃ للعالمین ﷺ کی
 اطاعت کی گھڑی پھر میسر نہ آئے فاسلم فوراً اسلام قبول کرتے ہوئے پڑھنے لگا شہد ان
 لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبده ورسوله پھر حضور نبی کریم ﷺ یہ فرماتے
 ہوئے اسکے گھر سے باہر آئے اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر (والحمد للہ) اللہ تعالیٰ نے اس کو
 دوزخ سے بچالیا اور جہنم سے دور کر کے اپنے دربار رحمت میں لے لیا۔

چنانچہ پاکیزہ سیرت و خوش صورت ذات بابرکات ﷺ کے خصائل حمیدہ اور اوصاف
 نبویہ سے دوست، دشمن سب واقف تھے، تمام اقوام دل سے تسلیم کرتے تھے۔ دوسرا یہ
 کہ تمام یہودی آپ کے دل سے دشمن نہ تھے، ان کے مختلف قبائل تھے۔ بعض آپ سے
 مروت کی صورت میں بہہ دل سے معترف اور ظاہر و زبان سے کوئی ایذا اور نینج نہیں دیتے تھے،

بلکہ آپ کی خیر و صلاح پر خوش ہوتے موافقت کرتے، اس جوان بیٹے کے باپ کے حضور نبی کریم ﷺ سے ذاتی مراسم تھے اور تعلقات مخلصانہ وابستہ تھے اسی لئے اس نے اپنے بیٹے کو حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت کے لئے حوالہ کر دیا تھا اور اس پر راضی تھا اور غالباً بخت و سعادت ازلی کارگر ہوئی، باپ، بیٹا دونوں موافقت میں ہو گئے۔

حق مسلم بر مسلم قال النبی ﷺ فی حجۃ الوداع الا ان اللہ حرم

علیکم دماءکم و اموالکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شہرکم هذا الا اهل بلغث؟ قالوا نعم قال اللهم اشهد ثلاثاً و یلکم او و یحکم انظروا لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض (بخاری ۱/۲۳۳، ۲/۱۰۰۳، ۲/۱۰۲۸)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ نے اپنے آخری خطبہ حج میں جس کے بعد آپ دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ امت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا، سنو اللہ تعالیٰ نے تمہارے خون اور مال و آبرو کو محترم عزت والا قرار دیا ہے جس طرح تمہارا یہ دن حج محترم، یہ مہینہ اور یہ شہر محترم ہیں۔ لوگو! کیا میں نے تم کو مکمل تبلیغ فرمادی۔ تمام صحابہ نے بیک زبان عرض کی کہ اے سچے رسول! آپ نے تمام احکام پہنچا دیئے۔ پھر آپ نے فرمایا اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے کھلا بیان کر کے امت تک پہنچا دیا۔ میں نے تیرا پیغام امت کو پہنچا دیا۔ لوگو سنو! غور سے سنو۔ دیکھو میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم مسلمان ہو کر آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، پھر اسی سابقہ روش پر ایک دوسرے کے خلاف قتل پر آمادہ ہو جاؤ، ایسا ہرگز نہ ہو، ہمیشہ صلح اور امن و سلامتی کو اپنا شعار بنا لو۔ اقوام عالم کے سامنے ایک صالح طرز زندگی پیش کرو۔

باہمی رحمت و مودت: قال رسول اللہ ﷺ تری المؤمنین

تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى

(بخاری شریف ۲/۸۸۹) (مسلم شریف ۲/۳۲۱، مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۲)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے مخاطب تو مسلمانوں کو آپس میں رحم کرنے، ایک دوسرے سے محبت کرنے اور باہمی جھکاؤ میں دیکھے گا جیسے جان واحد کے ایک جسم کا حال ہے۔ جسم کے کسی ایک عضو کو کوئی مرض، تکلیف ہو تو جسم کے باقی سارے اعضا یعنی پورا جسم بے خوابی، تکلیف ورنج کے ساتھ چور ہو جاتا ہے۔

جسم کی مثال دے کر آپ نے تمام مسلم برادری کو ایک دیوار کی حیثیت دی ہے، گویا افراد ملت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور اسی میں مکمل استحکام ہے۔

اخوت عمارت محکم ہے: قال النبی ﷺ المؤمن كالبنیان یشد

بعضه بعضا ثم شبك بين اصابه ، (بخاری ۲/۸۹۰، مشکوٰۃ ص ۴۲۲)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایک فرد مسلم دوسرے مسلمان کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو تقویت پہنچاتا ہے پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے بتایا کہ مسلم برادری ایک دوسرے سے مل کر مانند خانہ/خانہ جات جال پروئے ہوئے ہیں۔

چنانچہ آنحضرت کریم ﷺ نے امت کو دیوار سے تشبیہ دے کر واضح فرمادیا کہ جس طرح بکھری اینٹیں باہم جڑ کر ایک مضبوط عمارت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اسی طرح مسلمانوں کی قوت کارازان کے آپس میں جڑنے اور ایک رائے میں ہے ورنہ پانی کا ہریلا جیسے

بکھری بکھری اینٹوں کو لڑھا کر بہا دیتا ہے اسی طرح افراد امت بھی خس و خاشاک کی طرح ہریل باطل میں بہہ جائیں گے اس لئے آنے والی حدیث مبارک میں ایک دوسرے پر ایثار و پردہ داری کا حکم دیا ہے تاکہ درگزر کی صورت میں ایک دوسرے کا پردہ بن جائیں۔

ان رسول اللہ ﷺ قال المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يسلّمه ومن كان في حاجة أخيه كان الله في حاجته ومن فرّج عن مسلم كرباً فرّج الله عنه كرباً من كربات يوم القيامة ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة (بخاری و مسلم ۳۲۰/۲)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ تو وہ اسپر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو بے یار مددگار چھوڑتا ہے اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ کریم اس کی حاجت پوری کریگا اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی پریشانی دور کرے گا اللہ کریم قیامت کے دن اسکی پریشانی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی پردہ پوشی فرمائے گا۔

چنانچہ آخری الفاظ حدیث میں مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالنے کی ترغیب دی گئی ہے، لیکن وہ عام نہیں ہے، بلکہ صرف نیک دل، صالح مسلمان کے عیب تک محدود ہے کہ انسان خطا کار ہے۔ اگر اس سے کوئی خطا یا گناہ صریح سرزد ہو جاتا ہے اور دوسرا مسلمان اگر اس کے غلط ارتکاب پر مطلع ہو گیا ہے تو اسے چاہیے کہ اسکی پردہ داری کرے، جگہ جگہ پروپیگنڈہ شروع نہ کر دے گھر جا کر بندے بندے کو نہ بتاتا پھرے کہ اس میں یہ عیب ہے۔ خطا و گناہ کا مرتکب اگر فاجر و فاسق معین ہے اور ظاہراً حرام کاری کے درپے ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی نہ کی جائے بلکہ اس کو ظاہر کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ لوگ اسکی حرام کاری سے احتیاط و اجتناب سے پورا پورا بیچ سکیں۔ دوسری حدیث میں حدیث گزشتہ کی مزید تفصیل یہ ہے۔

صعد رسول الله ﷺ المنبرَ فنادى بصوت رفيع يا معشر من اسلم بلسانه ولم يفض الايمان الى قلبه لا تؤذوا المسلمين ولا تغيروهم ولا تتبعوا عوراتهم فانه من يتبع عورة اخيه المسلم يتبع الله عورته ومن يتبع الله عورته يفضحه ولو في جوف رحله (ترمذی شریف ۲/۲۴۲)

ایک دن حضور نبی کریمؐ نے منبر مبارک پر کھڑے ہو کر نہایت زور سے فرمایا اے لوگو! وہ جو اپنی منہ کی زبان سے اسلام لائے ہو اور تمہارے دلوں میں نہیں اترا ہے تم لوگ مسلمانوں کو ایذا مت پہنچاؤ ان کو عار و ننگ دلاؤ اور نہ ہی ان کے عیوب کے پیچھے پڑو۔ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب کے پیچھے پڑیں گے تو اللہ تعالیٰ خود ان کے پیچھے پڑ جائے گا اور جس شخص کے عیب کے پیچھے خود اللہ تعالیٰ پڑ جائیگا اسے ذلیل و رسوا کر ڈالے گا اگرچہ وہ رسوا زمانہ اپنے گھر بیٹھا رہے چنانچہ اس حدیث مبارک کے بیان کے وقت حضور اکرم ﷺ کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ اصل قصہ یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے منافقین خصوصاً یہودی کہ، منافقین و صادقین پاکباز مسلمانوں کو سوچے سمجھے منصوبے سے طرح طرح کی ایذا اور رنج پہنچاتے اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ جاہلیت کے خاندانی شرمناک عیوب و فطری کمزوریاں کھلے عام لوگوں کے سامنے بیان کرتے، ان بدگو یہودی، منافقوں کو آنحضرت کریمؐ نے ڈانٹا اور رسوا کیا ہے۔ اس وقت آپ اس کیفیت میں تھے کہ آواز مبارک اتنی بلند ہو گئی تھی کہ مدینہ منورہ کی تمام آبادی میں سنائی دی اور دور دور تک پہنچی تھی۔

بر الانحام غیبت: قال رسول الله ﷺ لما عرج بي ربي مررت بقوم لهم اظفار من نحاس يخمشون وجوههم وصدورهم قلت من هؤلاء يا جبرائيل قال هؤلاء الذين ياكلون لحوم الناس ويقعون في اعراضهم (ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۸۹)

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب رب کریمؐ نے مجھے معراج سے سرفراز

فرمایا اور سیر ملکوت کروائی۔ ایک آسمان یا کسی قطعہ زمین پر سے میرا گذر ہوا میں نے دیکھا کچھ لوگ تانبے والے اپنے ناخنوں سے اپنے چہرے اور سینے چھیل رہے تھے میں نے اپنے شریک سفر حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا یہ کون بد بخت لوگ ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ بد بخت لوگ ہیں جو اس دنیا کی زندگی میں دوسرے لوگوں کا گوشت کھایا کرتے تھے اور جو لوگوں کی آبرو سے لھیلا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث مبارک کے آخر حصہ میں گوشت کھانیکا ماجرا ہوا ہے، مقصد یہ کہ وہ عدم موجودگی میں لوگوں کا گلہ، غیبت، چغل خوری کرتے تھے وعید کے طور پر قرآن مجید نے بھی غیبت کرنیوالے کو بھائی کا گوشت کھانے والا کہا ہے۔

یہ ایک قسم کی تشبیہ واستعارہ ہے جس طرح انسانی گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح اسکی غیبت بھی حرام ہے اور آبروریزی بھی حرام ہے؟

حقوق حیوانات عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ فَدَخَلَ حَائِطًا لِرَجُلٍ

مِنَ الْإِنصَارِ فَإِذَا فِيهِ جَمَلٌ فَلَمَّا رَأَى الْجَمْلُ النَّبِيَّ ﷺ جَرَّ جَرًّا وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَاتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ فَمَسَحَ سَرَاقَهُ أَي سَنَامَهُ وَذَفَرَاهُ فَسَكَنَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هَذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هَذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتَىٰ مِنَ الْإِنصَارِ فَقَالَ هَذَا لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ أَفَلَا تَتَّقِي اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَكَ اللَّهُ أَيَاهَا فَانْهَ يَشْكُوا إِلَيَّ إِنَّكَ تُجِيعُهُ وَتَدْيِيهِ (رياض المسلمين)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی کریم

ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اونٹ کھڑا ہوا تھا۔ جب اونٹ نے غنموار کائنات ﷺ کو دیکھا تو اسکی ڈھاہ نکل گئی اور ایک لمبی درد بھری غضبناک آواز سے حضور نبی اکرم کو استغاثہ کیا۔ لمبی اور گرم سانس کھینچی، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی

جھڑیاں لگ گئیں اور چشمہ کی طرح آنکھیں پھوٹ پڑیں۔ حضور اکرم ﷺ پلٹے اور غمگساری

فرمائی، اس کے سر اور پیٹھ پر دونوں شانوں کے نیچے شفقت و پیار کا ٹھنڈا ہاتھ پھیرا

(فسکن) اسے راحت آگئی، دل میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی، تمام دل کے دکھڑے

دور ہو گئے گویا دست شفقت و شفاعت کا پھیرنا تھا کہ اسی آہ و حسرت میں وارفتہ گم ہو گیا اور

بے خود ہو کر رہ گیا۔ آپ نے اونٹ کا مالک دریافت فرمایا۔ ایک انصاری نوجوان نے

حاضر خدمت اقدس ہو کر عرض کی: یا رسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آنحضرت کریم ﷺ

نے فرمایا کیا تو اللہ کریم سے نہیں ڈرتا اور خدا کا خوف نہیں رکھتا؟ اس بے چارے بے

زبان کو جسے اللہ کریم نے تیرے تصرف و اختیار میں دے رکھا ہے، مجھے اپنی رنج و غم کی

روسید ادا الم سنا رہا ہے کہ میرا مالک مجھے اکثر بھوکا رکھتا ہے اور مسلسل کام لیتا ہے۔ اے انصاری

! بے شک مقدور بھر کام لو، لیکن چارہ پور پھوڑالو اور پیٹ بھر اس کی خوراک مہیا کرو۔

حدیث مبارک سے یہ واضح ہوا کہ تمام جانور اور حیوانات اپنے شعور اور احساس سے نبی

آخر الزمان ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے اپنی مشکلات، حاجات، دکھ تکلیف

، مصیبت، رنج اور مشقت سب میں حضور رحمت عالم، شفیع معظم ﷺ کو آپ کی نبوت

کی شان کے مطابق حاجت روا، مشکل کشا، اور آپ کے شفیع امم ہونے پر یقین رکھتے ہیں

اور آپ کی رحمۃ اللعالمینی سے وافر حصے حاصل کرتے ہیں۔

حیوانات سے بہتر سلوک عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال

سمعت رسول اللہ ﷺ ينهى ان تُصير بهيمة أو غيرُها للقتل

(بخاری ص ۸۲۹)

رسول اکرم ﷺ ہمیشہ منع فرماتے تھے کہ کسی چوپائے یا جانور کو باندھا جائے یا انسان کو

باندھ جکڑ کر اس پر تیروں، نیزوں کی آزمائش کی جائے اور اسے نشانہ بنایا جائے کیونکہ یہ جبر و اکراہ اور ظلم و جفا ہے، بے دست و پا، عاجز بنا کر مارنا ظلم کی انتہاء ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز پسند نہیں ہے۔

مطلقاً چہرے پر مارنا ممنوع ہے نہی رسول اللہ ﷺ عن

الضرب فی الوجه۔ وعن الوسم فی الوسم (مسلم ص ۲/۲۰۲)

رسول کریم ﷺ نے کسی بھی جانور کے چہرے پر مارنے اور اس کے چہرے کو داغنے سے منع فرمایا ہے۔

چہرے کو دانے یا مارنے سے اس لئے منع فرمایا کہ ہر شے کی آبرو چہرے میں ہوتی ہے دوسرا یہ کہ بعض مرویات میں ہے کہ اللہ کریم نے چہرے کو اپنے چہرہ قدرت پر تشکیل فرمایا ہے اور کرشمہ قدرت خداوندی کی ہتک کرنا منع ہے اور اسے داغنا اس لئے منع ہے کہ اس سے جانور کی شکل خراب ہو جاتی ہے اور مشابہ مثلہ ہو جاتا ہے لہذا اجتناب لازم ہے۔

ایک اور حدیث مبارک ہے نہی رسول اللہ ﷺ عن التحریش بین البہائم (ترمذی ۱/۲۰۴)

نبی رحمت ﷺ نے جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ عقل سے کام لئے بغیر محض انتقام کی وجہ سے لڑتے ہیں۔

چونکہ ان حیوانات میں قوت تفکر اور تدبیر مفقود ہے گویا احمقوں کو لڑانا لازم آیا، یہ ان پر انتہائی جبر اور ظلم ہے۔

تکبر اور جمال پسندی میں فرق قال رسول اللہ ﷺ لا یدخل

الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر فقال رجل ان الرجل يحب

ان يكون ثوبه حسناً ونعله حسناً قال ان الله تعالى جميلٌ يُحبُّ
الجمال - الكبر بطرُ الحق و غمطُ الناس (مسلم شريف ۱/۶۵)

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، اس پر ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! ایک آدمی اچھے کپڑے اور اچھا جوتا پہنا اور خوشنمائی چاہتا ہے، کیا یہ بھی کبر، بڑائی اور تکبر میں داخل ہے اور وہ جنت سے محروم ہو جائے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ تکبر نہیں ہے، بلکہ صفائی و نظافت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک اور لطیف ہے اور صفائی و ستھرائی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے حق بندگی کو ادا نہ کرنا اور اس کے بندوں کو حقیر خیال کرنا۔ اس لئے متکبر اور مغرور شخص کو اللہ رب العزت رسوا اور ذلیل کرتا ہے اور آخرت میں جنت سے محروم رکھے گا۔

قال رسول الله ﷺ لا يدخل الجنة الجواظ و لا الجعظري (ابوداود)
رسول کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ متکبر جنت میں ہرگز داخل نہ ہوگا اور نہ ہی جھوٹی شیخی بگھارنے اور چوہدراہٹ جتانے والا جنت میں جائے گا۔

حدیث مبارک میں لفظ جعظری آیا ہے، اس کے مختلف معانی ہیں۔ بدچلن، بدمعاش، متکبر اور بخیل۔ جعظری اسکو شخص کہہ جاتا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، تلنگ قسم کا آدمی ہو، لیکن لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو مالدار، دولت مند ظاہر کرتا پھرے۔ علاوہ ازیں یہ عادت بدمصنوعی شرافت صرف دولت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ زہد و تقویٰ اور علم کی دنیا میں بھی متکبر اور جھوٹی شیخی بگھارنے والے اور بغیر متاع علم و عمل کے اپنے آپ کو مافوق خیال کئے پھرتے ہوں، ایسے کم بخت ہر شعبہ میں ہوتے ہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال من جرّ ثوبه خيلاء لا

يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ ابوبكر ازارى يسترخى الا ان اتعاهده

فقال له رسول الله انك لست ممن يفعله خيلاء (ترمذی ۲۰۶/۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو اپنی چادر یا شلوار (یعنی تہبند) بوجہ گھمنڈ اور غرور اور آکڑ خانی سے زمین پر کشادہ گھسیٹ کر چلے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکی طرف رحمت کی نظر نہ فرمائے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرا تہبند ڈھیلا ہو کر ٹخنوں سے نیچے چلا جاتا ہے اگر میں اسے بار بار نہ سنبھالوں تو بغیر سنبھالے نیچے گھسنے لگتا ہے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا نہیں اے ابوبکر! آپ گھمنڈ و تکبر سے تہبند گھسنے والوں میں سے نہیں ہیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تہبند ڈھیلا رہنے کی وجہ یہ تھی کہ پچھلی عمر میں بھاری جسم ہو گئے تھے اور پیٹ بڑھ گیا تھا۔ قوی جسمانیہ میں ڈھیلا پن کا غلبہ تھا، بلکہ بعض مرویات میں ہے لاغری غالب تھی اس لئے وہ دبے پتلے جسم والے تھے، تہبند نہیں ٹھہرتا تھا۔ ہاں البتہ جو شخص بھی شیخی یا بڑائی کی غرض سے نیچے گھسنے والا لباس استعمال کرے گا خدا تعالیٰ کی نگاہ کرم سے محروم رہے گا۔ واضح ہوا کہ غضب الہی اور محرومیت کی علت تکبر و گھمنڈ ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کلُّ ما شئت كل والبس ما شئت

ان اخطاتك اثنان سرف ومخيلة (بخاری شریف)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے

فرمایا جو چاہو کھاؤ جو چاہو پہنو، لیکن غرور و گھمنڈ اور اسراف و فضول سے نہ ہو۔

غصہ پر قابو پانے کا طریقہ قال رسول اللہ ﷺ ليس

الشديد بالصرعة انما الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب

(بخاری شریف ۲/۹۰۳، مشکوٰۃ ص ۲۳۳)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: بہادر وہ شخص نہیں ہے جو کسی کو کشتی میں پچھاڑ دے بلکہ درحقیقت طاقت ور اور سخت کام وہ شخص ہے جو بوقت غصہ و غضب اپنے کو قابو میں رکھے اور غصہ پی جائے اور ٹھنڈا ہونے کی کوشش کرے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا اِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ (ابوداؤد ص ۱۸۲)
ترجمہ: جس کسی شخص کو غصہ آئے تو وہ وضو کرے اور وضو سے غضب اور تپش کو ٹھنڈا کرے۔

قدرت ہونے کے باوجود عفو درگزر بہتر ہے

قال رسول الله ﷺ قال موسى بن عمران عليه السلام يارب من اعزُّ عبادك قال من اذا قدر غفر (مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۴)
ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی اے میرے رب کریم! تیرے بندوں میں سے کون تیری بارگاہ میں زیادہ پیارا اور شرافت والا ہے۔ فرمایا جو انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کر دے۔

اخلاق مومنانہ ان رسول الله ﷺ قال ثلث من اخلاق الايمان من

اذا غضب لم يدخله غضبه في باطلٍ ومن اذا رضى لم يخرجه رضاه من حقٍ ومن اذا قدر لم يتعاط ماليس له (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: حضور نبی کریم کا ارشاد گرامی ہے تین چیزیں اخلاق ایمانی کا حصہ ہیں یعنی اخلاق مومنانہ میں سے ہیں ایک یہ کہ جب کسی شخص کو غصہ آئے تو اس کا غصہ اس سے ناجائز کام نہ کرائے یعنی اس کو حد سے باہر نہ نکالے اور دوسری بات یہ کہ جب وہ خوش ہو تو اس کی خوشی اسے حق کے دائرے سے باہر نہ نکالے اور تیسری بات یہ ہے کہ قدرت اور قابو پانے

شے دیکھ کر آیا ہوں، یہ انتہائی گھٹیا جھوٹ ہوتا ہے اسی طرح لوگوں سے کہتا پھرے، میں نے فلاں کے لئے اس طرح کا خواب دیکھا، بڑا انوکھا اور نہایت دلچسپ دیکھا یا کسی کو انتہائی خوش قسمت بتانے کے لئے خوش رنگ خواب بیان کرے کہ فلاں امر دیکھا گیا ہے۔ میں نے خواب میں فلاں سعادت والی چیز کا مشاہدہ کیا، یہ بری عادت ہے۔

عن سفیان بن اسید بن الحضرمی قال سمعتُ رسول الله ﷺ يقول كُبرت خيانةً ان تُحدّث أخاك حديثاً وهو لك به مصدق وانت به كاذب (ابوداؤد شریف ۲/۱۹۷)

ترجمہ: حضرت سفیان بن اسید حضرمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی مسلمان کو کوئی بات کہو اور وہ تمہاری بات کو سچ سمجھے حالانکہ تم نے جو بات اس سے کہی تھی، وہ جھوٹی بناوٹی تھی۔

ہماری اصطلاح میں ایسے کرنے والے کو مکار کہا جاتا ہے اپنی طرف سے مکر و فریب تیار کرنا انتہائی گھٹیا عادت ہوتی ہے۔

عن عبد الله بن مسعود قال لا يصلح الكذب في جد ولا هزل ولا ان يعد احدكم ولده شيئاً ثم لا ينجزله (کنز الاعمال ص ۶۲۲)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جھوٹ بولنا کسی حال میں بھی زیبا نہیں ہے بلکہ ناجائز ہے سنجیدگی کی صورت میں اور نہ مزاح، ٹھٹھ اور ہنسی کی نوعیت میں، حتیٰ کہ یہ بھی جائز نہیں کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے بچہ سے کوئی شے دینے کا وعدہ کرے اور اسے پورا نہ کرے اسی طرح ہنسی۔ خوشی میں بھی مزاحیہ طور جھوٹی بات نہ کہی جائے۔

قال رسول الله ﷺ ويل لمن يُحدّث فيكذب ليضحك به القوم

وَيْلٌ لَّهِ وِيلٌ لَّهِ (ترمذی شریف جلد ۲ ص ۵۵، کنز العمال ج ۲ ص ۳۱)
 ترجمہ: حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: نامرادی، خرابی ہے اس شخص کے لئے
 جو جھوٹی باتیں، جھوٹے افسانے اس لئے سناتا ہے کہ لوگوں کو ہنسائے اور لوگ خوش گئی کی
 صورت میں اس سے سنیں دوبارہ فرمایا خرابی اور ہلاکت ہے اسکے لئے۔

برکی عادت پر وعید قال رسول اللہ ﷺ تجد شر الناس يوم

القيامة ذا الوجهين الذي ياتي هؤلاء بوجه و هؤلاء لوجه (متفق عليه)
 حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم قیامت کیدن بدترین اور کمینہ آدمی اسکوپاؤ گے جو دنیا میں
 دو چہرے رکھتا تھا کچھ لوگوں سے ایک چہرے سے ملتا اور دوسرے گروہ سے دوسرے چہرے
 سے ملتا تھا۔

یعنی دو غلے قسم کا آدمی جو فریقین باہم مخالف سے میل ملاپ رکھ کر ہر ایک سے وفادار
 بن کر پیش آتا ہے ہر زمانہ میں لوگوں کے مابین رنجشیں اور مخالفتیں پائی جانا ایک فطرت لازمہ
 ہے مگر درمیان میں بعض گھٹیا خصلت غیر ذمہ دار طرح کے لوگ دو غلے ہو کر ہر ایک فریق
 کا خیر خواہ اور وفادار بنے رہتے ہیں اور دونوں سے کچھ نہ کچھ مروت و منفعت میں کوشاں رہتے
 ہیں، انہیں کو حدیث مبارک میں ذالوجہین فرمایا گیا ہے یا اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس
 کے سر میں دوسرا منہ ہوگا اور یہ علامت مخصوصہ دو غلے کی پہچان کی ہوگی تاکہ عجیب الخلق کو
 دیکھ کر قیامت میں لوگ اس پر لعن طعن کریں۔ اسی کے قریب قریب اور دوسری وعید کی
 حدیث مبارک بھی ملتی ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ مَنْ كَانَ إِذَا وَجَّهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ-

الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ (ابوداؤد)

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے جو شخص دنیا میں دوغلا پن اختیار کرے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کے شعلہ کی دوزبانیں ہوں گی۔

چنانچہ حدیث مبارک میں آگ کی دوزبانوں سے یہ واضح کرنا ہے کہ دنیا میں وہ شخص فریقین کے درمیان دوغلا پن سے آگ بھڑکاتا تھا، گویا منہ سے آگ اگلتا رہا کہ لوگوں کے دلوں میں آگ غضب شعلہ مارنے لگتی تھی، لہذا محسوس طور پر قیامت کو اس کے منہ میں دوزبانیں آگ کی رکھی جائیں گی۔

غیبت بدتر گناہ ہے: قال رسول اللہ ﷺ والغیبة اشد من الزنا

قالوا یا رسول اللہ وکیف الغیبة اشد من الزنا قال ان الرجل لیزنی فیتوب فیتوب اللہ علیہ وان صاحب الغیبة لا یغفر له حتی یغفرها له صاحبہ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۵)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: غیبت زنا سے بھی بدتر اور قبیح تر، سخت تر گناہ ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا اے اللہ کے سچے رسول! ﷺ غیبت کیسے اور کیونکر زنا سے سخت اور اشد گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا: آدمی زنا کرتا ہے، پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس غیبت کرنے والے کو معاف نہیں کریگا جب تک وہ شخص خود اس کو معافی نہ دے، جس کی اس نے غیبت کی ہے۔

کفارہ غیبت قال رسول اللہ ﷺ ان من کفارة الغیبة ان

تستغفر لمن اغتابه تقول اللهم اغفر لنا وله (مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۵)

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ غیبت کا ایک کفارہ یہ ہے کہ تو دعائے مغفرت کرے اس شخص کیلئے جس کی تو نے غیبت کی ہے۔ اور اس طرح دعا مانگ

اے اللہ! تو ہماری اور اس کی بھی مغفرت فرما۔

مغفرت کی دعایا خود اس سے معاف کروایا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر وہ زندہ موجود ہے جس کی تو نے غیبت کی اور اس سے ملنا بھی میسر آ سکتا ہے، تو اسکے پاس جا کر اپنا جرم معاف کرایا جائے۔ اگر معافی ممکن نہ ہو، خواہ اس کے فوت ہو جانے کی وجہ سے یا دور دراز علاقہ میں چلے جانے یا سخت دشمنی ہو جانے سے، تو پھر اس کے حق میں دعائے مغفرت سے کام لے، شاید اللہ تعالیٰ معاف فرمادے۔

فتیح حمایت اور سزا قال رسول اللہ ﷺ من شر الناس منزلة يوم

القيامة عبد ذهب آخرته بدنيا غيره (مشکوہ ص ۲۳۵)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یوم قیامت بدترین حال میں وہ شخص ہوگا جس نے دوسروں کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت برباد کر ڈالی۔

قال رسول الله ﷺ اذا رأيتم المداحين فاحثوا في وجوههم

التراب (مسلم وترندی شریف)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم منہ پر تعریف کرنے والے سے اپنی تعریف سنو تو اس کے منہ میں مٹی ڈالو۔

چنانچہ حدیث مبارک میں منہ پر اور روبرو تعریف کرنے والے سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا پیشہ اور طریقہ ہی قصیدہ خوانی ہوتا ہے اور مدح کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں تاکہ کچھ نہ کچھ ملتا رہے، مدح سرائی اور تعریف گوئی عام ہے نظم اور شعروں سے ہو یا نثر اور کھلی عبارت سے اور ایسے لوگ صرف زمانہ جاہلیت میں نہ پائے جاتے تھے بلکہ ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں، ایسے پیشہ وروں جھوٹے مداحوں کے منہ میں مٹی بھر ریت

ڈال دینی چاہیے تاکہ حدیث مبارک پر عمل سے کافی ثواب ملے۔ خصوصاً کسی فاسق کی مدح ہرگز نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ اس میں اکرام فاسق لازم آئے گا اور اکرام فاسق شرعاً منع ہے

قال رسول الله ﷺ اذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ واهتزله

العرش (مشکوٰۃ شریف ص ۴۱۴) فصل الثالث

حضور نبی معظم ﷺ نے فرمایا: جب فاسق آدمی کی مدح و ثنا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کو غضب آتا ہے اور اس کی وجہ سے اللہ کا عرش عظیم لرزنے لگتا ہے، کیونکہ فاسق آدمی اللہ کریم کے احکام کی عزت نہیں کرتا، بلکہ الٹا کھلے بندوں احکام خداوندی کی پامالی کرتا ہے، اس لئے وہ لائق عزت نہیں ہے، بلکہ اسے ذلت و حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا جائے۔ اگر اس کی عزت افزائی کی گئی، تو پھر اسے ذلت و حقارت اور نفرت سے ٹھکرانے کی بجائے اسے معاشرہ میں ایک عزت و مقام میسر آئے گا تو اس سے فاسق کی عزت و توقیر اور مدح و ثنا سے خدا تعالیٰ اور رسول علیہ السلام سے تعلق ایمان و محبت بہت کمزور و ضعیف ہو جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکے گا اور اس کے شعلہ غضب سے دوسرے اہل قریہ بھی خاکستر ہو جائیں گے۔

قباحت وعدہ خلائی قال رسول الله ﷺ لا تُمارِ أَخَاكَ وَلَا

تُمارِ حَهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلَفْهُ (ترمذی ص ۲۰/۲ باب ماجاء فی المزاح)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو اپنے مومن بھائی سے مناظرہ نہ کر اور نہ اس سے مزاح

کر اور نہ ہی وعدہ کر کے اس کی خلاف ورزی کر

چنانچہ حدیث شریف میں تین امور سے منع کیا گیا ہے۔ اول مناظرہ، دوم ٹھٹھہ، مزاح

تیسرا وعدہ خلائی۔ مناظرے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ مناظرہ میں اصل مقابل کو

چست و جری کرنا ہوتا ہے تو وہ رطب و یابس سب کچھ کہنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، حقیقت و صداقت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ نرمی اور دل سوزی کی امید کم ہوتی ہے، ہنسی ٹھٹھ سے روکا گیا ہے کیونکہ بعض اوقات دل لگی باتوں اور مزاح سے دوسرے لوگوں کی نشروں میں دوسرے کو رسوا و ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ وعدہ خلافی پر سخت وعیدیں قرآن و حدیث میں وارد ہیں۔ کہ شریعت وعدہ خلاف کو منافق کہتی ہے۔ ہاں اگر نیت وعدہ کے وفا اور پورا کرنے کی ہو تو پھر وعید نہیں آتی اور گنہ گار بھی نہ ہوگا۔

قال النبی ﷺ اذا وعد الرجلُ اخاهُ ومن نيته ان يعينى له فلم يجئ للميعاد ولا اثم عليه (مشکوٰۃ ص ۳۱۶ باب الوعد)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی آدمی اپنے مومن بھائی سے وعدہ کرے اور اس کی نیت وعدہ کو پورا کرنے کی ہو، لیکن بوجہ عذر اور کمزوری پورا نہیں کر سکا اور مقررہ میعاد، وقت پر نہ پہنچا تو وہ گنہ گار نہ ہوگا۔

نیز اسلامی معاشرہ اس کا بھی درس دیتا ہے کہ کسی بات کو بغیر تحقیق اور پوری تفتیش کے نہ پھیلا یا جائے تاکہ آئندہ لوگ جھوٹا پروپیگنڈہ باز خیال نہ کریں

عن ابن مسعود قال ان الشيطان ليتعمل في صورة الرجل فيأتي القوم فيحدثهم بالحديث من الكذب فيتفرقون فيقول الرجل منهم سمعت رجلاً اعرف وجهه ولا ادري ما اسمه يحدث (مسلم شریف ۱۰/۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بسا اوقات ابلیس شیطان لعین آدمی کے بھیس میں کارروائی کرتا ہے، لوگوں میں مل کر جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے۔ لوگ جب مجلس سے جدا ہوتے ہیں تو ان میں سے ایک آدمی کہتا ہے، میں نے فلاں بات ایک آدمی سے سنی ہے، جس کا چہرہ تو میں پہچانتا ہوں اگر دیکھوں تو پہچان لوں گا لیکن اس کا نام نہیں جانتا ہوں۔

حدیث مبارک سے واضح ہے ہر سنی اور ان سنی بات کو بیان نہیں کر دینا چاہیے تا وقتیکہ اس کی پوری تفتیش نہ کر لی جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس نے وہ بات کہی ہے، وہ پر لے درجے کا جھوٹا اور ابلیس لعین ہو۔ اگر یہ وطیرہ قوم میں چل نکلے اور صرف سنی سنائی باتوں پر مدار قائم ہوئی، تو بہت سارے تباہ کن نقصانات رونما ہو سکتے ہیں۔ لہذا ہر ذمہ دار بندہ کی کہی بات پر اعتماد رکھنا چاہیے، عام پروپیگنڈہ بازوں کی بات پر کان نہیں دھرنا چاہیے۔

عن خذیفہ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَامٌ (مسلم شریف ۱/۷۵)

حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **مَنْ عَلِمَ خَوْرَ جَنَّتٍ مِّنْ غَيْرِهَا لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ** نہیں جائے گا۔

ایک دوسری حدیث میں رسول معظم ﷺ نے اس فعل شنیع اور حرکت قبیحہ سے منع فرمایا ہے

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما نہی رسول اللہ ﷺ عن النَّمِيمَةِ وَنَهَى عَنِ الْغَيْبَةِ وَالِاسْتِمَاعِ إِلَى الْغَيْبَةِ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چغلی کھانے وغیبت کرنے اور کسی کی غیبت سننے سے بھی منع فرمایا ہے۔

عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قَالَ اَيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَانِ الْحَسَدَ يَاكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (ابوداؤد شریف ۲/۱۹۱)

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اپنے آپ کو حسد کی آگ سے بچاؤ کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح بھسم کر دیتا اور جلا دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا دیتی ہے۔ اسی لئے عام مشہور ہے محنت کر، حسد نہ کر۔

دَعْوَتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

عن عمرو بن عبسة قال دخلتُ على النبي ﷺ بمكة يعني في اول النبوة فقلتُ ما انت قال نبيٌّ فقلتُ وما نبي قال ارسلني الله تعالى فقلت باي شئ ارسلك؟ قال ارسلني بصلية الارحام وكسر الاوثان وان يوحد الله لا يشرك به شئ (مسلم، رياض الصالحين)

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک دن میں خود حضور سرور کائنات ﷺ کے پاس ابتدائی زمانہ نبوت میں مکہ مکرمہ میں حاضر خدمت اقدس ہوا۔ میں نے دریافت کیا آپ کی کیا حقیقت ہے؟ آنحضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نبی ہوں۔ میں نے دوبارہ عرض کیا: نبی کیا ہوتا ہے؟ اسکی حقیقت کیا ہوتی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول، پیغامبر، سفیر بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے دریافت کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا پیغام سونپ کر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے اپنا نبی و پیغامبر بنا کر بھیجا ہے کہ میں لوگوں کو صلہ رحمی کی تعلیم اور اس کا درس دیتا رہوں، بت پرستی سے منع کر کے پرستش کرنے والوں کی بت پرستی ختم کر دوں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اختیار کی جائے، یعنی اسکو وحدہ لا شریک مانا جائے اور اسی کی عبادت و پوجا کی جائے۔

چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی پیارے انداز میں دعوت دی کہ اللہ اور بندوں کے درمیان تعلق کو صحیح بنیادوں پر قائم کیا جائے جس کی سب سے اول بنیاد توحید و عبادت ہے اور صرف اسی اللہ کی اطاعت و عبادت میں صلاح و فلاح ہے۔ اور انسانوں کے درمیان صحیح تعلق کی بنیاد مواسات و مراحمیت اور محبت و معاونت ہے کہ واقعہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ایک رشتہ اور دھاگہ انسانیت و اخوت میں پروئے ہوئے ہیں۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرے کا ہمدرد اور غمگسار ہونا چاہیے - بے سہارا اور لاچار کمزور اور ناتواں کی ضروریات مل جل کر نبھانا لازم اگر اچانک کوئی آفت و مصیبت آپڑے، تو اس کے دفاع اور ٹالنے میں تمام مل کر حصہ لیں۔ زیادہ اہمیت والی بنیادیں دعوت نبوت کی یہی ہیں، بلکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے انہی امور کو ابتدائی دعوت اسلام میں بنیادی مسائل قرار دیا تاکہ معاشرہ پوری صحت سے قائم کیا جائے، اور محبت کے بندھن مضبوط رہیں۔ تمام تقاضائے محبت و اخوت کے ساتھ ایک وہ تقاضا بھی ہے جسے ایرانی سپہ سالار کے سامنے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے دعوت اسلامی کی ترجمانی اور بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے بیان کیا تھا اور ایران کے سپہ سالار کی ایک غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے کہا تھا ہم تاجر لوگ نہیں ہیں، ہمارا مقصد اپنے کاروبار کو وسیع کرنے کے لئے نئی نئی کاروباری منڈیاں تلاش کرنا نہیں ہے۔ ہمارا نصب العین صرف دنیاوی سامان راحت جمع کرنا نہیں، بلکہ اصل مطلوب صرف آخرت ہے۔ ہم دین حق کے علمبردار ہیں اور اسی دین آخر کی دعوت و تبلیغ ہمارا ^{مطمح} نظر ہے تو فوراً ایرانی سپہ سالار نے دریافت کیا کہ وہ دین حق کیا ہے؟ اس کا پوری وضاحت سے تعارف کراؤ۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَمَّا عَمُوْدُه الذی لا یصلحُ شیءٌ منہ الا بہ شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ و الاقرار بما جاء من عند اللہ

ترجمہ: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے دین حق کا بنیادی اور مرکزی عمل و عقیدہ اور اصل محور جس کے بغیر راہ عمل بے سود اور لالیعی ہے، وہ ہے شہادت توحید و رسالت یعنی اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے، محمد کریم ﷺ آخری نبی و رسول ہیں اور جو کچھ خدا کی طرف سے قانون (قرآن آیا) ہے، اس کی حقانیت کا دل سے اقرار ہے۔ ایرانی نے دریافت کیا، اس سے مزید اور تعلیم بھی ہے؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

واخراج العباد من عبادة العباد الى عبادة الله (ہاں دین کی صحیح تعلیم یہ بھی ہے کہ انسانوں کو کسی انسان کی بندگی و عبادت سے نکال کر صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں داخل کیا جائے، ایرانی نے پھر مزید وضاحت دریافت کی: دین نبی علیہ السلام اور کیا درس دیتا ہے؟ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا والناس بنو آدم فہم اخوة لاب و ام اس دین کی تعلیمات سے یہ بھی ہے تمام روئے زمین کے لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور سب آپس میں حقیقی بھائی ہیں اور دین حق کی اصل تعلیم، ذہن صاف کرنے والی یہی وہ بنیادی دعوت ہے، جس پر ایرانی سپہ سالار اور پہلوان رستم ششدر اور حیران رہ گیا پھر اسی مجلس میں حضرت ربیع بن عامر نے اسلام کی مزید ترجمانی ان الفاظ میں کی اللہ اِبتَعَثْنَا لِنُخْرِجَ مِنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ وَمِنْ ضَيْقِ الدُّنْيَا إِلَى سَعَتِهَا وَمِنْ جُورِ الْأَدْيَانِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ فَارْسَلْنَا بِدِينِهِ إِلَى خَلْقِهِ لِنَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ (البدایۃ والنہایۃ)

اللہ کریم نے ہمیں اس کام پر مامور کیا ہے کہ لوگوں کو ہم انسانوں کی بندگی سے نکالیں اور صرف اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور اس تنگ دنیا سے نکال کر وسیع دنیا میں لائیں اور ظالمانہ نظام ہائے زندگی سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف کے سایہ میں لائیں اور انہیں راحت و اطمینان کی زندگی کا سامان مہیا کریں۔ پس اللہ نے ہمیں اپنا اسلام اور نظام حیات و عدل تا ابد دے کر تمام انسانوں کے ہاں پہنچانے کو بھیجا ہے تاکہ لوگوں کو اس خدائے خالق کی طرف بلائیں۔

دین راہ آزمائش ہے عن خباب بن الارت قال شكونا الى

النبي ﷺ وهو متوسد بردة له في ظل الكعبة فقلنا الا تستنصر لنا

الَاتَدْعُوا اللَّهَ لَنَا؟ قَالَ كَانَ الرَّجُلُ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيَجْعَلُ فِيهَا
 فَيْجَاءُ الْمِنْشَارُ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيَشَقُّ بِأَثْنَيْنِ وَمَا يَصِدُّهُ ذَلِكَ عَنْ
 دِينِهِ وَيُمَشِّطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ وَعَصَبٍ وَمَا
 يَصِدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَاللَّهُ لِيَتَمَنَّيَ اللَّهُ هَذَا الرَّجُلُ حَتَّى يَسِيرَ الرَّكَّابُ
 مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ أَوْ الذَّنْبَ عَلَى غَنَمِهِ وَلَكِنَّكُمْ
 تَسْتَعْجِلُونَ (بخاری شریف)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن آپ کعبۃ اللہ کے سایہ میں
 اپنی چادر کو سر ہانا بنائے ہوئے لیٹے تھے۔ اس زمانے میں قریش مکہ مسلمانوں پر بے پناہ ظلم
 و ستم کرتے، گویا مصائب کے پہاڑ ڈھا رہے تھے، ہم نے آپ سے عرض کی: اے اللہ کے
 رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام! آپ ہمارے لئے اللہ کی مدد طلب نہیں کرتے اور اس بے
 پناہ ظلم کے خاتمہ کی دعا نہیں کرتے، بالآخر کتنے تک یہ سلسلہ جاری رہے گا؟ یہ مصائب کب
 ختم ہوں گے؟ یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے سابقہ امم میں ایسے لوگ بھی
 گزرے ہیں کہ گاہے ان میں بعض افراد کے لئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اسے اس میں
 کھڑا کر دیا جاتا، پھر آدھا سر پر رکھ کر چلایا جاتا اور اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو جاتے، لیکن
 وہ دین سے نہ پھرتا، اسی طرح کسی کے جسم میں لوہے کے دندانے کی کنگھیاں چبھوائی جاتیں،
 جو چمڑے، گوشت کو چھیل کر ہڈیوں اور پٹھوں تک پہنچ جاتے، لیکن پھر بھی وہ اللہ کا بندہ اپنے
 دین سے نہ پھرتا قسم ہے خدائے جلیل کی جو انقلاب پیا کرتا ہے۔ یہ دین غالب ہو کر رہے گا
 - ایک زمانہ آئے گا کہ سوار صناعاء (یمن) سے حضرموت تک کا سفر کرے گا اور راستہ میں
 اللہ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا، البتہ چرواہے کو صرف اپنی بھیڑوں، بکریوں کا خوف
 رہے گا کہ کہیں بھیڑیے پھاڑ کر نہ کھا جائیں، لیکن افسوس تم لوگ جلدی کرتے ہو،

یعنی صبر سے کام لو، انشاء اللہ وقت قریب ہے کہ تمہیں تمام تر اقتدار میسر آئے گا چنانچہ بعض تاریخی شواہد سے واضح ہوتا ہے حضرت موت آج کل کے بحرین میں واقع ہے - مقصد یہ ہے کہ حضرت موت تک کے وسیع بیابانوں اور عرب کے صحراؤں سے کہیں دور تک ریاست اسلامیہ کی حدود ہوں گی - خدا کے بندے آزادانہ اس کی بندگی کی راہ چلیں گے، کفر و جبر ختم ہو جائے گا۔

عن عطاء بن ابی رباح قال زرت عائشة مع عبید بن عمیر الليثی فسألناها عن الهجرة فقالت لا هجرة اليوم كان المؤمنون یغیر احدهم بدینہ الی اللہ والی رسولہ مخافة ان یفتن علیہ فاما الیوم فقد ظفر اللہ الاسلام والیوم یعبدونہ حیث شاء ولکن جہاد و نية (بخاری)

حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عبید لیشی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر حاضر ہوا۔ ہم نے ان سے ہجرت کے متعلق پوچھا: (کیا ہجرت اب بھی فرض ہے؟ کیا لوگ اپنے اپنے علاقوں کو چھوڑ کر آج بھی ہجرت کی غرض سے مدینہ آئیں؟ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ نہیں، اب ہجرت نہیں ہوگی، حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ چنانچہ ہجرت تو اس وجہ سے ہوتی تھی کہ مومن کی زندگی ایمان لانے کے بعد دو بھر کر دی جاتی، اس کا جینا جرم خیال کیا جاتا، اس لئے وہ ایمان و دین بچا کر اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے یہاں چلا جاتا مگر اب دین غالب ہو چکا ہے۔ مومن آزاد ہیں جہاں چاہیں آزادی سے اللہ کی عبادت کریں، اپنا دین قائم رکھیں۔ ہاں البتہ جہاد اور نیت جہاد باقی ہے اور جہاد تا قیامت بوقت ضرورت فرض رہے گا۔

تنظیم و اجتماعیت شریعت اسلامیہ کے بانی، حکیم کائنات رحمت عالم ﷺ

نے مسلمانوں کو تنظیم و اجتماعیت کی تلقین فرمائی ہے کہ ہمیشہ اتحاد، تنظیم، یقین محکم اور اجتماعی رنگ میں زندگی بسر کیا کرو، اس میں بے شمار فوائد ہیں۔ علاوہ ازیں سفر ہو کہ حضر، افراد تھوڑے ہوں یا زیادہ تنظیم و مشاورت سے رہنا

ان النبی ﷺ قال اذا كان ثلاثة في سفر فليؤمروا احدهم
(ابوداؤد بحوالہ راہ عمل ص ۲۲۶)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کم از کم تین آدمی بھی جب کبھی سفر پر نکلیں، انکو چاہیے کہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو امیر بنالیں۔

بعض دانایان امت نے اس حدیث سے یہ اخذ کیا کہ جب حالت سفر میں لوگوں کو جماعت بنانا لازم ہے، تو اس سے بدرجہ اولیٰ ضروری ہو اتمام اہل ایمان ایک جماعت کی شکل اختیار کریں جب کہ ان کا جماعتی نظام بکھر گیا ہو تو پھر از سر نو مجتمع ہو جایا کریں تاکہ عظمت برقرار رہے۔

ایک اور حدیث مبارک میں آیا ہے ایاکم والشعب فلیکم بالجماعة
والعامة ﷺ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! سنبھل جاؤ علیحدہ علیحدہ
پگڈنڈیوں پر مت چلو، ایک راہ اختیار کرو اور تم پر لازم ہے کہ جماعت اور عامہ المسلمین کے
ساتھ رہو۔

اگر جماعت ہو تو واضح ہوا کہ اسی کے ساتھ رہو اور اگر شیرازہ بکھر گیا ہو تو دوبارہ شیرازہ
بندی کرو، جماعت بناؤ تاکہ اجتماعیت سے معاشرہ اور دین مزید ترقی کریں قال رسول اللہ
من سره ان يسكن في وسط الجنة فليزيم الجماعة ان الشيطان مع الواحد وهو

من الاثنین ابعذ (ترمذی ۳۹/۲)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص وسط جنت میں اپنا گھر بنانا چاہتا ہے اسے جماعت سے چمٹے رہنا چاہیے، اسلئے کہ شیطان ایک آدمی کے ساتھ ہو جاتا ہے یعنی اکیلا پا کر بہلاتا ہے اور جب وہ دو ہو جائیں تو دور ہو جاتا ہے۔

دونوں حدیثوں کی روح یہی ہے کہ خواہ ملک کے مسائل ہوں یا قبیلہ کے یا ایک گھرانہ کے ان کے حل اور معاشرہ کی صحت، دنیا و آخرت کی خوشحالی کے لئے اجتماعیت و جماعت لازم ہے۔ اہل اسلام کا اقتدار جماعت بندی سے ہے۔ اور اگر جماعت موجود نہ ہو تو بہتر اجتماعی صورت اختیار کرنے کی پوری کوشش کی جائے تاکہ قریب سے قریب تر ہو کر لوگ ایک جماعت بن جائیں۔

علم و عمل: دین و دنیا کے مسائل و معاملات حل کرنے اور امور جہاں بانی پر عبور حاصل کرنے کے لئے معاشرہ کو صحت و فلاح کی طرف لے جانے اور تمام امور ملکی و قومی، دینی، سیاسی معاشرتی، سماجی اور اجتماعی کے لئے سب سے پہلے علم و تجربہ ضروری ہے پھر عمل فرض ہوتا ہے تاکہ علم و مہارت سے عمل و استحکام کی صورت میں ملکی و قومی امور چلائے جاسکیں۔

عن الحسن قال العلم: علمانِ فعلمٌ فی القلبِ فذالك علمٌ نافعٌ و علمٌ علی اللسانِ فذالك حجةُ الله عزّ وجلّ علی ابنِ آدمَ (دارمی بحوالہ راہ عمل ص ۲۶۸)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علم دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ علم ہے جو زبان سے گذر کر دل میں جاگزیں ہوتا اور جگہ پڑتا ہے، یہی علم نافع ہوتا ہے اور قیامت میں کام آئے گا اور ایک علم وہ ہے جو صرف زبان پر ہوتا ہے، گوشہ دل تک اسکی رسائی نہیں ہوتی اور فکر و تدبیر

کی نوبت نہیں آتی۔ یہ علم دربار خداوندی اور عدالت الہیہ میں اس بندے کے خلاف حجت و دلیل بنے گا یعنی اسے فلاح کا مستحق نہیں ٹھہرایا جائے گا کہ اے انسان تو تو جانتا تھا، سب سمجھتا تھا پھر کیوں عمل نہ کیا، علم سے نفع اٹھاتا، عمل بجالاتا، احکام و فرائض کی ذمہ داری نبھاتا، آج تیرے کام آتی، لیکن تو نے ایسا نہ کیا

تحصیل علم اور فہم دین عن معاویة قال قال رسول الله ﷺ من

يُرِدُ اللّٰهَ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ (بخاری و مسلم)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ خیر سے مالا مال کرتا ہے اسے اپنے دین متین کی سوجھ بوجھ اور فہم عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ یہ بات ظاہر ہے کہ دین اسلام کا علم و فہم تمام بھلائیوں کا اصل سرچشمہ ہے علم چونکہ اللہ کی صفت کمال ہے اور خدا کی صفت کمالیہ سے صاحب علم بندے کا اتصاف ہوتا ہے۔ جس بندے کو یہ نعمت بے پایاں میسر آتی ہے اسے دین و دنیا کی سعادت مل جاتی ہے۔ وہ اپنی زندگی اور آخرت سنوار لے گا اور بندگان خدا کی زندگیوں کو بھی سنوارنے کی کوشش کرے گا اور تمام لوگوں کو راہ نیک کی طرف لے چلے گا۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ وَيَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ يَتَدَارَسُونَ بَيْنَهُمْ اَلَا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يَسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (مسلم شریف ابوداؤد ص ۲۱)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے سفر اختیار کرے گا اللہ

تعالیٰ اسکے لئے جنت کی راہ آسان کر دے گا، اور جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر (مسجد) میں اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے اور اس پر بحث و گفتگو کرتے ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمانی سکون نازل ہوتا ہے رحمت خداوندی انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ فرشتے ان کو گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے فرشتوں کی مجلس میں فرماتا ہے اور جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے ڈال دیا تو اس کو نام و نسب و خاندانی شرافت آگے نہیں بڑھا سکتے اور عظمت و فوقیت یا فوز و فلاح کی ضمانت نہیں دے سکتے

اس حدیث مبارک میں رسول کریم ﷺ نے علم حاصل کرنیکی عمدہ خوشخبری دی ہے اور دوسری جانب اس خطرے سے بھی آگاہ فرمایا ہے کہ علم دین حاصل کرنے کے بعد اگر عمل صالح اور درست نہیں ہوگا اور علم کے مطابق عمل صالح نہ ہوگا، تو بندے کے لئے کامیابی و کامرانی اور فوز و فلاح مشکل ہو جائے گی اور محض نسبی اور خاندانی نسبت کچھ کام نہ آئے گی

تعلیم و تعلم دین نعمت خداوندی ہے

ان رسول اللہ ﷺ خَرَجَ عَلٰی حَلْقَةٍ مِنْ اَصْحَابِهِ فَقَالَ مَا اجْلَسَكُمْ ههنا؟ فقالوا جلسنا نذكرُ الله ونحمده على ما هَدانا للاسلام وَمَنْ به علينا (ترمذی ۱۷۴/۲)

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دن حضور نبی کریم ﷺ گھر سے نکل کر مسجد میں آئے۔ آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ آپ نے پوچھا ساتھیو! یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ کس چیز کے شوق نے تمہیں یہاں بٹھا دیا ہے۔ عرض کیا اے حبیب مکرم ﷺ ہم یہاں اکٹھے مل

کر اللہ کی یاد کر رہے ہیں اور اس کے احسانات کثیرہ کو یاد کر رہے ہیں اور مذاکرہ کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس اپنا دین بھیجا اور اس کے ساتھ ہمیں ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائی اور ہم کو سیدھی راہ دکھائی اور اس پر عمل کی توفیق دی۔

موازنہ ذکر و علم عن عبد اللہ بن عمرو ان رسول اللہ ﷺ

بمجلسین فی مسجدہ فقال کلاهما علی خیر واحدهما افضل من صاحبه اما هؤلاء فیدعون اللہ ویرغبون الیہ فان شاء اعطاهم وان شاء منعهم واما هؤلاء فیتعلمون العلم ویعلمون الجاہل فہم افضل وانما بعثت معلماً فجلس فیہم

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ گھر سے مسجد نبوی تشریف لائے، دو جماعتیں وہاں بیٹھی تھیں۔ ایک جماعت اللہ کے ذکر و تسبیح میں مشغول تھی اور دوسری جماعت کے افراد دین متین سیکھنے سکھانے میں لگے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا: دونوں جماعتیں نیک کام میں لگی ہوئی ہیں لیکن ان میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر فوقیت رکھتی ہے اور اس سے افضل ہے کیونکہ پہلی جماعت والے لوگ ذکر الہی اور دعاء و استغفار میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ چاہے انہیں اجر و ثواب عطا کرے گا۔ نہ چاہے گا تو نہ دے گا۔ رہی دوسری جماعت کہ یہ لوگ دین سیکھنے اور سکھانے اور علم دین عام کرنے میں کوشاں ہیں اور لگے ہوئے ہیں اور میں خود معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں یہ کہہ کر آپ اس پڑھنے پڑھانے والی جماعت کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اس سے واضح ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دونوں جماعتوں میں سے تعلیمی ماحول کی

جماعت کو زیادہ پسند فرمایا اور تعلیم ہی کو اصل راز عظمت و کامرانی ٹھہرایا، کیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے تدریس و تعلیم اور تبلیغ دین و شریعت کو اپنا حقیقی مشن قرار دیا اور دیندار جماعتیں اور مدرسین تیار کئے اور ملت و امت میں سلسلہ تعلیم و تدریس اور وعظ و تبلیغ سے دین کو مزید سے مزید پھیلایا کہ خلق خدا کو صحیح راہ دکھائی جائے۔

صبر و استقامت قال النبی ﷺ من يتصبر يصبره الله وما

أعطى احد اعطاه خيراً قد أوسع من الصبر (بخاری و مسلم)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو صبر دے گا اور صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائوں کی جامع اور صلاح و فلاح والی اور کوئی وصف نہیں۔

آزمائشوں کی گھڑیوں میں مبتلا ہو کر انسان جب صبر سے کام لیتا ہے اور اپنے آپ پر قابو رکھ کر رب کریم کی تقسیم پر راضی ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں وہ نبھانے کی راہ چلنے میں اپنے رب پر کامل یقین اور مکمل اعتماد سے راہ طے کر سکے گا۔ جب صبر آزمائش زندگی پر قائم ہوگا تو کامل ہو جائے گا، وہ اللہ کریم کا شاگرد بھی بن جائے گا تو دونوں عمدہ وصفوں سے متصف ہوگا، اتنا ہی وہ مزید اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ بن جائے گا۔ اور اس کے خطیئات اللہ رب العزت کی بارگاہ میں معاف ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رضا سے اسے بری قرار دے دے گا۔

قال رسول الله ﷺ ما يزال البلاء بالمؤمن و المؤمنة في نفسه

وولده و ماله حتى يلقى الله تعالى و ما عليه خطيئة (ترمذی ۶۳/۲)

جناب رسالت ماب ﷺ نے فرمایا: مومن مردوں اور عورتوں پر وقتاً فوقتاً آزمائشیں آتی

رہتی ہیں، کبھی خود اس پر مصیبت آتی ہے کبھی اولاد پر، بلکہ اولاد فوت بھی ہو جاتی ہے کبھی مال پر آفت اچانک آتی ہے اور مال تباہ ہو جاتا ہے، لیکن وہ بندہ مومن ان تمام مصیبتوں پر صبر کرتا ہے اور اس طرح اس کے قلب کی صفائی ہوتی رہتی ہے اور پھر برائیوں سے وہ دور ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ فوت ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے تو اس حال میں ملتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوتا اور مصائب و آفات سماویہ پر اختیار صبر اس کی کوتاہیوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔

قال رسول الله ﷺ ما يُصیبُ المسلم من نصب ولا وصب ولا هم ولا حزن ولا اذى ولا غم حتى الشوكة يشاكها الا كفر الله من خطاياہ (متفق علیہ)

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کسی دن تکلیف کوئی جسمانی بیماری، کوئی دکھ اور غم ورنج پہنچتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے، تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ اسکی خطاؤں کو معاف کرتا ہے، یہاں تک کہ اگر اسے ایک کانٹا چبھ جاتا ہے تو وہ بھی اس کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مومن کی ہر تکلیف، راحت عند اللہ اجر رکھتی ہے۔ اگر نیکی، بھلائی اور اخلاص سے عبادت ہے تو یقیناً اس میں اجر ہے اور اگر مصائب میں دلی غمنا کیوں کو برداشت کرے، جسمانی تکالیف اٹھائے، مگر صبر سے وہ بھی اجر ہے۔

توکل ورضا ومن يتوكل على الله فهو حسبه (پ-۲۸: سورة الطلاق، آیت ۳)

ترجمہ: جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اس کے لئے وہ کافی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے، مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے

لئے ایک اندازہ۔

اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کا یہ معنی ہے کہ بندہ پورے وسائل و اسباب بجالائے، لیکن نتائج کے ظہور کے لئے اسباب پر اعتماد نہ کرے، صرف اپنے رب رحیم پر بھروسہ کرے، بے عملی اور جدوجہد سے بیزاری و لاتعلقی کا اسلام کے نظریہ توکل سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔
حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو از توکل در سبب کاہل مشو

عن عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت صلی اللہ علیہ وسلم یقول لو انکم تتوکلون علی اللہ حقاً توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر تغدو خماساً و تروح بطناناً (ترمذی بحوالہ راء عمل)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ فرماتے ہیں میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا: تم لوگ اگر اللہ پر کامل بھروسہ اور اعتماد کرو تو وہ تمہیں بھلی روزی دے گا، جس طرح کہ تمام حیوات چھوٹے سے چھوٹے پرندہ تک کو صبح و شام روزی دیتا ہے۔ پرندے اپنے گھونسلوں اور آشیانوں سے صبح نکلتے ہیں، وہ خالی پیٹ ہوتے ہیں۔ جب شام کو واپس اپنے ٹھکانوں پر لوٹتے ہیں، تو بھرے پیٹ ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی اپنی تقسیم ہے، وہ تقسیم کے مطابق کسی کو محروم نہیں چھوڑتا، رزق مہیا فرماتا ہے لیکن اس کے ساتھ انسان کسب و عمل کو ضرور کارگر یقین رکھے کیونکہ تمام تر ثمرات کا تفرع اور ترتب عمل و کسب پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ روئے زمین پر چلنے، رینگنے والے ہر جاندار کو دیکھا جائے، وہ حرکت کر کے روزی کی تلاش میں نکلتا ہے، جستجو پر اسے اسباب مل جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان پر برکت و فضل فرماتا ہے اور تمام جاندار اپنا اپنا پیٹ پالنے کے ساتھ اپنے چھوٹے لاپارہنجوں کا

بھی پیٹ بھر لیتے ہیں، مگر ہر ایک تو کل و رضا سے کام لیتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آ جاتا ہے اللہ کی برکت و نضل اسکے شامل حال ہو جاتی ہے اور تمام سعادت مندیاں میسر آ جاتی ہیں۔

قال رسول الله ﷺ من سعادة ابن آدم رضاه بما قضى الله له حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بندے کی خوش بختی و خوش نصیبی یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے فیصلہ فرمایا ہے، وہ اس پر قناعت اور شکر کرے اور آئندہ کی اچھی تدبیر کرے

قال رجل يا رسول الله ﷺ اعقلها واتوكل او اطلقها واتوكل قال اعقلها وتوكل (ترمذی شریف ۷۸/۲)

ایک آدمی (صحابی رسول) جناب حضور اکرم ﷺ کے دربار اقدس میں ایک دن حاضر ہو کر عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! ﷺ میں اپنی اونٹنی کو باندھوں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہوں یا اسے چھوڑ دوں اور توکل کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا تم اسے باندھو، پھر توکل و بھروسہ کرو۔ مقصد یہ کہ جب کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کی تدبیر ہو سکتی ہے، ممکن حد تک اس کی تدبیر اور چارہ جوئی کی جائے، پھر اس کے بعد خدا پر توکل و بھروسہ کر کے اس سے دعا و استغاثہ بھی کیا جائے، تاکہ وہ اجابت فرما کر تائید فرمائے اور مقصود بر آری ہو تو ان دونوں حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ کسی امر کی تحصیل کے لئے بندے کو تین امور ملحوظ رکھنے لازمی ہیں۔ (۱) تدبیر (۲) کسب و عمل (۳) دعا و بھروسہ

درس شکر قال رسول الله ﷺ انظروا الى من هو اسفل منكم ولا

تنظروا الى من هو فوقكم فهو اجدر ان لا تذروا نعمة الله عليكم (مسلم شریف)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے سے کم درجے کے لوگوں کی طرف دیکھو (یعنی وہ لوگ جو

تم سے مال و دولت اور دنیاوی جاہ و جلال میں کم ہیں) تاکہ تمہارے دلوں میں شکر خداوندی موج مارے، اور صرف ان لوگوں کو نہ دیکھو جو تم سے مال و دولت اور دنیاوی ساز و سامان میں آگے بڑھے ہوئے ہیں، کیونکہ جو نعمتیں تمہیں اس وقت میسر ہیں، وہ تمہاری نگاہ میں حقیر نہ ہوں اور بے صبری کی صورت میں ادھر ادھر نہ اٹھیں، ہر حال میں شکر خداوندی کا دامن تھامے رہنے سے فصل و کرم خداوندی شامل حال ہو جاتا ہے۔

الحیاء خیر کله: قال رسول اللہ ﷺ الحیاء لا یاتی الا بخیر (بخاری)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا صفت حیا بندہ میں خیر و فلاح لاتی اور پیدا کرتی ہے یعنی صفت حیا ایک ایسی مصفا صفت حسین ہے جو تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے اور حیا دار ہمیشہ بھلائی کی طرف بڑھتا ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ریاض الصالحین میں حقیقت حیا اس عبارت سے واضح کی ہے۔

حقیقة الحیاء خلق یبعث علی ترک القبیح ویمنع من التقصیر فی حق ذی الحق (ریاض الصالحین ص ۳۰۷)

حیاء ایک ایسی صفت ہے جو انسان کو برائی ترک کرنے پر ابھارتی ہے اور اہل حق کے حق کی ادائیگی میں کاہلی اور کوتاہی سے روکتی ہے۔

اور حیاء وہ صفت ہے جو بندے کو رب کریم کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کی طرف کھینچتی ہے، بندہ رب کریم کی بارگاہ میں اپنی صغیرہ خطیہ و ادنیٰ برائی پر بھی حیاء و ندامت کا سر جھکائے توبہ و استغفار میں سرشار ہو جائے گا۔

عن ابی موسیٰ الأشعری رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال ان اللہ یبسط یدہ باللیل لیتوب مسیئ النہار ویبسط یدہ بالنہار لیتوب

مُسَيِّئَ اللَّيْلِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا (رياض الصالحين) حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رات کو اپنا دستِ رحمت کشادہ فرماتا ہے بندے کو اپنی بارگاہ میں بلاتا ہے۔ اگر کسی شخص نے کوئی گناہ کیا تو وہ اندھیری رات میں چپکے سے ندامت کا سرسجدہ میں رکھ کر توبہ و استغفار کر کے اللہ کی بارگاہ میں پلٹ آئے، برائی سے دور ہو جائے۔ پھر دوبارہ دن میں اپنے رب کی بارگاہ میں پلٹے اور رات کے کردہ گناہوں کی معافی مانگ لے تا آنکہ یہی سلسلہ رحمت و کشادہ اور اجابت و استجابت جاری رہے گا یہاں تک کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع کریگا، یعنی یہ سلسلہ قیامت برپا ہونے تک ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ مبارک پھیلانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ذات کریم دامنِ رحمت کو پھیلا کر بلاتا ہے۔ اے میرے خطار کار بندو! میرے دربار میں پناہ لو، میری بے پایاں رحمت تمہیں ستر دے گی۔ اگر فطرت کی کمزوری کے جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی گناہ کر ڈالا ہے تو فوراً معافی مانگ لو، تمہارے حق میں عفو و درگزر کی گنجائش ہمارے ہاں موجود ہے۔ اگر دیر لگائے گا، تو تیرا رویہ سرکشی کی طرف اور شیطان کے بہکاوے کی طرف جائے گا اور رحمت سے محرومی ہوگی، ہلاکت میں جا پڑے گا، فوراً میرے بندو! دوسرے وقت میں توبہ استغفار کرو، تو بخشے جاؤ گے۔

باب السنن چنانچہ حکمت کی اصلیت میں سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف

الرسالہ میں وضاحت فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم کی رائے اس پر متفق ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سنن تین طرح کی ہیں: ایک یہ ہے کہ کوئی حکم قرآن مجید میں موجود ہو اور حضور کریم ﷺ بھی وہی حکم من و عن سنت میں بیان فرمادیں۔ دوسری وہ کہ قرآن مجید کا حکم مجمل ہو اور حضور نبی کریم ﷺ اسی حکم خداوندی کو تفصیل سے بیان فرمادیں۔ تیسری قسم سنت کی وہ ہے جس کے بارے میں قرآن مجید کی آیہ مبارکہ نہ ہو، مگر آنحضرت ﷺ کے فرامین

واحکام مفصل پائے جائیں اور قرآن مجید میں جہاں بھی حکمت کا ذکر آتا ہے وہاں اس سے یہی سنت مراد ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں لفظ سنت ان احکام شریعت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو فرض اور واجب نہیں، اس قسم کی سنت کی دو قسمیں ہیں:

سنن ہدی اور سنن زوائد - اول الذکر کا ترک کرنا قباحت اور کراہت ہے مثلاً

نماز کے لئے جماعت، اذان اور اقامت وغیرہ کا ترک انتہائی نازیبا باعث کسلانت گناہ ہے اور دوسری قسم یعنی سنن زوائد کو چھوڑنے سے نہ گناہ نہ کراہت نہ ہی زیبا ہے، جیسے حضور اکرم ﷺ کا طریقہ لباس، نشست و برخاست اس میں حضور اکرم ﷺ کے وہ مستحب اعمال بھی شامل ہیں جو آپ نے بطور عبادت اختیار کئے اور آپ کی عادات مبارکہ کا حصہ ہیں مثلاً کثرت سے نوافل پڑھنے والے کو کثرت سے ثواب ملے گا اور تارک نوافل پر شرعاً کوئی ملامت نہیں ہے، لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ نفل کا تعلق سنن زوائد سے نہیں، بلکہ زوائد یہ اسکے بعد مرتبہ والے میں ہیں کیونکہ سنن زوائد فرض، واجب اور سنت موکدہ سے زائد احکام میں شامل ہیں، چونکہ نوافل عام طور پر وہ امور ہیں جن پر حضور اکرم ﷺ نے دوام نہیں فرمایا، مگر ان کے بارے میں استحباب میں داخل ہونے کی عام یا خاص دلیل موجود ہو، بعض صورتوں میں سنن کو بھی نوافل کہہ لیا جاتا ہے کیونکہ وہ امور لازمہ کے علاوہ ہیں، جیسا کہ فقہاء کرام کی اصطلاح میں السنن کلھا نوافل وارد ہے مثلاً عبادت، نماز پنج گانہ میں صبح کی نماز میں دو رکعت سنت اسی طرح ظہر کی نماز میں چار رکعات سنت اول فرض اور دو رکعت بعد فرض سنت ہیں،

مغرب اور عشاء کی نمازوں میں بعد از فرض دو، دو رکعتیں سنت کی ہیں اور کیفیت نماز میں قیام، قرأت، رکوع و سجود یقیناً فرض ہیں، لیکن ثناء، قیام اور تسبیحات رکوع و سجود اور تکبیرات یہ سب اعمال سنت ہے۔

سنن موکدات نماز چنانچہ سنت مذکورہ سے وہ امور مراد ہیں جو حضور نبی کائنات

ﷺ یا صحابہ کرام نے ہمیشہ ادا کئے ہوں اور ایک یا دو مرتبہ کے سوا کبھی ترک نہ کئے ہوں اور ان کے ترک کرنے میں سخت گناہ ہو، یہ سنت اللہ یا سنت موکدہ کہلاتی ہے چنانچہ پنج گانہ میں سنن موکدہ کی تائید میں چند احادیث ذکر کی جا رہی ہیں۔

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جو شخص دن اور رات میں بارہ رکعات نماز پڑھے، اسکے لئے جنت میں ایک اعلیٰ دارِ رفع گھر بنایا جاتا ہے۔ دو قبل از فرض فجر چار قبل از فرض ظہر اور دو بعد از فرض ظہر، اور دو، دو بعد نماز مغرب و عشاء (ترمذی شریف ۱/۵۶)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ صبح کی دو رکعت نماز سنت تمام عالم و عالمیان اور جو کچھ اس میں ہے اس سب سے رتبہ میں افضل ہیں۔ (مسلم شریف)

حضرت ابی ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چار رکعت سنت ظہر ادا کرنے سے اس بندے کیلئے آسمان کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں (ابوداؤد شریف)

حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت کریم ﷺ سورہ ڈھلنے کے بعد قبل از فرض ظہر چار رکعات سنت ادا فرمایا کرتے، پھر فرماتے اس وقت آسمان کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

مزید تشریح سنت اکثر لغات عالم میں ہر لفظ کے دو معنی لئے جاتے ہیں لغوی اور

اصطلاحی مثلاً لفظ سنت کے لغت عربی میں چند معانی کئے جاتے ہیں، سنت بمعنی طریقہ

نبی، سیرت یا راستہ۔ اور اصطلاح شریعت میں سنت کا اطلاق رسول کریم ﷺ کے تمام اقوال و افعال، اور تقاریر مبارکہ پر ہوتا ہے گویا سنت تین قسم کی ہے: سنت قولی، فعلی، تقریری۔ حضور بنی کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا مقصد و مفہوم یہی ہے کہ تمام حرکات و سکنات میں حضور سرور عالم ﷺ کی فرمانبرداری کی جائے۔ عبادات، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، معاش، معاشرت میں اور زندگی کے ہر شعبے میں حضور اکرم ﷺ کے طرز عمل کو اپنانے کا نام سنت ہے اور اسی میں تمام برکات مضموم ہیں۔

الغرض سنت نبوی ﷺ کی پیروی میں دل کو اطمینان، روح کو تازگی اور ایمان میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ رزق میں اضافہ، درجات میں بلندی، قربت خداوندی، عشق رسول، معرفت الہی اور عرفان میں وسعت اور ہمدردی نوع انسانی کا جذبہ وافر پیدا ہونا ہے تا آنکہ انسان کو اسی زندگی میں حق الیقین کا مقام حاصل ہو جانے کے بعد رضائے الہی سے متبع سنت جنت کو حاصل کر بیٹھتا ہے جب کہ دوسرے ابھی منتظر اشارہ ہوتے ہیں۔ واضح ہے کہ ہر مسلمان کو دل و جان، خلوص نیت اور طرز زندگی سے اتباع رسول میں ہمہ اوقات کوشاں رہنا اپنا مقصد زندگی بنا لینا لازم ہے اور اتباع کا راستہ کسی قسم کے خوں یا لالچ سے نہیں، بلکہ محض محبت کے طور پر طے کرنا نفع ہے۔ چنانچہ اولیائے امت کے نزدیک بھی ولایت اور اتباع رسول میں چولی دامن کا رشتہ اور ساتھ ہے، کسی بھی ولی کو اسوہ رسول ﷺ پر عمل اپنانے سے ولایت ملی ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا علم تصوف کا سنت رسول اللہ ﷺ سے گہرا تعلق ہے۔ حضرت ذوالنون مصری کے متعلق تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا؟ جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اللہ ہی کے ذریعے پہچانا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اولیاء

کرام عالمین شریعت کی عملی زندگی سیرت نبوی کا نمونہ ہے جسے انہوں نے ہر دم عزیز خیال کیا اور مشعل اتباع رسول کو ہمیشہ روشن کئے رکھا۔

تصریحات قرآن اور احکام سنت

چنانچہ قرآن حکیم نے کئی مقامات پر اتباع رسول ﷺ کا حکم صادر فرمایا ہے، کیونکہ فی الاصل آپ کی اطاعت اور سیرت طیبہ کی پیروی اصل اسلام ہے۔ کسی صاحب دل اور عاشق رسول مقبول نے اس طرح واضح کیا ہے۔

جہاں پر ہو نقشِ قدمِ پاکِ ہادی
نگاہوں سے سجدے ادا ہو رہے ہیں
محبت کی دیوانگی، ہے یہ واعظ
عبادت نہیں تو پھر اور کیا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحِبِّبْكُمْ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ
ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پارہ ۳، سورہ آل عمران، آیت ۳۱)

اے حبیب! آپ فرمائیے انہیں، اگر تم واقعی محبت کرتے ہو اللہ سے، تو میری پیروی کرو، تب محبت فرمانے لگے لگا، تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

آیہ مبارکہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ اگر تم نے دل و جان سے اس رب غفور رحیم کے رسول کی اطاعت کی، تو تمہارا دعویٰ محبت الہیہ بھی درست تسلیم کر لیا جائے گا اور اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی نعمت سے بھی سرفراز کئے جاؤ گے، یعنی تمہیں محبوب ہونے

ورنہ عمل لا حاصل۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد اقدس ہے ایک شخص ستر برس تک کوئی نیک عمل کرتا ہے، لیکن مرنے سے قبل اس نے اپنی کسی وصیت میں کسی ظلم و ستم اور جفا کا ارتکاب کیا ہے۔ اس کے خاتمہ بالخیر کی توقع نہیں ہونی چاہیے، اور ایک دوسرا آدمی مثلاً ستر برس تک برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔۔۔۔۔ اعمال صالحہ قلیل ہوں، لیکن آخری عمر میں اپنی وصیت میں اتباع سنت کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا اور وہ جنت میں جائے گا۔ اس سے یہ واضح نتیجہ نکلتا ہے کہ انعامات و احسانات آخرت کے مستحق وہ خوش نصیب لوگ ہوں گے جو دل و جان سے آقائے نامدار نبی آخر الزماں ﷺ کے طریقہ زندگی کو اپنا معمول بناتے ہیں۔

آیہ مبارکہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (پ ۵، رکوع ۸، آیت ۸۰)

بین ثبوت ہے اور تعلیمات رسول و عملیات رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام وحی جلی و خفی کے مختلف اطہارات ہیں۔ اس کے برعکس راہ کفر و دوزخ ہے۔ قل اطیعوا اللہ و الرسول

فان تولوا فان اللہ لا یحب الکفرین (پ ۳، آل عمران، آیت ۲۳)

آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کریم ﷺ کی، پھر اگر وہ منہ پھیریں،

تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو۔

واضح ہوا اگر کوئی شخص سنت نبوی کی پیروی سے انکار کرے تو اس نے صرف سنت کا انکار

نہیں کیا بلکہ قرآن مجید کی بے شمار آیات مبارکہ کا انکار کر دیا۔ آیہ مبارکہ میں واضح کر دیا گیا

ہے کہ اگر کوئی قسمت کا مارا دنیا و آخرت کا شوم و محروم اتباع رسول اپنا شعار زندگی نہیں بناتا

اور طرز زندگی رسول ﷺ نہیں اپناتا، بلکہ اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہٹ کر راہ

ہدایت تلاش کرتا پھرے اور طریقہ رسول کریم ﷺ سے کوئی غرض نہ رکھے راہ کفر و جہنم پر چلتا

پھرے گا قیامت میں وہ رسول کریم ﷺ سے امید شفاعت نہ رکھے کیونکہ رسول کریم علیہ

الصلوة والتسليم نے تبلیغ کی صورت میں کھلم کھلا ہر پیغام اسکے بندوں تک پہنچا دیا اور طریقہ عمل اور راہ ثواب بھی بیان فرما دیا اور واضح بتلا دیا کہ دین اسلام میرا طرز زندگی ہے۔ اسی پر عمل پیرا ہو کر اتباع رسول و سنت رسول علیہ السلام کے زیور سے آراستہ ہو کر راہ جنت پر چل سکو گے۔ سورہ انفال کی آیت ص ۲۰ میں وارد ہے: (ترجمہ) اے ایمان والو! تم اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی اور نہ روگردانی کرو، اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو اور نہ بن جاؤ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سنتے نہیں، تعجب ہے ان لوگوں پر جو تعلیمات قرآنیہ کے علم برادر ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اطاعت رسول کے منکر ہیں باوجودیکہ اطاعت رسول کا حکم بھی قرآن کا حکم ہے۔

اس آیت میں ایمان والوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی اطاعت میں منافقانہ رویہ اختیار نہ کرو محض دکھاوا کا عمل قابل قبول نہیں ہے، خلوص نیت سے رسول کریم ﷺ کی اتباع کو اپناؤ، کیونکہ جزا کا تعلق نیت نیک اور خلوص قلب سے ہے اور حقیقی مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہر حکم دل و جان سے مان کر پھر دل و جان سے پورا پورا عمل کرنے کی کوشش کر کے کامیابی حاصل کرے۔ ایمان والے جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کوئی بات بھی سنتے ہیں تو وہ فوراً بول اٹھتے اور اقرار میں آتے ہیں ہم نے سنا اور مانا اور عمل زندگی بنایا، یہی لوگ کامیاب و کامران اور دنیا اور آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔ سورہ نور کی آیت ۵۱ میں تصریح ہے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشِ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اسکی نافرمانی سے تو یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔

چنانچہ روم کے ایک دہقانی نے آیہ منقولہ سن کر ایمان قبول کیا اور آیت کا مطلب خود بیان کیا، قال قوله (ومن يُطِيعِ اللَّهَ) في الفرائض (ورسوله) في السنن (ويخش الله) فيما مضى من عمره

(ويتقاه) فيما بقى من عمره و (فاولئك هم الفائزون) الفائزون من نجا من النار و ادخل الجنة) جس شخص نے اللہ کی اطاعت کی فرائض میں اور رسول کی سنن میں اور اللہ سے ڈرتا رہا اپنی گذشتہ زندگی میں اور تقویٰ اختیار کرے بقیہ عمر میں پس یہی لوگ کامیاب اور کامران ہیں، کامیاب وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں داخل ہو جائے۔

منافقین حضور اکرم ﷺ کے پاس آتے، محض جھوٹی قسمیں کھاتے اور بار بار اس بات کا دم بھرتے کہ ہم ہر طرح سے تمہارے سہمے ہیں اور آپ کے فرامین کے اطاعت گزار ہیں، حالانکہ وہ دل سے ساتھ نہ تھے، نہ ہی اطاعت کے گرویدہ تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں ایسے منافقین اور دوسرے کمزور فطرت لوگوں کو تاکید فرمائی ہے اللہ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی پوری پوری اطاعت کرو اور فرامین نبی کریم ﷺ کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کرو۔ اگر تم نے دانستہ طور پر منہ موڑ لیا، یا یقہ نبوی سے ہٹ گئے، تو اس جرم کا سارا وبال تمہارے اپنے سر پر ہوگا اور یہ بھی سن لو کہ اس آیت کی آخری نصیحت اور آخری راہ اتباع رسول پاک ﷺ ہے اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع اور طرز زندگی اس ایمان و ایقان سے کرو کہ تم پر رحم کی بارش بر سے اور یہی حق ہے کہ اطاعت و اتباع و سنت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے خزانے میسر آتے ہیں۔ ہر عمل زندگی میں عمل رسول کو اپناؤ کہ تمہارے اعمال اکارت نہ جائیں۔ قرآن مجید کی سورہ محمد میں خلاف راہ پیغمبر اختیار کرنے والے لوگوں کے جب اعمال اور تضحیح اعمال کو واضح کیا گیا ہے۔ آیت ۲۲ میں ہے

----- آیہ مبارکہ کے مضمون سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ وہ اعمال جو اللہ اور رسول کریم ﷺ کی اطاعت کے بغیر کئے جائیں وہ باطل و اکارت ہو جاتے ہیں، کچھ اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ ان شواہد سے یہی نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس نجر بہ گاہ دنیوی زندگی میں سرخرو وہی ہوں گے جو شریعت اسلامیہ کے دستور و آئینوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرز زندگی اور نمونہ عمل میں مشعل راہ بنائیں گے (ورنہ خدا حافظ)

اہمیت اتباع سنت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے لوگو! میں تم میں دو

چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے گمراہی سے بچ جاؤ گے۔ ان دو میں سے ایک یہ ہے کتاب اللہ یعنی قرآن مجید اور دوسری میری سنت اور نمونہ عمل ہے اور سنت کے احیاء میں ہر زمانہ کے لوگوں کو تاکید ہے۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عمر کے آخری مرحلہ میں فرمایا کرتے تھے اب ایک ہی تمنا و آرزو ہے کہ حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کی متروکہ سنت اس فقیر کے عمل سے زندہ ہو جائے، اسی کو قدر دانی احیاء سنت اور اجر و ثواب کی تحصیل کہا جاتا ہے۔

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے، جس شخص نے میری اس سنت کو رواج دیا جو لوگوں میں متروکہ ہو گئی تھی، تو اس پر عمل کرنے والوں کے مجموعی ثواب کے برابر اسکو ثواب ملے گا اور عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔ اگر تا قیامت رواج دینے والے احیاء سنت پر عمل جاری و ساری رہا، تو تمام عالمین کے ثواب و حسن عمل کے برابر اس پہلے عامل و راج کو ثواب و حسن عمل میسر آئے گا۔ کتنا اجر عظیم ہے احیاء سنت نبوی ﷺ پر کیونکہ اس نے نمونہ عمل رسول اللہ ﷺ کو رواج دے کر دین اسلام کو تقویت دی ہے۔

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ من احیا سنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائة شهید او كما قال علیہ السلام (مشکوہ ص ۳۹ بیہقی فی کتاب الزہد)
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے فساد امت کے زمانہ میں میری سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور سنت کو رواج دیا اس کو ایک سو شہید کا ثواب ملے گا۔

غالباً اس ارشاد نبوی ﷺ میں یہ حکمت ہے کہ شہید تو ایک بار اللہ کی راہ میں زخم خنجر کھا کر جان دے دیتا ہے لیکن سنتوں پر عمل کرنے والے پوری عمر لوگوں کے طعنے سنتے رہتے ہیں اور اللہ کے رسول مکرّم ﷺ کے طریقہ کو رائج رکھنے میں ہر قسم کی مخالفتیں اور تکالیف برداشت کرتے رہتے ہیں، وہ لوگ اور خصوصاً وہ کم بخت جو سنت رسول کریم ﷺ کی عظمت و فضیلت سے نا آشنا ہوتے ہیں اور متبعین سنت ان کی دل آزاریاں گوارا کرتے ہیں لہذا انہیں صف شہداء میں کھڑا کیا جائے گا جو سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کی وجہ سے نکلے اور بیوقوف سمجھے جاتے ہیں اور اس مخالفت کی لذت اور زخم طعن کی راحت و اطمینان سے آشنا ہوتے ہیں جو ایام پلا و تکلیف میں بھی سنت رسول کریم ﷺ پر کار بند اور استقامت پذیر رہتا ہے وہی بندہ خدا کہلاتا ہے بلکہ رحمت خداوندی کا محل خاص بنتا ہے۔

کتب سیرت میں آتا ہے ایک دفعہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت و دیدار سے مشرف ہوئے۔ سید عالم رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بشر حافی کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کریم نے تمہیں تمام ہم عمروں سے بلند درجہ کیوں بخشا ہے اور اتنا بلند مقام اللہ نے آپ کو کیوں عطا فرمایا ہے؟ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! میں بندہ عاجز اس سے ناواقف ہوں۔؟ آپ نے ازراہ احسان فرمایا: اے بشر! اسلئے کہ تم میری سنت اور اہل سنت سے محبت رکھتے ہو۔

اصل حقیقت یہی ہے کہ محبت کے بغیر کسی بھی ذات کی پیروی اور کمال اتباع ممکن نہیں اگر کوئی شخص اتباع رسول اللہ ﷺ میں بھرپور جذبہ محبت سے عاری و خالی ہو تو اس کے لئے کچھ حاصل زندگانی نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ اقدس میں عرض کیا: رسول اللہ ﷺ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے فرمایا: میرے دوست افسوس ہے تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اور کوئی قابل قبول تیاری تو نہیں کی البتہ خدا اور خدا کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دلی اخلاص سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ نے ازراہ دلجوئی و شفقت ارشاد فرمایا: تم اسی کے ساتھ ہو جس سے محبت رکھتے ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسلام لانے کے بعد میں نے مسلمانوں کو کسی بات سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا آپ کے ارشاد مبارک سننے سے خوش ہوتے تھے (بخاری و مسلم)

اتباع سنت صراط مستقیم ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دن حضور اکرم ﷺ نے ہمارے سامنے ایک سیدھی لکیر کھینچی فرمایا: یہ اللہ کا راستہ ہے، پھر اس کے بعد دائیں بائیں بہت سی لکیریں کھینچیں فرمایا: یہ دوسرے مخالف راستے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پر شیطان برگمار ہے جو اپنی اور گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔ پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ تلاوت

فرمائی اَنْ اَعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (پ ۲۲، یسین رکوع ۳ آیت ۶۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لوگو میری عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے (نسائی شریف)

آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی بندگی چھوڑنے کی تاکید فرمائی ہے اور اپنی بندگی

کا حکم دیا ہے اور واضح کیا ہے میں تمہارا خالق ہوں، میں نے تمہاری بقا اور نشوونما کے لئے بڑی فیاضی سے سارے وسائل بہم پہنچائے ہیں اور مجھ سے بڑھ کر تم پر کوئی شفقت و رحمت فرمانے والا نہیں ہے اور صرف میری عبادت کی راہ پر تم منزل مقصود پاسکتے ہو۔

ایک صاحب نظر کا ارشاد ہے اگر کسی بزرگ کو ہوا میں اڑتا، پانی پر قدموں سے چلتا، آگ کو منہ میں چباتا دیکھا جائے لیکن وہ عبد اللہ تعالیٰ کے کسی فرض یا نبی علیہ السلام کی سنت مشہورہ کا تارک ہو تو وہ جھوٹا ہے۔ اس کا دعویٰ ولایت و محبت باطل ہے۔ اس سے یہ کرامت نہیں، بلکہ ریقہ استدراج ہے۔ خلاصہ دین اسلام رسول علیہ السلام کی نعت اور انکے فرمودات پر مقدور بھر عمل ہے اور یہی عمل ہی دلیل دعویٰ محبت و اطاعت حبیب ہونا ہے اور اسی کو اسلام کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شریعت مطہرہ میں کسی دوسری ملت کو اپنانے کی سخت ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ دوسری تمام ملتوں میں اہل ملت اتباع و سنت رسول آخروصلی اللہ کے خلاف طریقہ عمل ہے اور سیرت و طرز زندگی رسول مکرم کے مقابل بدعات پر مبنی ملت شریعت اخرہ میں مردود و غیر قابل عمل ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمہ اوقات ہمہ اعمال میں رسول کریم صلی اللہ کا طریق زندگی اور عمل اپنانے کی کوشش میں رہتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنی پوری مدت خلافت میں یہی وطیرہ اختیار کیا کہ جب کبھی کوئی معاملہ آپ کے درپیش ہوتا، تو آپ سب سے پہلے قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ کی طرف رجوع فرماتے تھے اور اجتہاد سے اس وقت کام لیتے، جب کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ میں کوئی حکم نہ پاتے،۔ بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں میں یہ مروی ہے کہ خلیفۃ المسلمین اول ابو بکر صدیقؓ نے اپنی وفات سے قبل کوئی چند گھنٹے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ رسول کائنات کے کفن مبارک میں کتنے کپڑے تھے؟ اور آپ کا وصال مبارک کس دن ہوا۔ وجہ دریافت یہ تھی کہ آپ اپنی آرزوئے کمال ایمان و محبت سے اس خیال میں

رہے کہ زندگی بھر رسول کریم ﷺ کی اتباع اور تعمیل سنت کو عملی جامہ پہنایا جا۔
وقت کفن و دفن میں بھی آرزوئے تعمیل سنت پر ہر لمحہ کار بند رہنے کا جذبہ کار فرما رہا

دستور زندگی خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ

چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دستور العمل کتاب اللہ کے بعد اتباع سنت کے سوا کچھ نہ تھا، حتیٰ کہ کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے، لباس اور جو تا پہننے اور تمام آداب زندگی میں آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھتے مثلاً حضور نبی کریم ﷺ نے فقر کو اختیار فرمایا: زندگی بھر کفایت کو شعار بنایا تو اسی طرح خلیفہ ثانی نے بھی روم، ایران کی شہنشاہت کا مالک بنا جانے کے بعد بھی فقر و فاقہ، سادگی اور کفایت کا ہمیشہ شعار پسند کیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے آپ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے۔ معمول سے بھی کم کھانا تناول فرمانے سے قبل دسترخوان پر عمدہ کھانے چنے ہوئے دیکھ کر کھانے سے ہاتھ اٹھالیا، فرمانے لگے قسم ہے اس ذات قادر کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم رسول اللہ ﷺ کے طریقہ زندگی اور وطیرہ پاکیزہ سے ہٹ گئے اور تکلفات کو اپنالیا تو اللہ تعالیٰ تمہیں جادہ مستقیم سے محروم فرمادے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) کو دیکھا وہ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے، اور ساتھ ہی یہ بھی فرما رہے تھے کہ اے حجر اسود! تو خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب ایک پتھر ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تجھے بوسہ نہ دیتے، تو میں بھی ہوں۔ میں بوسہ نہ دیتا یعنی چھوٹے سے چھوٹے عمل میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات مبارکہ ملحوظ رکھتے تھے۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مقام ذوالحلیفہ میں دو رکعت ادا کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کبھی سفر میں اس مقام سے گزرتے تو اسی جگہ دو رکعت نماز ادا کرتے۔ ایک موقعہ پر کسی شخص نے دریافت کر لیا اے خلیفۃ المسلمین! یہ کیسی نماز ہے۔ کیا یہ بھی شریعت اسلامیہ میں واجبات سے ہے، حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس مقام پر نماز پڑھتے دیکھا ہے، لہذا اس لئے میں بھی یہیں پڑھتا ہوں۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد مبارک کے دوسرے دروازہ پر بیٹھ گئے ایک بیری کا پٹھا منگوایا اور اسے کھالیا۔ پھر بغیر تازہ وضو کے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ فرمایا: آنحضرت ﷺ کو میں نے دیکھا تھا کہ آپ نے اسی جگہ بیٹھ کر پتہ چبا کر کھایا تھا اور تازہ وضو کے بغیر ہی نماز پڑھی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہیں جا رہے تھے کہ دوستوں کی ایک جماعت پر سے آپ کا گزر ہوا، انہوں نے سالم بکری بھون کر کھانے کے لئے تیار کی۔ ان لوگوں نے آپ کو بھی دعوت دی۔ آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا اور شریک نہ ہوئے کہ حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے، کبھی آپ نے اپنے جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی تھی، بھلا میں مگر کس طرح ایسا عمدہ اور پر تکلف کھانا اور گوشت بریاں کھا سکتا ہوں؟ (مشکوہ شریف)

مرویات میں یہ واقعہ کثرت سے ملتا ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مکان مبارک مسجد نبوی شریف سے متصل تھا اور اس کا پرنا لگی کی طرف لگا ہوا تھا۔

بارش کے وقت آنے جانے والے اور نمازیوں کے گزرتے وقت اس کا پانی لوگوں پر گرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن وہ پرنا لگا کھاڑ کر دوسری طرف لگا دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے جب گھر آئے تو پرنا لگا دوسری جگہ دیکھا، دریافت کرنے پر حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ خدا کی قسم اس پرنا لگا رسول خدا نے میرے کندھے پر نہ رکھا رکھ کر اس جگہ نصب فرمایا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

عرض کی اے رسول خدا کے چچا بزرگوار! مجھے اس کا علم نہ تھا لیکن بحمد اللہ میرا مقدر اور نصیبہ بخت ور ہے۔

میں آپکو بطیب خاطر خوش بختی سے کہتا ہوں کہ اسی طرح آپ میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر پرنا لہ کو اسی مقام پر لگا دیں۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کندھوں پر کھڑے ہو کر پرنا لہ دوبارہ پہلی جگہ پر لگا دیا۔

چنانچہ مستند کتب سیرۃ میں آتا ہے: ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو لکھا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں دل میں خدا خوفی کی ہمہ وقت دل میں خوف خدا پیدا کرنے کی اور اس کے احکام پر پورا پورا چلنے اور عمل کرنے کی اور آنحضرت ﷺ کی ہر سنت کی اتباع و پیروی کرنے کی اور جو امور اہل بدعت نے اپنی رائے سے نکال لئے ہیں ان سب کو ترک کرنے کی، کیونکہ اہل بدعت نے تمام بدعات اس وقت نکال لی ہیں۔ جب سنت مبارکہ کا اجراء اور ان کی تعمیل کافی وافی ہے لہذا تم پر ہر طرح سے ہر سنت کی پیروی لازم ہے، کیونکہ سنت مبارکہ تمہیں بفضل خدا تمام برائیوں اور گمراہیوں سے بچانے والی اور راہ خیر پر چلانے والی ہے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا طریق فقہت و اجتہاد ہمیشہ یہ رہا ہے آپ فرماتے ہیں بیان مسائل میں جب مجھے کوئی حکم کتاب اللہ میں مل جاتا ہے تو میں فوراً اس کو عمل اور بیان مسائل میں لے لیتا ہوں اگر کتاب اللہ میں حکم نہ ملے تو سنت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ان آثار کو عمل میں لیتا ہوں جو ثقہ لوگوں کے۔ یہاں ثقہ لوگوں کے واسطے سے معروف ہیں۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ دونوں میں کوئی حکم مجھے نہ ملے تو اس کے بعد اصحاب رسول کی اتباع کرتا ہوں یعنی اجماع صحابہ پر عمل کرتا ہوں۔ اور اصحاب کے اختلاف کی صورت میں جس صحابی رضی اللہ عنہ کا قول زیادہ حسین ہوتا ہے اسے قبول

کرتا ہوں لیکن صحابہ کرامؓ کے اقوال چھوڑ کر قطعاً کسی اور راہ کو اختیار نہیں کرتا ہوں۔ رہے دوسرے لوگ یعنی صحابہ کرامؓ کے ماسواء تابعین ہوں یا تبع تابعین، تو جس طرح مسائل میں وہ اجتہاد کرتے ہیں میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کسی نے سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ آپ اجتہاد کے درپے رہتے ہیں اور آنحضرت کریم ﷺ کے حکم و طریقہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں حضرت امام اعظمؒ نے فرمایا خدا اس پر لعنت کرے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کی مخالفت کرتا ہے خداوند عالم نے آنحضرت کریم ﷺ کی ذات بابرکات سے ہمیں عزت و ناموس اور ناموری عطا فرمائی ہے اور آپ ہی کے وسیلہ اور ذات اقدس کی برکت سے ہم نے تمام گمراہیوں اور دوزخ سے نجات پائی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک موقع پر میں نے دل میں ارادہ کر لیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھانے کی طرف رغبت اور عورتوں سے نکاح اور خواہشات کو ختم کرنے کا سوال کروں اور ان امور سے نجات پاؤں لیکن بار بار سوچ کرنے کے بعد اسلئے خاموشی اختیار کی کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ایسا سوال نہ کیا بلکہ اسے بجلائے ہیں تو میں خلاف سنت کیوں کروں؟

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے طریقہ عمل کی روح اور زندگی کا محور یہ ہے کہ بندے کا کوئی قدم اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف نہ اٹھے اور ہر لمحہ زندگی صرف اسی ذات ستودہ صفات کی یاد میں گزرے، بلکہ میرے نزدیک اصل کرامت اور ولایت بھی یہی ہے کہ کوئی عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت مطھرہ کے خلاف نہ ہو، کیونکہ اصل میں سنت رسول ہی صراط مستقیم اور راہ نجات ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سنت ظاہرہ: آنحضرت کریم ﷺ کا ہر قول و فعل، عادت و طریقہ حکمت و فلاح سے لبریز تھا اور تمام خصائل و عادات، طرق عمل، آداب و حکم اوامر و مناہی سب کے سب کتاب اللہ کی تفسیر قولی و فعلی تھے اور تا قیام قیامت مسلمانوں کے لئے مکمل عملی نمونے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں داڑھی کی اصلیت: آنحضرت کریم ﷺ کی ان گنت

اور۔۔۔ شمار سنن و آداب سے ایک اہم سنت اور شعار اسلامی لازمی داڑھی رکھنا ہے۔ تمام امم و اقوام میں سارے کے سارے انبیاء علیہم السلام کی شرائع مطہرہ میں داڑھی سنت مقبولہ اور شعار نبوت رہا ہے جو لوگ داڑھی رکھنے اور چہرہ سجانے کے عمل کو مردانہ حسن کے خلاف سمجھتے ہیں وہ راہ گمراہی کے راہی ہیں اور یہ بھول چکے ہیں کہ حسن حقیقی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اصل خلقت حسن اتی کی ذات سے ہے ارشاد مروی ہے ان اللہ جمیلٌ یحبُّ الجمالَ اور اللہ کی ساری مخلوق میں اصل حسن و جمال کا پیکر اپنی زبان ترجمان حق و حقیقت سے فرماتا ہے داڑھی مرد کی زینت ہے اور مرد کی خوبی ہے مگر آج عالم میں جھوٹے اور بے معنی حسن، کاپیجاری دندنا تا ہوا کہتا ہے کہ داڑھی رکھنا مولویوں کا کام اور بے وقوفوں کا فعل ہے یہ کتنی بیہودہ لاف ہے اور علم حدیث و سنت سے اور دانایاں امت فقہاء کی تصریحات سے بیگانگی ہے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ بتاتی ہے ذوات مبارکہ راہنمایاں انسانیت مہابط و حی سماویہ اور موارد انوار ربانی تمام کے تمام باریش تھے اور چہرہ اقدس پر داڑھی کی وجہ سے مزین تھے۔ سنیت داڑھی کی تائید میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا اے میرے اصحاب داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹوؤ۔۔۔ داڑھی کو چھوڑے رکھو اور آتش پرستوں کی مخالفت کرو (مسلم شریف)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول خدا ﷺ نے فرمایا، مشرکین کی مخالفت کرو داڑھی بڑھاؤ، مونچھیں کم کرو اور لبوں کو خوبصورت بناؤ۔

مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہند بن ابی ہالہ کی روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک گھنی اور بہت گنجان بالوں والی تھی مزید وظائف النبی ﷺ میں مذکور ہے حبیب خدا ﷺ کی ریش مبارک باعتبار زینت و حسن و خوبی کے طبعاً چار انگل کے برابر تھی۔

حضرت محدث شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ لبوں کے بال کٹوانے میں ائمہ مذہب کا اختلاف ہے لبوں کے بال کم از کم اتنا قدر ہوں کہ لبوں کے اطراف ظاہر اور صاف ہوں اور لبوں کو استرے سے صاف کروانا بدعت ہے۔ احناف کا مذہب ہے کہ لبوں کو ابرو کے مقدار چھوڑا جائے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے لبوں کے باہر کے گوشے چھوڑ دیتے تھے کیونکہ اتنی مقدار و کیف کے لب کے بال نہ منہ کو ڈھانتے ہیں اور نہ طعام کھانے اور مشروبات پینے سے آلودہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح دانایان امت میں داڑھی بڑھانے میں بھی اختلاف ہے مذہب حنفی میں داڑھی چار انگل کی مقدار ہے اس سے کم نہ ہو لیکن علماء و مشائخ مقدار معروف سے بڑھائیں تو درست ہے یقیناً آج سے سابقہ ادوار میں عظمت و وقار کا شعار داڑھی ہوتی تھی اسلئے علماء و مشائخ کے لئے داڑھی اسلامی رواج ہو گیا تھا ان کی شیخوخت پر دلالت اور پر شکوہ صورت کا فائدہ دیتی تھی۔

فقہاء امت میں صحیح و مختار قول یہ ہے کہ داڑھی ہر انسان کے چہرے کے مناسب حال ہو، بازیب اور خوبصورت بانگین ہو لیکن اتنی طویل اور حد سے بڑھ کر نہ ہو کہ لوگوں میں استہزاء اور مزاح کا باعث ہو بلکہ مقدار داڑھی چہرہ کو زینت بخشنے۔

طعام و غذا کھانے کی سنتیں

چنانچہ حضور اقدس ﷺ کھانا کھانے سے قبل دونوں ہاتھوں کو دھو کر کلی فرماتے اور انتہائی انکساری سے دسترخوان پر بیٹھتے تھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر شروع فرماتے تا آنکہ سالن اور ترکاری ڈالتے وقت بھی بسم اللہ شریف پڑھتے - دائیں ہاتھ مبارک سے لقمہ لیتے اور منہ میں ڈالتے - کھاتے وقت لقمہ ابھی طرح چبا چبا کر کھاتے - لقمہ درمیانہ لیتے تاکہ کھانے چبانے میں آسانی اور دائرہ تہذیب و شرافت بحال رہے - اگر ایک ہی برتن میں متعدد آدمیوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھتے تو اپنے سامنے سے کھاتے ، دوسرے آگے والے حصے سے لینے اور کھانے کی کوشش نہ کرتے (۱) کھانا کھاتے وقت اگر چھینک آجائے تو منہ دوسری طرف کر کے چھینکا جائے (۲) کھانا مناسب مقدار میں کھانا چاہیے (۳) بالفرض کھانا کھاتے وقت لقمہ گر جائے اور صاف ہو سکتا ہو تو صاف کر کے کھا لینا چاہیے (۴) کھانا ختم کرتے وقت برتن صاف کرنا چاہیے (۵) اگر انگلیوں کے ساتھ سالن یا اور کوئی کھانے کی چیز لگی ہو تو اسے چاٹ لینا چاہیے (۶) کھانا کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے (۷) کھانا کھا لینے کے بعد ہاتھ دھو کر تولیے یا کپڑے سے صاف کرنے چاہئیں (۸) کھانا کھا لینے کے بعد کوئی ایک مسنون دعا پڑھنی چاہیے مثلاً ایک دعا یہ ہے الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ دوسری دعا اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي هَذَا الطَّعَامِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ (مشکوہ ص ۳۶۵)

علاوہ ازیں چند احادیث مبارکہ آداب طعام کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں -

آداب (بسم اللہ شریف)

(۱) کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا سنت ہے۔ (۲) بسم اللہ شریف اگر نہ پڑھی جائے، تو شیطان کھانے میں شریک ہو جاتا ہے (۳) اگر شروع میں بسم اللہ شریف بھول جائے، کھاتے ہوئے جب بھی یاد آئے، اسی وقت پڑھ لے۔

احادیث و روایات: حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! کٹھے بیٹھو اور مل کر کھانا کھاؤ اور بسم اللہ ضرور پڑھا کرو، تمہارے لئے اس میں برکت ہے (ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: کھانا کھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو، اگر شروع میں بسم اللہ شریف یاد نہ رہے تو جب بھی یاد آئے پڑھ لیا کرو (مشکوہ ص ۳۶۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر میں مزید سے مزید خیر و برکت فرمائے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ اس شخص کو چاہیے کہ جب کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو پہلے ہاتھ دھو لے اور فارغ ہو کر بعد میں بھی ہاتھ دھوئے۔

کھانے پر بیٹھنے کا طریقہ سنت طریقہ یہ ہے کہ بائیں قدم پر بیٹھے، دائیں قدم کو

کھڑا رکھے کسی چیز سے ٹیک نہ لگائیے، بیٹھ کر کھانا چاہیے اور کھڑے ہو کر کھانا کھانا خلاف سنت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا

حضرت ابو عیسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ کھانا کھاتے وقت جوتے اتار لو، یہ سنت جمیلہ ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانا کھانے سے قبل جوتے اتار کر بیٹھو، اس میں تمہارے پاؤں کے لئے راحت ہے (مشکوہ و حاکم)

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ کھڑے ہو کر کھانا فعل قبیح ہے =

عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ انه نہی ان یشرب الرجل

قائما - قال قتادة فقلنا لانس فالاكل قال ذالك الشر او اخبت

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا حضرت قتادہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کھانا کھڑے ہو کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ بدترین اور خبیث کام ہے (مسلم شریف)

کھانے میں دایاں ہاتھ مبارک ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمانو! تم پر لازم ہے دائیں ہاتھ سے کھانا اور اسی دائیں ہاتھ سے پانی پینا، کوئی بھی چیز ہو دائیں ہاتھ سے دینا اور دائیں ہاتھ سے لینا مبارک ہے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے، بائیں ہاتھ سے پیتا اور بائیں ہاتھ سے لینا اور بائیں ہاتھ سے دیتا ہے (سنن ابی ماجہ)

نمکین شے سے کھانا شروع کیا جائے

حضرت مولا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانے کو نمک سے شروع اور نمک سے ہی ختم کرو، کیونکہ کھانے کے اس طریقہ سے ستر

بیماریوں سے شفا ہوتی ہے اور ان میں سے جذام، برص، درد دندان اور درد شکم سے بھی شفاء ہے (نزہۃ المجالس جلد اول)

روٹی ذی قدر اور محترم ہے

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ روٹی کا ایک ٹکڑا زمین پر گرا ہوا دیکھا فوراً اٹھالیا اور صاف پونچھ کر تناول فرمایا ارشاد فرمایا: عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اچھی شی کا اہتمام و احترام کرو، کیونکہ یہ وہ چیز ہے (روٹی) جب کسی قوم سے روٹی چھن جاتی ہے، پھر لوٹ کر واپس اس نعمت کا ملنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (خبردار) شیطان تمہارے ہر کام میں شریک ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ کھانے میں بھی اگر کوئی لقمہ گر جائے اور اسپر کوئی مٹی لگ جائے، تو صاف کر کے کھا لو۔ اگر بالکل صاف ہو تو پھر بطریقہ اولی صفائی سے کھا لینا ضروری ہوا، اسے شیطان کے لئے پڑا نہ چھوڑو۔ کھانے والی ساری انگلیوں کو اچاٹ لو، کیونکہ بندہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کس حصہ اور لقمہ میں برکت ہے (مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فرمایا: روٹی، (طعام) کا پورا پورا احترام کرو کیونکہ یہ زمین و آسمان دونوں کی برکات سے ہے۔ جو شخص بوجہ خلوص اور احترام دسترخوان پر گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھا لیتا ہے، وہ اس کے لئے موجب مغفرت ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حریر، دیباچ، ریشمی کپڑے اور سونا، چاندی کے زیورات تمام مسلمان مرد استعمال نہ کریں کیونکہ یہ دنیا میں

کافروں کے لئے ہے اور آخرت میں تمہارے لئے ہوں گے۔

(بخاری شریف) ۲/۸۶۷

کھانے کے برتن ڈھانک کر رکھنا

یہ عادت انتہائی پسندیدہ ہے کہ کھانے کے برتن کو کسی شے سے ڈھانپ کر سونا چاہیے یہ سنت ہے، کیونکہ کھانے کے آن دھلے برتنوں سے وبائی امراض پیدا ہو سکتی ہیں اور کئی دوسرے موذی جانوروں کے چاٹ لینے سے زہر وغیرہ کا خدشہ بھی ہے۔ برتن ڈھانپ دینے سے ایک ستھرا طریقہ صفائی بھی ہے۔

بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگو! برتن ڈھانپ لیا کرو، پانی والی مشکوں اور ڈولوں کو کامنہ بند کر لیا کرو۔ شام کے وقت اپنے چھوٹے بچوں کو گھر میں اپنے ساتھ بٹھالیا کرو۔ سوتے وقت چراغ بجھا لیا کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کوئی چوہا، کرلی وغیرہ بتی کی فلائی کھینچ لے جائے اور گھر میں آگ لگ جائے اور ساتھ ہی گھر والوں کو بھی جلادے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اول شب یا سر شام اپنے چھوٹے بچوں کو گھر کی چار دیواری سے باہر نہ جانے دو کیونکہ بوقت شام گلیوں میں شیاطین اور بھوتے پھر رہے ہوتے ہیں، کسی بھی بچے کو ایذا اور تکلیف میں ڈال دیں۔ ہاں شام کا وقت گزر جائے، تو پھر باہر نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور شام کے وقت گھر کی چار دیواری کے دورازے یا کھڑکی بند کرتے وقت بسم اللہ شریف پڑھ لیا کرو کیونکہ شیطان ایسے دورازے کو نہیں کھولتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ خوراک

حضور نبی کریم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی جس قسم و نوعیت کا کھانا آپ کے لئے پیش کیا جاتا آپ اسے تناول فرمالتے تھے۔ کھانے کے معاملے میں کوئی معمولی یا اہتمام والی کیفیت کو ہرگز پسند نہ فرماتے تھے۔ سادگی اختیار فرماتے۔ اکثر جو کی روٹی کھالیا کرتے۔ گاہے گاہے گندم کی روٹی بھی تناول فرماتے، مگر میدہ کی روٹی کبھی تناول نہ فرمائی تھی اور پیٹ بھر کر کھانا بھی نہ کھاتے تھے۔ اور دن میں دو یا تین مرتبہ پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۱۰)

حضرت یوسف بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دن دیکھا کہ آپ نے جو کی روٹی پر کچھور کے دانے رکھے ہوئے تھے۔ فرمایا: یہ اس کا سالن ہے۔ اسی سے روٹی تناول فرمائی مگر آپ کے لئے سب سے پسندیدہ سالن، گوشت کا تھا، اسی لئے آپ نے تمام کھانوں پر گوشت کو سردار کی حیثیت دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شوربے والا اور زیادہ تر بھنا ہوا گوشت شوق سے کھاتے تھے اور (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک مرتبہ بکری کا گوشت کہیں سے آپ کے ہاں پیش ہوا، اس سے آپ نے اگلے چوڑے کا گوشت لیا کیونکہ اگلے چوڑے کے گوشت کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔

لیکن حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین گوشت پیٹھ اور کنگریڑ والی ہڈی کا ہوتا ہے (ترمذی) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔ آپ نے مچھلی کا گوشت بھی شوق سے کھایا ہے۔

بخاری شریف میں ایک مفصل حدیث ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم اصحاب رسول کریم ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں جیش خبط کا جہاد کیا - ان دنوں میں ہم شدت بھوک کی کشمکش میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی - سمندر نے ایک بہت بڑی مچھلی اچھال کر کنارے پر پھینک دی اور پانی پیچھے ہٹ گیا - ہمارے لئے وہ عنبر مچھلی ایک نئی اور انوکھی شے تھی - پورے لشکر کے ہم سب لوگ نصف ماہ تک اسے کھاتے رہے، اسکی پسلی کی ہڈی بھی بہت بڑی تھی - حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس مچھلی کی ایک ہڈی زمین پر کھڑی کی کہ اونٹ سوار اس کے نیچے سے گزر گیا - جب ہم اس سفر جہاد سے واپس آئے ہم نے یہ سارا ماجرا رسول اللہ ﷺ کو عرض کیا - آپ نے فرمایا : خوب اور خوشی سے کھاؤ، وہ رزق اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اور دریافت کیا اگر تمہارے پاس اس مچھلی کے گوشت کا ٹکڑا ہے تو مجھے بھی کھلاؤ - حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمارے پاس اسی مچھلی کا گوشت تھا - ہم نے ایک ٹکڑا آپ کی بارگاہ عالی جاہ میں پیش کیا - آپ نے اسمیں سے کچھ تناول فرمایا -

گوشت خرگوش: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم بعض دوست مقام ”مر الظهران“ میں ایک شکار کرنے لگے - پیادے اسکے پیچھے چھپتے دوڑتے رہے - بالاخر میں نے اسے دبوچ لیا اور پکڑ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا انہوں نے اسے ذبح کیا - اس کی ایک ران رسول کریم ﷺ کو بھیج دی - آپ نے اسے قبول فرمایا (ترمذی) اور ایک دوسری روایت میں صراحتاً مذکور ہے کہ آپ نے خرگوش کی بھونی ہوئی ایک ران تناول فرمائی (بخاری شریف - مشکوٰۃ شریف ص ۳۵۹)

علاوہ ازیں مرویات مشہورہ کے ذیل احادیث میں بکثرت آیا ہے رسول خدا ﷺ نے

بیر اور نیل گائے کا گوشت بھی تناول فرمایا ہے (صحیحین)

حضرت ام اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک مرتبہ میں نے گھر میں مکھن سے گھی نکالا اسی تازہ گھی کو ایک عَقَّہ (یعنی کپہ) تنگ منہ کا چمڑے سے بنا ہوا چھوٹی گاگر نما گھی جمع کرنے کے لئے ایک برتن رہا ہے) کپہ میں ڈال کر رسول کریم ﷺ کی خدمت قدسیہ میں ہدیہ کے طور پر بھیجا۔ آپ نے اسے قبول فرمایا۔ اس سے گھی نکالا اور تھوڑا سا باقی رہنے دیا، دعا برکت فرما کر اسی تھوڑے سے باقی بچے ہوئے گھی میں کپہ کے اندر پھونک ماری۔ ایک صحابی کو کپہ دیا کہ ام اوس صحابیہ کے گھر واپس پہنچا دو۔ جب صحابی رسول نے کپہ کو اسے واپس کیا تو وہ اسی طرح بھرا ہوا تھا تو وہ بہت متفکر ہوئیں۔ خیال کرنے لگیں کہ شاید آنحضرت ﷺ نے میرا ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ حضرت ام اوس رضی اللہ عنہا مخلص صحابیہ تھیں، انتہائی مایوسی کی حالت میں حسرت بھرے لہجے سے حاضر خدمت اقدس ہوئیں عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! میں نے گھی ہدیہ پیش کیا تھا کہ آپ اسے استعمال میں لا کر تناول فرمائیں گے۔ آپ تاڑ گئے دعائے مقبولہ کی برکت ام اوس نہیں سمجھی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے ام اوس! مایوس نہ ہوں، ہم نے آپ کا گھی لے لیا تھا اور اپنے برتن میں پلٹ لیا تھا، کپہ میں جو گھی ہے، تم اسے خوشی اور سعادت سے کھانے میں استعمال کرتی رہو۔ حضرت ام اوس رضی اللہ عنہا نے اس متبرک گھی کو حضور کریم ﷺ کی زندگی مبارک میں اپنی تمام ضروریات میں استعمال کیا۔ آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی اسے برابر استعمال میں لاتی رہیں، ادوار ثلاثہ یعنی زمانہ خلافت خلیفہ اول و ثانی و خلیفہ ثالث میں پورا پورا استعمال کیا، تمام ضروریات میں کشادہ خرچ کیا اور اولاد کی شادی بیاہ تک اسی سے نبھائے کپہ میں برابر گھی بھرا رہا حتیٰ کہ زمانہ خلافت حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ میں تنازعہ امیر معاویہ اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما تک اسی طرح برابر جاری رہا

لیکن فریقین کے تنازعہ اور قتل اصحاب کی وجہ سے وہ برکت جاتی رہی اور گھی ختم ہو گیا)
(خصائص کبریٰ)

کھجور اور جو کا آٹا چنانچہ پرانے زمانہ میں کھجور عربوں کی غذا اور خوراک کا فائدہ
دیتی تھی۔ عرب لوگ اکثر و بیشتر کھجور کو خوراک کے طور پر استعمال میں لاتے۔
حضور نبی کریم ﷺ نے کھجور کی افادیت و غذائیت کی بہت تعریف کی ہے اور زندگانی
مبارک میں کھجوریں بکثرت استعمال میں لائیں۔ خوراک کے علاوہ میٹھا شربت بھی
بناتے تھے مزید برآں یہ کہ کھجور کو آپ پانی میں رات کو بھگوتے یا امہات المؤمنین میں سے
کوئی ایک رات کو کھجوریں پانی میں بھگو دیتی تھی اور صبح نہار منہ نچوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم وہ پانی پی لیتے اور سیراب ہو جاتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی
دعوت ولیمہ میں رسول اللہ ﷺ نے کھجور اور جو کا آٹا ملا کر بطور مٹھائی صحابہ کو دیا تھا۔
حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دن رسول اللہ سردار انبیاء ﷺ میرے ہاں
تشریف لائے۔ ان دنوں ہماری کھجوروں کے درختوں کے دانوں کے بڑے بڑے خوشے
لٹک رہے تھے۔ میں نے عمدہ عمدہ خوشے توڑے اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش
کئے۔ آپ نے ان سے تناول فرمایا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔
انہوں نے بھی آپ کیساتھ کھانا شروع کیا، مگر چونکہ

مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ان دنوں بخار سے صحت یاب ہوئے تھے اس لئے انہوں نے
ہاتھ اٹھالیا اور مزید نہ کھایا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب شوق سے کھایا۔
حضرت ام منذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے گھر سے کچھ جو لئے اور
چقندر کے ساتھ ملا کر پکائے اور خدمت اقدس میں پیش کئے اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: اے علی یہ تم بھی کھاؤ، یہ تمہارے لئے زیادہ مناسب و مفید ہے (ترمذی)
 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول خدا ﷺ کی بارگاہ میں ایک مرتبہ پنیر کا
 ایک ٹکڑا یعنی موجود زمانہ کی برنی کی ڈلی پیش کی گئی۔ آپ نے اسے کھانے کے لئے توڑا
 اور بسم اللہ شریف پڑھ کر اسے تناول فرمایا۔ (سنن ابوداؤد)

روغن زیتون اور سرکہ: حضور نبی کریم ﷺ گاہے بگاہے روغن زیتون سے روٹی

تر فرمالتے اور پسندیدگی سے کھاتے، صحابہ کرام کو بھی فرماتے روغن زیتون کو خوب کھاؤ اور
 اس سے سر اور جسم کی مالش کیا کرو کیونکہ یہ شجرہ مبارکہ کا تیل ہے۔ (ترمذی)

حضرت ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسن بن علی المرتضیٰ
 حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ علیہم اجمعین میرے

ہاں تشریف لائے اور فرمائش کرنے لگے کہ رسول خدا جو کھانا زیادہ پسند فرماتے اور رغبت
 سے کھاتے تھے وہی ہمیں بھی کھلاؤ، حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا: پیارے

صاحب زادو! میرے جگر گوشو! میرے بیٹو! شاید کھانا آج تمہیں پسند نہ آئے۔ عرض کرنے
 لگے ضرور پسند آئے گا۔ شوق سے کھائیں گے، اتنے میں وہ تھوڑے سے جو لے کر پیئے لگیں

، جو کا آٹا تیار کر کے اس میں کچھ روغن زیتون ملا یا اور کچھ مرچیں، زیرہ پیس کر اس میں ڈالا،
 اچھی طرح پکا کر مہمان بیٹوں کو پیش کیا، فرمایا: یہ کھانا سید عالم ﷺ کو بہت پسند تھا (ترمذی)

گاہے گاہے آنحضرت کریم ﷺ سرکہ سے بھی روٹی کھالتے تھے اور سرکہ کو شوربا کے

طور استعمال میں لاتے اور سرکہ کے بیشمار فوائد بیان فرماتے اور بہت تعریف کرتے۔

سبزیاں: حضور نبی کریم ﷺ تمام سبزیوں سے کدو کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ حضرت

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک مرتبہ کسی درزی نے نبی کریم ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا

آپ کو دعوت دی، میں بھی آنحضرت ﷺ کی معیت میں حاضر دعوت ہوا، اس درزی نے جو کی روٹی اور شوربا خدمت اقدس میں پیش کیا اور سالن شوربا کدو اور گوشت سے تیار کیا گیا تھا۔ کھاتے وقت میں نے بار بار دیکھا کہ آنحضرت ﷺ پیالہ میں سے کدو کے ٹکڑے تلاش کر کے چن چن کر تناول فرما رہے تھے۔ اس دن کے بعد میں ہمیشہ کدو کو دوسری ترکاریوں سے زیادہ پسند رکھتا تھا (بخاری و مسلم و ترمذی)

حضرت جابر بن طارق اور حضرت انس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ: "نور سید عالم ﷺ کو کدو بہت پسند تھا۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سرور کائنات ﷺ ایک دعوت طعام میں تشریف لے گئے۔ کھانا پیش ہوا اس میں کدو کا سالن شوربا تھا۔

حضرت انس فرماتے ہیں: چونکہ میں آپ کی پسند بانتا تھا جو آپ کو مرغوب تھا، لہذا میں کدو کے ٹکڑے، قتلے آپ کے آگے کر دیتا، آپ شوق سے تناول فرماتے (شمائل ترمذی) طعام میں ثرید بھی رسول اکرم ﷺ کو بہت پسند تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایک مرتبہ رسول خدا محبوب کبریا ﷺ کی خدمت میں ایک بڑا پیالہ ثرید سے لبریز پیش ہوا۔ آپ نے اصحاب مجلس کو کھانے کا حکم دیا اور تلقین فرمائی کہ درمیان سے نہ کھاؤ بلکہ آس پاس کناروں سے کھاتے رہو کہ درمیان میں برکت کا نزول ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ)

متفرق کھانے اور پھل بعض احادیث احاد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم میٹھا طعام بھی پسند فرماتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک تجارتی قافلہ آیا جن کا مال تجارت شہد اور آٹا تھا ایک اور روایت میں ہے کہ آٹا گھی اور شہد تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کچھ حصہ حضور پر نور نبی روف وریم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپ نے ان کے لئے دعائے برکت فرمائی

پھر دیکھی منگوائی اور ان تین چیزوں سے حلوہ یعنی مٹھائی تیار کروائی۔ صحابہ کرامؓ کو فرمایا: اے میرے غائبو! اسے کھاؤ۔ اہل فارس اسے حیص کہتے ہیں اور حدیث مبارک میں ہے حضور اکرم ﷺ نے خزیرہ بھی تناول فرمایا ہے۔ (خزیرہ مٹھائی کی ایک قسم ہے)

سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک روز دن چڑھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے، میں نے خزیرہ تیار کر کے خدمت اقدس میں پیش کیا۔ (مدارج النبوة، جلد اول)

چنانچہ مدارج النبوة میں ہے کہ آنحضرت کریم ﷺ نے بھنا ہوا جگر، کلیجہ بھی تناول فرمایا ہے۔

حافظ ابو نعیم نے حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ شاہ روم کی طرف سے سوٹھ (سندھ) کا مربہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بطور ہدیہ پیش ہوا۔ آپ نے صحابہ کرامؓ میں تقسیم کیا اور خود بھی تناول فرمایا اور کچا پیاز اور لہسن کھانا آپ نے انتہائی ناپسند فرمایا (مسلم شریف)

میوہ دار درختوں کے پھل اور میوے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بہترین نعمت ہیں۔ آپ کی عادت مبارک تھی ہر موسم کا تازہ پھل اور نئے پھل و میوہ نپسند فرماتے اور خوش ہو کر کھا لیتے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا طریقہ کار تھا کہ بازار میں جب کوئی نیا اور تازہ پھل دیکھتے تو خرید لاتے پہلے آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہ پیش کرتے اور آپ قبول فرماتے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ہاں جب نئے پھل اور میوے تیار ہوتے تو پہلے خود نہ کھاتے، بلکہ پہلے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیہ کے طور پر پیش کرتے۔ آپ کریم ﷺ تازے پھلوں اور میووں کو ہاتھ مبارک میں لے کر دعائے برکت فرماتے۔ بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے اے رب کریم!

ہمارے پھلوں اور ہمارے میوہ مدینہ میں برکت فرما۔ ہمارے صاع اور مد میں بھی برکتیں نازل فرما۔ اے اللہ کریم بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے، تیرے خلیل، تیرے نبی تھے اور بے شک میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ نے تجھ سے شہر مکہ کے لئے دعا اور سوال کیا تھا، یعنی جو انہوں نے مکہ معظمہ کے لئے دعا اور سوال برکت کیا تھا، لیکن میں تجھ سے اپنے شہر مدینہ منورہ کے لئے وہی دعا اور سوال کرتا ہوں، وہی جو انہوں نے مکہ معظمہ کے لئے کی تھی، بلکہ اس سے دوگنی دعا اور سوال برکت کرتا ہوں۔ (ترمذی شریف)

مختلف میوے ککڑی، خر بوزہ، انگور، کھجور، انجیر

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے رسول اکرم ﷺ کو ککڑی اور تازہ کھجور کھاتے دیکھا ہے (شمائل ترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول کریم ﷺ کو خر بوزہ اور کھجور ایک ساتھ کھاتے دیکھا ہے۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ کو انگور تناول فرماتے دیکھا ہے آپ کے دست مبارک میں انگور کا گچھا تھا اور آپ دانے توڑ توڑ کر کھا رہے تھے (مدارج النبوة)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے دو طباق انجیر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انجیریں خود بھی تناول فرمائیں اور صحابہ کرام میں بھی تقسیم کیں (مشکوہ شریف)

لباس میں سنتیں

شرف انسانیت اور منصب عبادت کو یہ زیادہ لائق تھا کہ انسان اپنی شرافت کی رو سے شرم و حیا کا پیکر ہوتے ہوئے ستر کا اہتمام کرے تاکہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ثابت ہو اور ذکر و عبادت کی صورت میں ایسا ستر و لباس زیب تن کئے ہوئے تمام مخلوق پر فوقیت کا طرہ حاصل کئے، اپنے رب کریم کی بارگاہ میں عبادت کے لئے کھڑا ہو کر سجدہ بجلائے کہ اسکی شخصی کیفیت میں کوئی شرمندہ کر دینے اور خفت میں ڈال دینے والی کوئی کمزوری نہ ہو اور کامل ستر اور لباس سے سامنے آئے کہ شرافت انسانی بھی واضح ہو جائے، صرف اتنا نہیں بلکہ ملائکہ کی معیت سے بیچ گانہ کے علاوہ بھی منقطع نہ ہو جائے بلکہ تمام اوقات عبادت میں پورے اہتمام اور وقار کے ساتھ شریک عبادت رہیں، اور انسانی بے پردگی سے نفرت کی صورت میں ملائکہ ساتھ نہ چھوڑ جائیں، نفرت کو ترک کر کے انس کے ساتھ مجالست اختیار کئے رہیں، انسان نے ابتدا ہی سے ہر زمانے میں اپنے فکر و عقل اور وسائل و ایجادات سے اپنا ستر ڈھانپنے کے لئے مختلف لباس اختیار کئے ہیں۔ رسول معظم نبی اکرم ﷺ نے زندگی مبارک میں اجلا لباس بہت زیادہ پسند فرمایا ہے، خود سادہ ستر انظافت والا لباس زیب تن فرماتے اور دوسروں کو بھی اسی کی تلقین و ترغیب دیتے تھے۔

ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں کم قیمت اور ناپسندیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: تیرے پاس کسی قسم کا کوئی مال اور دولت نہیں ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت سی نعمتوں سے مالا مال فرمایا ہوا ہے۔ اونٹ، بکریاں بھی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا بندہ خدا اللہ کریم کی نعمتوں کا شکر ادا کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کی نعمت و بخشش کو تمہارے جسم پر ظاہر ہونا چاہیے، کیونکہ نعمت خداوندی

کے ہوتے ہوئے گھٹیا اور نکما لباس پہننا نعمت غیر مترقبہ کی ناشکری ہو جایا کرتی ہے۔

استعمال لباس میں رسول اکرم ﷺ کا طریقہ مبارکہ عمومی تھا کوئی مخصوص انداز لباس نہ تھا، عمدہ پہننا اور کم قیمت بھی لباس زیب تن فرمایا ہے۔ دونوں طرح کا لباس پسند اور اختیار فرمایا ہے۔ امت میں دو طرح کی فکر کے لوگ موجود ہیں۔ کئی عمدہ یا قیمتی لباس زیادہ پسند کرنے لگے ہیں اور کئی عام، موٹا اور سادہ لباس پسند کرنے لگے ہیں۔ پسند اپنی اپنی، لیکن مرویات کی روشنی میں ہر مسلمان پر میانہ روی لباس میں بھی سنت ہے۔ درمیانہ درجہ کا لباس پہننا شریعت اسلامیہ میں زیادہ مقبول ہے، مگر اجزا اور ستھر لباس موٹا، سادہ اور خواہ کم قیمت ہی ہو، لیکن پوری طرح صفائی سے اجلا اور صاف ستھرا ہونا لازمی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے چادر اور لنگی دونوں تہبند میں استعمال فرمائی ہیں۔

مسئلہ: چادر، لنگی یا شلوار یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے زمین پر گھسیٹنا نہیں چاہیے، کیونکہ یہ تکبر اور غرور کی علامت ہے۔ ہاں اگر عذر ٹخنوں کے نیچے تک بھی رہے تو شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہر مسئلہ میں کوئی نہ کوئی علت اور وجہ خرابی یا اچھائی پائی جاتی ہے۔ شلوار اور تہبند اگر تکبر و عجب کی بنا پر زمین پر گھسیٹا گیا تو یہ سخت مکروہ، قبیح اور ناپسند فعل ہے اور اگر تکبر، بڑائی اور عجب مقصود نہیں ہے تو پھر کوئی خرابی اور گناہ نہیں ہے۔

چادر شرافت مرویات میں ہے رسول اکرم ﷺ اکثر و بیشتر ایک چادر مبارک لباس کے علاوہ استعمال میں رکھتے، اسے گرمی اور سردی میں اکثر اوڑھے رکھتے اور اسی کیفیت میں نماز بھی پڑھاتے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چادر علاوہ لباس وافر دھاری داریمنی چادر مبارک ہوتی تھی (بخاری شریف و مشکوٰۃ ص ۳۷۶)

اور ایک صحابی سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کائنات ﷺ کو سبز رنگ کی دو چادریں پہنے ہوئے دیکھا (ترمذی شریف و مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۶)

لباس میں سرخ رنگ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو ناپسند تھا مگر سرخ ڈورے والی چادر آپ استعمال فرماتے رہے ہیں۔

کمبل، لوئی اور دھسہ مذکورہ تینوں چیزوں کا استعمال جائز اور سنت بھی ہے۔

عام ازیں کہ یہ چیزیں اون کی ہوں یا روئی کی آنحضرت ﷺ نے اون کا کمبل، دھسہ بھی استعمال فرمایا ہے > سخت سردی کی حالت میں اور عام موسم میں سرخ دھاری دار کھیس روئی کا بھی زیب تن فرمایا ہے۔ البتہ نقش و نگار اور پھول بوٹے والا کمبل یا چادر پسند نہیں فرماتے تھے، کیونکہ ان چیزوں کی وجہ سے نماز کے خضوع و خشوع میں خلل پڑنے اور نماز میں توجہ کم ہو جانے اور حضور قلبی برقرار نہ رہنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ایک دن حضور نبی کریم ﷺ اون کا کمبل اوڑھے ہوئے مسجد میں نماز پڑھانے تشریف لے گئے، اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تنگ آستین والا روئی کا جبہ مبارک زیب تن فرمایا ہوا تھا (بخاری، ترمذی، مسلم)

بعض روایات میں ہے ایک دن خضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک شروانی نماجہ نکالا، جس کے گریبان اور چاکوں پر ریشم کی گوٹ لگی ہوئی تھی حضرت اسماء نے فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ مبارک ہے - پہلے یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، جب ان کا وصال ہو گیا، تو ان کے بعد میں نے لے لیا ہے جب کوئی بیمار ہو جائے، تو ہم اسے دھو کر بیماروں کو پلاتے ہیں، تو اس دھون پینے سے بیماروں کو شفا ہو جاتی ہے۔ (مسلم و مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۴)

آنحضرت کریم ﷺ کا استعمال شلورا

رسول کریم ﷺ کے استعمال شلوار میں محدثین کا اختلاف ہے بعض نے فرمایا یقینی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شلوار زیب تن نہیں فرمائی ہے - علامہ شمشی نے شرح نفا شریف میں لکھا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے شلوار پہنی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بازار میں بزاز کی دکان پر گیا - آپ نے چار درہم میں سراویل (پانجامہ) کا کپڑا خریدا میں نے اٹھا کر چلنے کا ارادہ کیا - آپ نے فرمایا مال کا مالک زیادہ حقدار ہے کہ وہ اپنا مال خود اٹھائے ماسوائے کمزوری اور مجبوری اور لا چاری کے - حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا زیب تن فرمانے کے لئے خریدا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں سراویل پہننے کے لئے خریدی ہے میں اسے سفر اور حضر دونوں حالتوں میں پہنوں گا، اسلئے کہ مجھے خوب ستر پوشی کا حکم دیا گیا ہے اور یہ سب سے زیادہ ستر پوش لباس ہے۔

خلاصہ کلام دانایان امت کی عبارات اور احادیث میں یہی ملتا ہے کہ سراویل کا کپڑا خریدنا ثابت ہے اور پہننا صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے - اگرچہ احادیث میں کوئی کوئی دلیل پہننے پر مل

جاتی ہے لیکن صحیح اور ثابت صرف حقیقی نظر میں سراویل کا خریدنا ہے پہننا ثابت نہیں ہے
فضیلت سفید لباس: توارخ و سیر اور احادیث و اخبار میں بکثرت ہے کہ آنحضرت

کریم ﷺ سفید لباس بے حد پسند فرماتے تھے اور بکثرت زیب تن بھی فرماتے اور فقہاء
 و دانایاں امت نے مردوں کیلئے سفید لباس کو زیادہ باعث ثواب اور بہتر قرار دیا ہے

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سفید کپڑے پہنا
 کرو کیونکہ وہ زیادہ صاف ستھرے ہوتے ہیں اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے موتی کو کفن
 دیا کرو (شمائل ترمذی، مشکوٰۃ ص ۳۷۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے زعفرانی رنگ کے کپڑے
 پہنے ہوئے تھے۔ آنحضرت کریم ﷺ نے دیکھ کر سخت ناپسندیدگی اور بیزاری کا اظہار فرمایا
 - گویا شوخ رنگ کے کپڑے آپ نے سخت ناپسند کئے۔

ریشمی کے لباس کی مردوں کو ممانعت

کتب فقہ و حدیث میں مسلمان مردوں کے لئے ریشم کا استعمال میں لانا اور پہننا حرام ہے
 ہاں اگر کسی کپڑے کی کناری ریشم کی لگی ہو یا چار انگل برابر لمبی طریز اور پٹی خوشنمائی کیلئے
 ہو، وہ جائز ہے۔ عورتوں کے لئے ریشم کا استعمال حلال بلکہ زینت و جمال کے لئے زیادہ
 مستحب اور پسندیدہ ہے۔

حضرت ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ریشم اور سونا
 میری امت کی عورتوں کو پہننا حلال ہے اور مردوں کو پہننا حرام ہے (ترمذی شریف)

سیدنا حضرت مولا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں ایک دن آنحضرت کریم ﷺ کو
 سرخ دھاری دار ریشمی جوڑا پیش کیا گیا آپ نے وہ مجھے عنایت فرما دیا میں نے اسے سلوا

کر خود پہن لیا۔ آپ کے ہاں حاضر ہوا تو آپ کے چہرہ انور پر غصے اور ناپسندیدگی کے آثار نمودار تھے۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے اس لئے تمہارے حوالے کیا تھا کہ عورتوں میں اوڑھنیوں کے لئے تقسیم کر دو (مسلم شریف)

لباس کے معاملہ میں شریعت اسلامیہ اور سنت نبی کریم ﷺ میں کچھ حدود و قیود ضرور موجود ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا جو چاہو کھاؤ جو چاہو پہنو، جب تک رو باتیں نہ ہوں۔ لباس، طعام میں (۱) فضول خرچی اور (۲) تکبر ممنوع ہے بلکہ حرام ہیں۔ حدیث پاک میں ہے ان اللہ جمیلٌ یحب الجمال جمال اور نظافت یقیناً افضل ہیں اور الناس باللباس سے واضح ہے کہ عمدہ لباس، عمدہ امر ہے تکبر نہیں ہے۔ تکبر نام ہے حق سے سرکشی اور دوسروں کو حقیر اور گھٹیا خیال کرنا، لباس و معاش و معاشرہ میں مردوں کو عورتوں جیسی ہیئت و کیفیت نہیں بنانا چاہیے اور عورتوں کو مردوں جیسی نہیں، بلکہ دونوں جنسیں اپنی اپنی وضع قطع میں ایک دوسرے سے منفرد و ممتاز رہیں۔

عمامہ میں سنت: مردوں کے لئے سر پر عمامہ رکھنا ایک سنت سنیہ ہے اور عمامہ (پگڑی) سے نماز ادا کرنا افضل ہے۔ آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید، سیاہ رنگ کا عمامہ استعمال فرمایا ہے لیکن سفید کو اکثر پہنا اور استعمال فرمایا اور پسند کیا ہے حضور سید کائنات ﷺ کا عمامہ مبارک لمبائی میں متوسط ہوتا تھا اور شملہ مبارک دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑتے تھے۔

چنانچہ مسلم و سنن نسائی میں ہے ایک دن آپ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے سیاہ عمامہ مبارک کہ سر عظمت پر سجائے ہوئے تھے اور شملہ دونوں شانوں کے درمیان تھا اور اس سے زیادہ فضیلت ہے کہ ٹوپی پر عمامہ باندھا جائے۔ بعض احاد میں ہے آپ نے فرمایا تھا کہ

ہمارے اور مشرکوں کے درمیان فرق ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے سے ہے (ترمذی شریف)
تکیہ سے ٹیک لگانے کا حکم مرویات میں بکثرت آیا ہے کہ تکیہ سے ٹیک لگانا

سنت ہے، چنانچہ گھروں میں تکیہ بنا کر رکھنا اور استعمال میں لانا سنت ہے حضرت جابر بن
 سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول خدا ﷺ کو بائیں جانب تکیہ رکھے
 اور ٹیک لگائے ہوئے دیکھا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی
 کریم ﷺ کا تکیہ اور گداچمڑے کا تھا اس میں کھجور کی پوست اور پتے بھرے ہوئے تھے
 (مشکوہ شریف)

کھڑے ہوئے سہارا لینا: حضور اکرم ﷺ نے ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ
 کو اپنا وطن مالوف بنایا اور وہاں مستقل رہائش پذیر ہوئے بلکہ مدینہ منورہ کو اپنا وطن عزیز
 ٹھہرا لیا اور ریاست اسلامیہ کی مسجد نبوی کی صورت میں داغ بیل ڈالی اور باقاعدہ اجتماعات
 جمعہ مبارکہ قائم فرمانے لگے۔ خطبہ جمعہ کے وقت مسجد کے اندر ہی قریب محراب ایک پرانی
 کجھور کا خشک تنا آدمی کے قد برابر یا اس سے کچھ زائد موجود تھا خطبہ ارشاد فرماتے وقت
 آنحضرت کریم ﷺ اس سے سہارا لے لیتے یا ہاتھ مبارک اس پر رکھ لیتے۔ کچھ عرصہ کے
 بعد ایک صحابی نے آپ کی اجازت سے ایک منبر تیار کروا کر مسجد نبوی پاک میں رکھوا دیا۔ وہ
 جمعہ، جو منبر کے رکھے جانے کے بعد ادا ہوا آپ منبر پر تشریف فرما ہو کر خطبہ دینے لگے
 لگے۔ آپ کجھور کے تنا سے جدا ہوئے تو وہ کجھور کا تنا جو دارین کی سعادتوں اور رحمۃ للعالمین
 کی تمام تر شفقتوں اور برکتوں کا مالک تھا، اپنے آپ کو محروم محسوس کرتے ہوئے ہجر حبیب
 میں دھاڑیں مار کر رونے لگا اور یکا یک اس کی دھاڑ نکل گئی اتنی حسرت اور درد آمیز آواز میں
 رونے لگا کہ تمام صحابہ بھی رو پڑے حتیٰ کے رونے سے ڈھارس بند گئی۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق اسکا کلیجہ چر گیا تھا اور خون بہہ نکلا تھا
وَأَنْشَقَّ قَلْبَهُ وَسَالَ الدَّمُ (خصائص کبری جلد اول)

حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ نے انتہائی رافت و شفقت فرمائی - منبر مبارک سے اتر کر اس درد
کے مارے کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اس سے بغل گیر ہوئے - اس سعادت مند کو اطمینان و
سکون اور دلی راحت میسر آئی ، یتیم بچے کی طرح رسول کریم ﷺ کے جسد اطہر کے ساتھ
چمٹ گیا - اگر حضور کریم ﷺ اسے سینے سے نہ لگاتے تو غالباً قیامت تک اسکی یہی کیفیت
باقی رہتی - آنحضرت ﷺ نے اسے فرمایا: اگر تو چاہتا ہے تو تمہیں باغ میں لگا دیا جاتا ہے؟
سر سبز و شاداب ہو جائے گا اور اگر تو چاہتا ہے تو تجھے جنت میں لگا دیا جاتا ہے تاکہ قیامت
کے دن جنت میں داخل ہونے کے بعد اہل جنت اور اولیاء امت تیرا پھل کھائیں - سعید و
بخت ورنے آخرت اور جنت کو پسند فرمایا - بعد میں اسے منبر کی جگہ دفن کیا گیا - چنانچہ مولانا
رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو اس طرح ڈھال کر پیش کیا ہے

استن حنانہ از ہجر رسول تالہ می زد ہچو ارباب عقول
من چہ گوئم از تو لائش کہ چست خشک چوبے در فراق او گریست
علاوہ ازیں کتب مذہب میں موجود ہے کہ اگر کوئی رات کے نوافل پڑھتے ہوئے لمبی
قرأت پڑھتا ہے اور طویل قیام کرتا ہے اور کسی کھبے یا دیوار وغیرہ سے حالت قیام
میں ٹیک اور سہارا لے لیتا ہے تو جائز ہے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا -

آنحضرت کریم کے سونے کا طریقہ مبارک

حضور نبی کریم ﷺ کے نیند کرنے اور سونے کا اپنا ایک انتہائی عمدہ، شریفانہ اور سادہ طریقہ
تھا، اگرچہ سونے کی حالتیں متعدد ہو سکتی ہیں اور مختلف حالتوں پر لوگ سوتے ہیں لیکن

آنحضرت ﷺ کا طریقہ منفرد تھا، اکثر و بیشتر آپ اپنا دایاں ہاتھ، بازو مبارک سر مبارک کے نیچے رکھ لیتے اور قبلہ رو ہو کر دائیں پہلو پر لیٹتے تھے کیونکہ ادب اور عبدیت کے یہی زیادہ لائق ہے اگرچہ کتب مذہب میں سونے کے تین طریقے پائے جاتے ہیں اور تین طریقوں پر لوگ سوتے ہیں اور چوتھا طریقہ انتہائی نازیبا اور ممنوع ہے۔

۱- دائیں پہلو کے بل قبلہ رو ہو کر آرام کرنا: یہ صلحاء یعنی انبیاء و اولیاء اور علماء کا طریقہ حسنہ ہے، کیونکہ دل بائیں جانب ہوتا ہے اور دائیں پہلو پر لیٹنے سے مضغہ صنوبری محل تذکیر و تفکیر دائیں جانب لٹک جاتا ہے اور قلب کی حرکت برابر جاری رہتی ہے، قلب اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر اور یاد میں متلطف رہتا ہے۔ یہ طریقہ صلحاء ہے کیونکہ اس طریقہ سے دل اپنی حرکت میں یاد الہی سے سرشار رہتا ہے۔

۲- دوسرا طریقہ بائیں پہلو پر لیٹ کر آرام کیا جائے۔ اس صورت میں دل چونکہ اپنی وضع کے اعتبار سے اپنی اصلی جگہ پر رہتا ہے اور آرام و سکون کرنے کی حالت میں دل کو بھی سکون آتا ہے اور نیند راحت سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ طریقہ آرام حکماء کا ہے۔

۳- تیسرا طریقہ سیدھا پیٹھ کے بل لیٹنا اور آرام کرنا ہے بالکل سیدھے لمبا ہو کر لیٹے رہنا یہ طریقہ جہلاء، متکبرین کا ہے۔ یہ طریقہ تکبر اور انتہائی بے علمی کا ہے اور طبی طور پر کئی خرابیوں کا باعث بنتا ہے۔

۴- طریقہ جو انتہائی شنیع اور قبیح اور بیہودہ ہے وہ یہ کہ منہ کے بل اوندھا لیٹنا یہ طریقہ منحوس لوگوں کا ہوتا ہے۔ ان تمام طرق سے سب سے پہلا طریقہ بہترین با ادب یاد الہی اور خیرات و برکات والا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں ایک دفعہ حاضر خدمت اقدس ہوا۔

آپ اپنا دایاں ہاتھ سر کے نیچے لئے قبلہ رو آرام فرما رہے تھے اور استراحت کی حالت میں تھے۔ رات کو سوتے وقت آپ دعائیں بھی پڑھتے تھے، اکثر اوقات رات کو سوتے وقت آپ دعا مانگ کر اپنا دست اقدس اپنے سر انور اور منہ پاک پر پھیرتے اور بتیہ اعضائے جسم پر بھی ہاتھ پھیر لیتے تھے (شامل ترمذی)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گاہے گاہے سفر میں ہوتے ہوئے پچھلی رات اگر آرام کیلئے لیٹتے تو دائیں کروٹ دایاں ہاتھ سیدھا کھڑا رکھتے ہوئے سر اقدس کو اپنی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کچھ دیر استراحت فرما لیتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ رات کو سوتے وقت قل هو اللہ شریف اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ کر جسد مبارک پر ہاتھ پھیرتے تھے۔

طریقہ بستر سازی رات کو سوتے وقت ہر عقلمند کو چاہیے کہ سارے دن کے پڑے ہوئے بستر کو اچھی طرح جھاڑ کر بعد میں اسے استعمال میں لائے، کیونکہ خدشہ ہوتا ہے کہ دن میں کوئی موذی اسمیں نہ گھس گیا ہو۔ اگر بغیر جھاڑے بستر میں لیٹا تو وہ موذی جانور ڈنگ مار دے گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور رحمت عالم ﷺ کا بستر مبارک یعنی بچھونا مبارک چمڑے کا تھا اسمیں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

(بخاری شریف و مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۳)

سیدہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے مکان میں آنحضرت ﷺ کا بستر مبارک کیسا تھا؟ آپ نے فرمایا: ٹاٹ، بوریا تھا، جسے آپ بچھاتے تھے۔ ام المؤمنین فرماتی ہیں کہ ایک دن مجھے یہ خیال ہوا کہ اگر اسے چوہرا کر کے بچھا دیا جائے

تو مزید نرم ہو جائے گا چنانچہ میں نے اسے چوہرا کر دیا۔ صبح کو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:
 آج رات میرے لئے کیا چیز بچھائی تھی؟ میں نے عرض کیا اے محبوب خدا ﷺ وہی
 روڑانہ والا بستر تھا۔ البتہ میں نے آج اسے چوہرا کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا اسی پہلی
 حالت پر رہنے دو (شامل ترمذی)

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دن میرے پاس ایک انصاری
 عورت آئی، اس نے آپ کا بستر مبارک دیکھا، فوراً واپس چلی گئی اور اپنے گھر سے میرے پاس
 ایک بستر بھیج دیا، اس میں اون بھری ہوئی تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ کیا ہے؟
 میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک انصاری عورت آئی تھی، اس نے بستر مبارک دیکھا گھر گئی
 اور یہ بستر آپ کے لئے بھیج دیا ہے، فرمایا: واپس کر دو، اگر میں چاہوں تو سونے چاندی کے
 پہاڑ اللہ کریم میرے گردا گرد جمع فرمادے۔ (مدارج النبوة)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے مکان مبارک پر حاضر ہوئے
 آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، چونکہ آپ نے کرتا مبارک اتارا ہوا تھا۔ چٹائی کے
 پٹھوں کے نشانات پہلوؤں پر پڑے ہوئے تھے، اس دن گھر میں ایک صاع کا قدر جو پڑے
 تھے، مزید گھر کے اثاثہ میں ایک کھال دیوار سے لٹکی ہوئی تھی، مجموعی اثاثہ اسی قدر دیکھ
 کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد
 فرمایا: اے ابن خطاب! کس چیز نے تمہیں رلایا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! کیسے رونانا آئے
 ، دنیا کے بادشاہوں کو دیکھا، قیصر و کسریٰ کے باغوں میں، محلات، آبشاروں اور فواروں کی
 رونقیں قائم ہیں، سونے کے تخت و تاج اور عالی ریشم کے بستر لگے ہوئے ہیں۔ آپ اللہ کے
 حبیب ہیں اور عام چٹائی پر اس حال میں لیٹے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 اے ابن خطاب! آپ اس پر راضی نہیں کہ دنیا ان کے لئے ہو اور آخرت ہمارے لئے ہو۔

مقصد یہ تھا کہ بادشاہان محض نیوی بادشاہ ہیں اور میں اللہ کریم کا رسول اور کائنات کا مربی اور دنیائے انسانیت کا معلم بن کر آیا ہوں نہ کہ دنیوی ٹھاٹھ باٹھ اور محض جاہ و جلال دکھانے کے لئے بلکہ صبر و قناعت اور ایثار کا پیکر بن کر تاکہ عام لوگوں کی دلجوئی کر کے جاؤں، آپ نے معاشی طور پر ایک طریقہ سادگی اختیار فرمایا اور ہمیشہ سادگی کا درس دیا اور سادگی میں تمام برکات اور کامرانیاں اور فلاح دارین واضح فرمائیں۔

طریقہ استعمال نعلین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ شرافت و وقار کے پیکر و

دلدادہ تھے، خود جوتا پہنے رہتے اور تاکید دوسرے تمام حضرات کو ہمیشہ جوتا پہننے کا حکم دیتے، کیونکہ جوتا زیب تن کرنا شرافت و وقار کو بڑھاتا ہے اور ننگے پاؤں رہنا جنگلی فطرت اور گنوار قسم کے لوگوں کی عادت ہوتی ہے اور دلیل خست و گھٹیا معاشرت ہے، لہذا عمدہ جوتا پہننا مزید بہتر ہوتا ہے۔ جوتا پہننے کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معروف تھا۔ دائیں پاؤں میں پہلے اور بائیں میں پیچھے پہنتے اور اتار تے وقت بائیں پاؤں کا پہلے اور دائیں کا بعد میں اتارتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں جب کوئی جوتا پہننے لگے تو دائیں سے ابتدا کرے اور جب اتارے تو بائیں پاؤں سے پہلے اتارے (ترمذی شریف)

یہ طریقہ جوتا پہننے سے خاص نہیں ہے بلکہ تمام پہنی جانے والی چیزوں میں یہ طریقہ اپنانا باعث برکت ہے۔ حدیث شریف میں ہے **الْيَمْنُ بِالْيَمَنِ** یعنی دائیں میں برکت ہوتی ہے مثلاً لباس، مسواک، کنگھی، سرمہ وغیرہ سب میں پہلے دائیں طرف سے شروع کرنا ہی افضل عمل ہے۔

مزید یہ کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کے نعلین مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے جواب دیا دونوں جوتوں میں تھے (ترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول کائنات کو صاف بغیر بال کے جوتے پہنے دیکھا ہے۔ (بخاری) حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نجاشی بادشاہ حبشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کالے رنگ کے موزے ہدیہ بھیجے۔ آپ نے پہن لئے پھر جب آپ نے وضو فرمایا، تو انہیں موزوں پر مسح فرمایا۔ سردی کے موسم میں آپ موزے استعمال فرمالتے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے اعمال روزمرہ کے سلسلہ میں فرماتی ہیں آنحضرت ﷺ کے لباس پہننے، سرمہ لگانے، کنگھی پھیرنے، جوتا پہننے میں اور وضو کرتے وقت اعضاء مبارک دھونے میں حتی الوسع وائیں سے شروع فرماتے (موزہ) (پتلے چمڑے کے پاؤں کے ساتھ چمٹے ہوئے جوتے) خواہ موزہ ہو یا جوتا قدموں میں پہننے سے قبل انہیں جھاڑ لینا چاہیے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو امارہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں، ایک دن حضور اکرم ﷺ ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے موزے طلب فرمائے ابھی ایک ہی موزہ پہنا تھا کہ اچانک ایک چیل یا چرگ فضا سے جھپٹا، دوسرا موزہ اٹھا کر اڑ گیا۔ اوپر فضا میں لے جا کر اسے موزہ کو الٹا زمین پر پھینک دیا۔ موزہ گرا تو اس میں سے کالے رنگ کا ایک سانپ نکلا۔ آپ نے فرمایا اس کرامت سے اللہ تعالیٰ نے میرا اکرام اور تربیت بھی فرمائی ہے۔ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ ہر کوئی آئندہ سے جب بھی جوتا پہنے تو پہلے

اسے اچھی طرح سے جھاڑ لیا کرے (خصائص کبریٰ)

سر اور بالوں میں تیل لگانا سر میں تیل لگانا دوسرے کئی فوائد کے ساتھ حضور نبی

معظم ﷺ کی سنت بھی ہے

مسئلہ تہذیب نو کے دعوے دار خواہ مرد ہوں یا عورتیں جو اپنے بالوں کو خشک رکھتے ہیں، مختلف قسم کے شیمپو کے استعمال کے بعد سر کے بالوں کو پھولا ہوا چھوڑ کر ایک نمونہ پیش کرتے ہیں اور بعض ڈاکٹر حضرات بھی بالوں کو خشک رکھنا وطیرہ بنا کر نظافت کے پتلا کہلاتے ہیں، یہ سب اس سے بے خبر یا محض سینپل اور نمونہ پیش کرنے کی خاطر سر اور جسم کے بال خشک رکھتے ہیں۔ سر میں اور بدن انسانی اور اسکے مختلف اعضاء میں جلدی امراض اور خشکی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے سر میں سیکری اور گنجا پن تک نوبت آ جاتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تیل کا استعمال نہ کرنا ہے، چونکہ تیل خشکی کو ختم کرتا ہے، خصوصاً سرسوں کا تیل جلدی امراض اور بدنی خشکی کو دور کرنے کے لئے کیمیکل دوائیوں سے بہت زیادہ موثر ہے۔ نبی کریم ﷺ اور آپ کے تمام صحابہ کرام تیل کو بکثرت استعمال فرماتے تھے۔ تیل کے استعمال اور لگانے کے بعد سر اور داڑھی کے بالوں کو کنگھی خوب اچھی طرح کرنے اور بار بار پھیرنے سے بال بڑھتے اور ملائم ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں جسمانی صحت کے لئے بھی کنگھی مفید ہے اور آخرت میں قابل اجر بھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے آنحضرت ﷺ کو اپنے سر اور بالوں میں کثرت سے تیل لگاتے دیکھا ہے۔ تیل لگانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک میں کنگھی فرماتے تھے۔ بسا اوقات آنحضرت ﷺ تیل لگانے کے بعد عمامہ مبارک کے نیچے ایک کپڑا رکھ لیا کرتے تاکہ دستار مبارک تیل سے تر نہ ہو جائے اور آپ کے سر مبارک پر عمامہ کے نیچے رکھا جانے والا کپڑا تیل والا کپڑا خیال کیا جاتا تھا (مشکوہ، شمائل ترمذی)

حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس بندے کو اللہ کریم نے بال دیئے ہیں، وہ ان کا اکرام کرے اور اس نعمت حسن کا شکر یہ ادا کرے اور شکر یہ ہے کہ بالوں کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھے اچھی طرح سے دھوئے، تیل لگائے اور کنگھی کرے۔ (سنن ابوداد)

حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم (مسجد مبارک میں تھے ایک آدمی انتہائی پراگندہ حالت جس کے سر اور داڑھی کے بال بہت زیادہ میلے اور گندے تھے۔ مسجد نبوی میں داخل ہوا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کو اشارہ کیا اور بالوں کو سنوارنے اور ستھرا کرنے کا حکم دیا، وہ واپس چلا گیا اور بالوں کو سنوار کے دوبارہ مسجد نبوی میں حاضر ہوا، واپسی پر اسکے بال ستھرے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا یہ صورت بہتر نہیں ہے اور کتنا عمدہ اور بہتر طریقہ ہے کہ تم میں سے ہر کوئی اپنے بال دھو کر اور سنوار کر مسجد میں دوستوں کے ساتھ حاضر ہو، اسکے بال گندے اور بکھرے نہ ہوں، اگر حالت اس کے غیر ہوگی تو وہ حالت شیطانی ہوگی۔

سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جن امور و مسائل کا حکم حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا اور دیا نہ جاتا تھا اگر وہ امر عمدہ و پسندیدہ ہوتا، تو آپ اس میں اہل کتاب کی موافقت فرمالتے تھے اور اچھے طریقہ کو خود پسند و اختیار فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری سالوں میں غالباً سر کے بال میں مانگ اور چیر ڈالنے کو پسند فرمایا تھا۔

سرمہ: مرد اور عورت کے لئے آنکھوں میں سرمہ لگانا سنت ہے، مزید یہ بھی سنت ہے کہ آنکھوں میں سرمہ رات کو سوتے وقت لگانا چاہئے۔ آنکھوں میں تین، تین سلائی پھیرنا

اور سنت کو زندہ رکھنا افضل عمل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آنکھوں میں سرمہ لگایا کرو کیونکہ سرمہ آنکھوں کی بینائی کو تیز کرتا، آنکھ کو صاف ستھرا رکھتا اور پلکیں بڑھاتا ہے۔ آنکھوں اور اس کی پلکوں کو زینت بخشتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرمہ دانی تھی اور ہر رات تین تین سلائی سرمہ دونوں آنکھوں میں زیب فرماتے تھے۔

(ترمذی)

خوشبو: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور اکرم ﷺ کے پاس، ستھ یعنی خوشبودار

ایک شے ہوتی تھی۔ آپ اس سے خوشبو لگاتے اور خوشبو کو اکثر استعمال کرتے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت عمدہ، پاکیزہ خوشبو لگاتی تھی حتیٰ کہ بسا اوقات اسی خوشبو کو میں آپ کے سر اور ریش مبارک میں محسوس کرتی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: تین چیزیں قبول کر لینی چاہیں واپس نہیں لوٹانی چاہیں۔ دودھ، خوشبو، تکیہ۔ آنحضرت ﷺ ان چیزوں کو ہدیہ فرماتے تھے۔ ہدیہ قبول کرنا آپ کی سنت ہے اور اس میں برکت و محبت بھی ہے۔ حضرت ابو عثمان نہدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو ریحان (خوشبو) دیجائے اسے چاہیے کہ رد نہ کرے بلکہ قبول کرے کیونکہ ریحان (خوشبو) جنت سے ہے اور جنت کی شے ہے (شائل ترمذی)

شریعت میں سلام کہنا: شریعت مطہرہ میں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے اور سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے

پوچھا کونسا اسلام بہتر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طعام کھلانا اور سلام کہنا،

خواہ تم اسکو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔ (بخاری شریف) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے آنحضرت کریم ﷺ کا گزر لڑکوں کی طرف سے ہوا، آپ نے انہیں سلام کہا ()

حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لوگو! راستوں

پر نہ بیٹھا کرو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! راستوں پر بیٹھ کر ہم گفتگو کرتے ہیں، مل بیٹھتے ہیں۔

آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر راستے پر بیٹھتے ہی ہو، تو پھر اسکا حق ادا کرو۔

عرض کیا گیا یا رسول اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: نگاہیں نیچی رکھنا، ہاتھ روک کر

رکھنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کی ترغیب دینا، برائی سے منع کرنا (مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۸)

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم کی

خدمت میں کچھ یہودی آئے اور السام علیک (یہ گالی تھی) کہا۔ آپ نے وعلیکم کہا: اتنے

میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں تم پر ہلاکت ہو، اللہ کی لعنت، اللہ تعالیٰ کا

غضب ہو اس پر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ خاموشی اختیار کرو، بلند حوصلہ

اپناؤ، تم پر نرمی اختیار کرنا لازم ہے، سختی اور نت کلامی سے اجتناب کرو۔ عرض کرنے لگیں یا

رسول اللہ ﷺ! جو کچھ انہوں نے کہا ہے آپ نے نہیں سنا؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

عائشہ! تم نے وہ نہیں سنا جو میں نے کہا انہی کی بات انہیں کو لوٹا دی ہے۔ میری بات

یہودیوں کے متعلق بارگاہ خداوندی میں قبول کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوٹا بڑے کو سلام

کرے، چلنے والا راہ گزر راستہ پر بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام

کیا کریں۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: مومن کے مومن پر چھ حقوق ہیں (۱) مسلمان بیمار پڑ جائے، تو دوسرا مسلمان اسکی عیادت کرے، (۲) فوت ہو جائے تو جنازہ میں شرکت کرے (۳) دعوت دے تو اسکی دعوت قبول کرے (۴) جب اس کو ملے تو سلام کرے (۵) چھینک آئے تو اسکا اچھا جواب دے (۶) اسکے ہر معاملہ میں خیر خواہی کرے خواہے غائب ہو، یا حاضر (نسائی شریف)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک دن نبی کریم ﷺ کا ایک مجلس پر گزر ہوا، جس میں مسلمان، بت پرست، مشرک اور یہودی ہر مذہب کے لوگ تھے۔ آنحضرت کریم ﷺ نے ان پر سلام کیا (مشکوہ ص ۳۹۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جب اہل کتاب تمہیں سلام کریں، تو صرف وعلیکم کہہ دیا کرو (مسلم شریف)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک اللہ کریم سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام کہنے میں پہل کرے۔ (مشکوہ ص ۳۹۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک دن نبی اکرم ﷺ عورتوں کے پاس سے گزرے، آپ نے انہیں سلام کیا یعنی ہاتھ مبارک سے اشارہ کیا (مسند امام احمد مشکوہ ص ۳۹۹)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ایک جماعت کا دوسری جماعت پر گزر ہو تو گزرنے والوں میں سے صرف ایک سلام کہے اور بیٹھے ہوؤں میں سے صرف ایک جواب دے تو کافی ہے (بیہقی شعب الایمان)

مصافحہ و معانقہ : فطری طور پر انسانوں میں میل جول کی صورت میں مصافحہ

اور معانقہ سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور دل جوئی میں اضافہ ہوتا ہے

(کتاب توارخ و سیر میں ہے)

ملاقات کے وقت ایک دوسرے سے بچہ ملانا اور بہت دیر بعد یا سفر سے واپسی پر گلے ملنا سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا اے انس! کیا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب مصافحہ کیا کرتے تھے؟ فرمایا: ہاں! (مشکوٰۃ ص ۵۰۱)

ایک دن آنحضرت کریم ﷺ نے حضرت حسن بن حضرت علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا۔ وہاں اقرع بن حابس بھی تھے۔ اقرع کہنے لگے میرے دس بیٹے ہیں، لیکن میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ اس پر رسول کائنات ﷺ نے انکی طرف دیکھ کر فرمایا: جو شخص شفقت نہ کرے، اس پر شفقت نہیں کی جائے گی (مشکوٰۃ ص ۴۰۱)

حضرت ابو ایوب بن بشیر نے عترہ کے ایک آدمی سے روایت کی ہے اس نے کہا ایک دن میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے پوچھا کہ بوقت ملاقات رسول اللہ ﷺ آپ حضرات سے مصافحہ کیا کرتے تھے؟ فرمایا: میں کبھی ایسی صورت میں حضور نبی رحمت ﷺ سے ملا ہی نہیں، جب کہ آپ نے مصافحہ نہ کیا ہو۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایا۔ میں اس وقت گھر میں نہیں تھا۔ جب واپس گھر پہنچا، مجھے بتایا گیا میں فوراً حاضر بارگاہ اقدس نبوی ہوا۔ آپ ایک بڑے تختے پر جلوہ افروز تھے۔ آپ نے مجھے گلے سے لگا لیا (ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب حضرت زید بن حارثہ مدینہ منورہ آئے، تو رسول کریم ﷺ میرے گھر میں تھے۔ انہوں نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ رسول کریم ﷺ ننگے پاؤں اپنی چادر مبارک گھسیٹتے ہوئے ان کی طرف آئے، خدا تعالیٰ کی قسم میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی کسی کے لئے آنحضرت کریم کو اس حالت میں کھلے بدن کھڑے رہنے

اور جاتے ہوئے نہیں دیکھا - آنحضرت ﷺ نے اس سے مصافحہ کیا اور انہیں بوسہ دیا
(ترمذی شریف)

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بعد از واپسی حبشہ روایت ہے
فرماتے ہیں ہم نے مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا - جب دیار حبیب مدینہ منورہ پہنچے رسول اللہ
ﷺ سے شرف ملاقات نصیب ہوئی - آپ کریم نے مجھ سے معانقہ کیا یعنی گلے لگ
کر ملے پھر فرمانے لگے، میں تمیز نہیں کر سکتا کہ فتح خیبر کی مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا صحابی
جعفر رضی اللہ عنہ کی واپسی میں زیادہ خوشی نصیب ہوئی ہے (مشکوہ شریف)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے زندگی بھر ہیئت، عادت، فطرت،
صورت، سیرت، بولنے، ملنے میں رسول خدا ﷺ کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے
بڑھ کر مشابہت رکھنے والا کسی کو نہ دیکھا، نہ پایا ہے - جب بتول زہرا رضی اللہ عنہا
آنحضرت کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں آپ فاطمہ کی عظمت شان اور دل
جوئی کے لئے محبت بھرے انداز میں کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ مبارک پکڑ کر اسے
بوسہ دیتے اور اپنی بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ
رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے، تو فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا آپ کے لئے کھڑی
ہو جاتیں اور آپ کا دست مبارک ہاتھ میں لے کر اسے بوسہ دیتیں اور اپنی بیٹھنے والی جگہ
پر جا بٹھاتیں -

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كُنَّا فِي صَدْرِ النَّهَارِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَجَاءَ لَا قَوْمٌ عَسْرَةٌ مُجْتَابِي السَّمَارِ وَالْعَبَاءِ مَقْلَدِي السَّبْيُوفِ عَامَتُهُمْ مِنْ مُضَرَ
بَلْ كَلَّهُمْ مِنْ مُضَرَ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَأَى بِهِمْ
مِنَ الْعَاقِبَةِ فَدَخَلَ فَخَرَجَ فَا مَرَّ بِاللَّافِذِ وَأَقَامَ فَصَلَّى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ

فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكَمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے پیدا کیا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا جوڑا
اسی سے اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں کثیر تعداد میں اور ڈرو اللہ
تعالیٰ سے، مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس اللہ کے واسطے سے اور ڈرو
رحموں کو قطع کرنے سے، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر ہر وقت نگران ہے۔

خلاصہ آیت مبارکہ یہ ہے کہ تم سب ایک باپ کی اولاد ہو تو ایک جان ایک کام ایک دام،
یک طعام کے مالک ہو کر رہو اور دکھ سکھ میں برابر کے شریک رہو امتیاز، دوئی نہ ہو۔

وَالْآيَةُ الْآخِرَى الَّتِي فِي آخِرِ الْحَشْرِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَلتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ
(پارہ ۲۸، سورہ الحشر، آیت ۱۸)

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے
کل کے لئے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم
کرتے رہتے ہو۔ اہل ایمان کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ تقویٰ کو شعار بنا کر عاقبت اندیشی کرو۔ ایک
اور حدیث وارد ہے۔

يَتَصَدَّقُ رَجُلٌ مِنْ دِينَارٍ مِنْ دَرَاهِمٍ مِنْ ثَوْبَةٍ مِنْ ثَمَرِهِ حَتَّى قَالَ وَلَوْ
بَشَقَّ نَمْرَةً فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْإِنصَارِ بَصُرَّةٍ كَادَتْ كُفَّهُ تَعْجِزُهُ عَنْهَا بَلْ قَدْ
عَجَزَتْ ثُمَّ تَتَابَعُ النَّاسُ حَتَّى رَأَى رَجُلًا مِنْ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَثِيَابٍ وَرَأَى
وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ يَتَهَلَّلُ كَأَنَّهُ مُذْهَبَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ سَنِّ فِي
الْإِسْلَامِ سَنَةٌ حَسَنَةٌ فَلَمْ أَجْرَهَا وَاجْرَمَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ

يَنْقُصُ مِنْ اجْوَرِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سَنَةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ
وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ
شَيْءٌ" (مسلم شریف)

ترجمہ: حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن صبح کے وقت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں کچھ لوگ باہر
سے آئے تلواریں جمائل کئے ہوئے کمر لپیٹے ہوئے ان کے جسم کا اکثر حصہ ننگا تھا اور ان
میں سے زیادہ تر لوگ قبیلہ مضر کے تھے بلکہ سارے ہی مضر تھے، ان کی فقر و تنگدستی کی
حالت دیکھ کر حضور انور ﷺ کا چہرہ مبارک پریشانی کی وجہ سے زرد ہو گیا، آپ فوراً گھر میں
گئے، پھر باہر آئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان دو اعلان کرتے ہی اذان کا
وقت ہو چکا تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی - آپ نے نماز پڑھائی بعد از نماز
لوگوں میں خوب تقریر فرمائی، جس میں آپ نے سورہ نساء کی پہلی آیت مبارکہ اور پھر سورہ حشر
کے آخری رکوع کی پہلی آیت تلاوت کی اور اس کے بعد فرمایا لوگو! تمہیں چاہیے کہ راہ خدا
میں صدقہ کرو، دینار ہوں کہ درہم، کپڑے ہوں کہ گندم، جس کسی کے پاس دینے کی کوئی شے
ہے، یہاں تک کہ آخر میں آپ نے فرمایا: اگر کسی کو صرف آدھا دانہ کھجور کا میسر ہے تو وہ بھی
دے دے، تقریر سننے کے بعد انصار میں سے ایک آدمی ہاتھ میں ایک تھیلی لئے ہوئے
جو اسکے ہاتھوں میں بمشکل سنبھلی جا رہی تھی، لے کر حاضر ہوا - تمام لوگوں نے یکے بعد
دیگرے صدقات دینے اور اکٹھے کرنے شروع کئے حتیٰ کہ دو ڈھیر لگ گئے - ایک کھجور
و گندم کا اور ایک کپڑوں کا، اتنے میں آنحضرت ﷺ نے مشاہدہ فرمایا -

مسرت و فرحت سے آپ کا چہرہ مبارکہ دمک چمک رہا تھا گویا سونے کا پانی چہرہ پر مل دیا گیا ہے پھر ارشاد فرمایا: جو شخص اسلام میں کوئی اچھا طریقہ اور طرح ڈالے اسکو یقیناً اجر ملے گا اور ان کو بھی اجر ملے گا جو بعد میں اس اچھے طریقہ پر عمل کرتے رہیں گے ان کا بھی اجر اس کو ملے گا اور ان عمل گزاروں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔ سب کو اجر برابر ملے گا اور اگر کسی نے اسلام میں کسی برے طریقہ کو رواج دیا اور جاری کیا تو اسے اس کا گناہ ہوگا اور بعد میں جو لوگ اس برے طریقہ پر چلیں گے، ان کا بھی گناہ، اس برائی کے رواج دینے والے کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا یہاں تک کہ برائی کرنے والے اور رائج کرنے والے سب کا گناہ برابر ہوگا، کسی کا کم نہیں ہوگا۔ چنانچہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے یہ بھی ہے کہ خدا کے محتاج بندوں کو رحمت و شفقت سے پیش آؤ۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ غرباء کی پریشان کن اور خستہ حالت دیکھ کر انتہائی پریشانی میں آگئے۔ آپ کا چہرہ مبارکہ زرد، پیلا ہونے لگا۔ بعد میں جب غرباء و مساکین کے لئے سامان کی فراوانی اور کثرت اسباب کو دیکھا تو چہرہ مبارکہ جگمگ ہو گیا اور خوشی سے نور کی لہریں چہرہ مبارکہ پر پڑنے لگیں۔

دونوں آیتوں کا خلاصہ اور اصل روح یہ ہے کہ خدا کی عبادت کے بعد سب سے سے زیادہ قبول ہونے والا عمل خدا کے بندوں سے احسان ہے اور ان کی حاجات پوری کرنا ہے اور غربا و محتاجین کی مدد کرنے والے اور احسان سے پیش آنے والے لوگوں کو مزید عمل و اجر و ثواب کا مژدہ سنایا جاتا ہے اور حاجت مندوں کو دیا ہوا مال ضائع و رائیگاں نہیں جاتا، بلکہ عند اللہ اسکا بہت زیادہ اجر ملے گا۔ صدقہ کا اجر صرف صدقہ کرنے والے کو نہیں ملے گا، بلکہ

اسے دیکھ کر جو دوسرے لوگ صدقہ دیتے ہیں اس کا بھی اسکو اجر ملتا ہے جو قیامت تک ذخیرہ ہوتا رہے گا۔

تالیف قلب اسلام میں تالیف قلوب کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ غرباء، ضعفاء اور محتاج لوگوں سے الفت و شفقت اور محبت سے پیش آنا، انکی دل جوئی کرنا اور ان کو راضی کرنا بڑا عمل واجر ہے۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال ما سئل رسول اللہ ﷺ علی الاسلام شیئاً الا اعطاه ولقد جاءہ رجل فاعطاه غنماً بین جبلین فرجع الی قومہ فقال یا قوم أسلموا فان محمداً یعطی اعطاء لا یخشی الفقر وان کان الرجل یسلم ما یرید الا الدنیا فما یلبث الا یسیراً حتی یكون الاسلام احبّ الیہ من الدنیا وما علیہا (مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لوگوں کو اسلام کی ترغیب دینے اور قریب کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مال و دولت عطا فرماتے تھے اور جب بھی آنحضرت کریم ﷺ سے کوئی شے مانگی گئی آپ نے وہی عنایت فرمائی، کبھی انکار نہیں کیا۔

ایک دفعہ ایک سائل آیا، اس نے لجاجت سے سوال کیا۔ آنحضرت نبی کریم ﷺ نے ایک وادی میں چرنے والی ساری بکریاں اسے دے دیں۔ وہ اپنے قبیلے میں واپس گیا اور کہنے لگا لوگو! سب اسلام قبول کرو، محمد کریم ﷺ بہت دیتے ہیں اور اتنا لٹاتے ہیں اور ایسا کھلا خرچ کرتے ہیں کہ ان کو کوئی خوف تنگدستی نہیں ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعض اوقات کچھ لوگ صرف دنیا حاصل کرنے کی غرض سے اسلام قبول کرتے، مگر تھوڑی سی مدت میں حضور کریم ﷺ کی تربیت، تعلیم

اور تذکیر آخرت و جنت سے اس بندے کی روح میں تاثیر للہیت اتنی پیدا ہو جاتی کہ وہ آدمی دنیا سے بے رغبت ہو جاتا اور صرف آنحضرت ﷺ کی خوشنودی اس کا ^{مطمح} نظر ہوتا صرف اسوہ رسول پر عمل اس کا مقصود ہو کر رہ جاتا اور آپ ہی کی ذات پاک اس کا محبوب و مطلوب ہوتی۔

کمال شفقت : حضور نبی کریم ﷺ فرائض کی ادائیگی میں بھی احوال امت کو ملحوظ رکھتے اور ان کوتنگی میں نہ ڈالتے بلکہ اعمال و فرائض میں میانہ روی سے لوگوں کو مطمئن رکھتے تھے۔

عن جابر بن سمرۃ قال کنتُ أصلي مع رسولِ الله ﷺ فكانتُ صلواته قصداً وخطبته قصداً (مشکوہ ص ۱۲۳)

ترجمہ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نماز پڑھتا تھا، آپ کی نماز معتدل و درمیانی ہوتی اور خطبہ بھی معتدل و درمیانی، نہ ہی طوالت ہوتی اور نہ ہی بالکل اختصار بلکہ نشاط کے ساتھ برابر برابر۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حالت نماز میں تمام مقتدیوں کی رعایت کرتے۔ اور ہر حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز انجام دیتے انسی لا قوم الی الصلوة وارید ان أطول فیہا فاسمع بکاء الصبی فاتجوز فی صلواتی کراہیۃ ان أشق علی أمة (بخاری شریف)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نماز پڑھانے کے لئے آتا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ نماز لمبی پڑھاؤں، لیکن نماز میں جب کسی بچے کے رونے کی آواز میرے کانوں میں آتی ہے، تو میں نماز کو مختصر اور چھوٹا کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ نماز کو لمبا کر کے اسکی ماں کو زحمت اور رنج میں ڈالوں۔

تشریح: چنانچہ آنحضرت کریم ﷺ کے عہد مبارک، ہمایوں میں مسلمان عورتیں بھی دور دور سے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کیلئے آتی تھیں اور باجماعت نماز پڑھتی تھیں۔

ظاہر ہے ان میں چھوٹے بچوں والی عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ اور صبح کی نماز میں خصوصاً جماعت سے نماز پڑھنے میں نور و برکت کے وقت کی وجہ سے دل لگی اور قرأت میں پسندیدگی ہو جاتی ہے کہ مزید سے مزید قرأت کی جائے مگر مقتدیوں کی رعایت چونکہ واجب ہے حضور اکرم ﷺ ایثار فرماتے ہیں، اپنی پسند پر دوسرے کے رنج سے خاطر مبارک میں رحمت موجزن ہو جاتی اور فرائض کو چھوٹا کر دیتے تھے۔ آج کے اور ہر زمانہ کے اماموں اور خطیبوں کیلئے یہ حدیث مبارک درس عبرت ہے کہ وہ بھی اپنی نماز، جماعت، خطبہ اور وعظ میں مقتدیوں کے حال کی رعایت کیا کریں اور معذوروں کو دیکھ کر درمیانہ رویہ اختیار کریں۔

پانچ چیزوں کو بہت زیادہ ملحوظ رکھو:

قال رسول الله ﷺ لرجلٍ وهو يعظه اغتنم خمسا شباك قبل هرمك وصحتك قبل سقمك وغناك قبل فقرك وفراغك قبل شغلك وحياتك قبل موتك (مشکوٰۃ شریف ص ۲۴۱)

۔ ایک دن آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی کو نصحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو، پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو اور وقت ہاتھ سے نہ نکلنے دو، ان چیزوں کی قدر کرو۔

جوانی کو اپنے انتہائی بڑھا پانا، پہلے، اور صحت کو بیماری سے پہلے اور خوشحالی کو تنگ دستی اور محتاجی سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔

مقصد واضح یہی ہے کہ لوگو! جوانی اور صحت میں کثرت سے نیک عمل کرو۔ وقت گزر جانے

کے بعد کچھ نہیں کر سکو گے۔ تندرستی اور صحت جو ہزار نعمت ہے، آخرت کی تیاری میں لگاؤ بیماری اور بڑھاپے میں کچھ نہیں کر سکو گے۔ وسعت اور خوشحالی میں کسی سے احسان، کشادگی کرو، ورنہ غربت و افلاس میں الٹا محرومی غالب آ جائے گی کچھ نہ کر سکو گے۔ تو ہر نعمت کی موجودگی میں اس سے نفع اٹھاؤ، دوسروں کے کام آؤ۔

عن معاذ بن جبلٍ رضی اللہ عنہ ان رسولَ اللہ ﷺ لما بعثتہ الی الیمن قال ایاک والتنعم فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین (مشکوہ شریف ۴۴۹)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے ان کو یمن کا قاضی اور گورنر بنا کر بھیجا تو نصیحت فرمائی اے معاذ! اپنے کو عیش و عشرت سے بچانا کیونکہ اللہ کے مخلص بندوں کو عیش و عشرت نہیں ہونا چاہیے بلکہ وہ ایثار کرنے والے ہوتے ہیں، اپنے بڑے عہدہ اور بڑے اختیارات اور وسائل سے غلط استعمالات نہ کرنا۔ عدل و انصاف اور رحمت و شفقت اور ایثار کو ہمہ وقت ملحوظ رکھنا، عیش و عشرت اور دست درازی سے بچنا اور خدا تعالیٰ کی بندگی کو نہ بھولنا۔

جامع نصیحت عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ قال جاء رجلٌ الی النبی ﷺ فقال عِظْنِي وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِی صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُؤَدِّعٍ وَلَا تَكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْدِرُ مِنْهُ غَدًا وَاَجْمَعْ الْيَأْسَ مِمَّا فِی اَيْدِي النَّاسِ (مشکوہ شریف)

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت محمد ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا یا حبیب اللہ! مجھے ایک مختصر اور جامع اور بہتر نصیحت

کیجئے۔ آپ نے فرمایا: جب تم اپنی نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو کر یہ اس شخص کی طرح نماز پڑھو جو دنیا کو چھوڑ کر جانے والا ہے اور اپنی زبان سے ایسی کلام نہ نڈال کہ تو بعد میں عذر کرے، اگر قیامت میں اسکا حساب ہو تو تمہارے پاس اسکا کچھ جواب نہ ہو با دوسرے دن کسی کے سامنے شرمندگی سے عذر کرتا پھرے اور جو کچھ لوگوں کے پاس متاع عیش دنیا ہے، اس سے بے غرض ہو جاؤ۔

مزید تشریح یہ کہ جو شخص دنیا سے کوچ کر کے جا رہا ہو اور اسے یقین ہو چکا ہو کہ اب میں قطعاً زندہ نہیں رہ سکتا تو یقیناً ایسا شخص نہایت خشوع و خضوع تذلّل سے نماز پڑھ کر استغفار کا ورد کرتا رہے گا، اسکا دل و دماغ پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے گا اور متاع عیش و دنیا سے روگردانی کرتا رہے گا، ہر وہ بات سنی جو زبان سے خلاف حق نکلتی ہے اور دنیا کی زندگی میں اس گناہ و خطا کی معافی نہیں مانگی ہے، تو ظاہر ہے بوقت حساب کچھ کہنے اور معذرت کرنے کے لئے اپنے پاس کچھ نہیں پائے گا۔ اور دوسرے لوگوں کے مال و دولت پر رشک نہ کیا جائے، کیونکہ یہ فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں خزانے باقی اور نہ ختم ہونے والے ہیں اور ہر مسلمان آخرت کی بلندیوں کی طرف نگاہ رکھے تاکہ رب کریم اے کامرتبہ مزید بلند فرمائے۔

آداب تلاوت قرآن مجید و حصول نور الہی

اگرچہ فضائل قرآن مجید میں بکثرت مرویات وارد ہیں اور شفاعت قرآن کی احادیث مبارکہ بھی وارد ہیں، مگر اس صورت میں کہ تلاوت قرآن مجید میں سارے آداب ملحوظ رکھے جائیں تاکہ نور قرآن اور نور بارگاہ خداوندی اور برکات ابدی حاصل ہوتے رہیں اور قیامت تک شفاعت قرآن مجید حاصل ہو سکے۔

عن عبیدۃ الملیکی فكانت له صحبة قال قال رسول الله ﷺ يا اهل القرآن لا تتوسدوا القرآن واتلوه حق تلاوته من آناء الليل والنهار وانشدوه وتفننوه وتدبروا ما فيه لعلکم تفلحون ولا تعجبوا ثوابه فان له ثوابا (مشکوہ ص ۱۹۱)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے قرآن پر ایمان و یقین رکھنے والے قرآن کریم کو تکیہ نہ بناؤ، اوقات لیل و نہار میں اس کی صحیح تلاوت کرو اور اسکے پڑھنے پڑھانے کا رواج عام کرو اور اس کو خوب آواز اور خوب آداب سے پڑھو، جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہے، اس میں انتہائی باریک فکر سے تدبر اور تفکر اور جستجو سے اصل معانی تلاش کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ قرآن مجید کو محض دنیوی مال و عیش کا ذریعہ ہرگز نہ بناؤ بلکہ خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی برکات کا فیضان حاصل کیا کرو تا کہ تمہیں قرآن مجید کی شفاعت حاصل ہو۔

عن ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ قال دخلت علی رسول اللہ ﷺ فقلت يا رسول الله ﷺ اوصني قال اوصيك بتقوى الله فانه زين لامرك كله قلت زدني قال عليك بتلاوة القرآن وذكر الله عزوجل فانه ذكرك في السماء ونور لك في الارض (مشکوہ شریف)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے ایک دن حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا حبیب خدا! مجھے کچھ فرمائیں - آپ نے جواب دیا اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو، کیونکہ تقویٰ بندے کے لئے تمام معاملات میں راستی پیدا کرتا ہے - میں نے عرض کیا: کچھ مزید ارشاد فرمائیں - آپ نے فرمایا: اے ابو ذر! تلاوت قرآن مجید اور ذکر رب کریم خوب کرو اور اس کے پابند ہو جاؤ، اس سے خدا تمہیں اہل آسمان میں

یاد فرمائے گا اور دنیوی آلائشات کی تاریکیوں میں تلاوت قرآن کریم و ذکر دونوں تمہارے لئے روشنی اور نور کا سامان مہیا کریں گے، چونکہ قرآن مجید خود نور الہی ہے اور نور سے تلبس و تلازم موجود نور ہوتا ہے، قرآن عزیز زندگی اور قبر میں شفیع اور میدان حشر میں نور بن کر اسکی معیت کرے گا۔

تلاوت قرآن کریم حیات القلوب ہے قال رسول اللہ ﷺ إِنَّ هَذِهِ الْقُلُوبَ

تصدء کما تصدء الحديدُ اذا اصابه الماءُ قيل يا رسول الله وما جلاؤها

؟ قال كثرةُ ذکرِ الموتِ وتلاوةِ القرآنِ (مشکوہ ص ۱۸۵)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا انسانی قلوب کو زنگ لگ جاتا ہے جس طرح پانی پڑنے سے

لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! زنگ آلود دلوں کو صحیح صاف اور صیقل

کرنے کا کیا طریقہ اور علاج ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دلوں کو روشن

اور صیقل صاف اور شفاف ذکر موت اور تلاوت قرآن مجید سے کیا جاتا ہے۔ بار بار فناء اور

موت کی یاد میں رہنے والا ہر عمل اور نیکی کے کام کو بغیر مہلت اور تغافل کے کرے۔ شاید

کہ دوبارہ مہلت نہ ملے اور تلاوت قرآن مجید جو شخص انتہائی توجہ، تفکر اور محضو قلب

حقائق کو سمجھنے کی بار بار کوشش میں تلاوت کرے گا اور درس و تبلیغ قرآن مجید میں کوشش

کر کے دوسروں تک پہنچائے گا اور تعلیم قرآن مجید کو عام کرے گا، جگہ جگہ درس قرآن

راج ہو جائے گا، نور قرآن مجید سے قلوب منور ہو جائیں گے۔

تعلیم ذکر و دعا اہل ایمان کے لئے ذکر خداوندی اور اس کی بارگاہ میں دعا و سوال اصل

سرمایہ زندگی ہے اور یقیناً یہ عمل یا برکت، قابل قبول اور باعث ترقی درجات و منازل ہے

جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے وہی سرشار ہوتا ہے۔

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ قال جاء اعرابی الى رسول اللہ ﷺ فقال عَلِمَنِي كَلَامًا كَثِيرًا اَقُولُهُ قَالَ قُلْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ اللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ فَقَالَ هُوَ لَاءِ لِرَبِّي فَمَا لِي فَقَالَ قُلْ
اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاَرْحَمْنِي وَاَهْدِنِي وَاَرْزُقْنِي (مسلم شریف)

جامع دعائیں عن انس رضی اللہ عنہ قال كان النبی ﷺ يقول
اللّٰهُمَّ اِنِي اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَضَلَعِ الدِّينِ
وِغَلْبَةِ الرِّجَالِ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۶)

دعاء رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام (۲) اللّٰهُمَّ اِنِي اَعُوْذُ بِكَ مِنْ
عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا
يَسْتَجَابُ لَهَا (ابن ماجہ ص ۲۸۱)

(۳) اللّٰهُمَّ اِنِي اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ
نِعْمَتِكَ وَجَمِيعِ سُخْطِكَ

(۴) اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي وَاَرْحَمْنِي وَاَهْدِنِي وَعَافِنِي وَاَرْزُقْنِي
(مسلم شریف ص ۲۰۲)

نماز فرض کے بعد دعائے جمیل لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطٰى
لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (بخاری شریف)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا
غلاف پکڑ کر حرم میں یہ جامع دعا

مانگتے تھے

اللهم إنا نسئك علماً نافعاً ورزقاً واسعاً وشفاءً من كلِّ داءٍ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خستہ حالی کے وقت انکی سعادت اور خوشحالی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مبارک مانگی تھی، اللهم ارزقہ مالاً وولداً وعلماً نافعاً وبارک له

والدین کے لئے دعا رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا وَرَبَّنَا اغْفِرْ لِي

ولوآلِدِي وِلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

جامع دعا برائے آخرت رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا

وَتُوفِنَا مَعَ الْأَبْرَارِ (پارہ ۴، آیت ۱۹۳)

سب سے بڑی سعادت کثرت نماز ہے: عن ربیعة بن کعب رضی

الله عنه كنتُ ابيتُ مع رسول الله ﷺ فأتيتُ بوضوءه وحاجته

فقال عليه السلام --- سلني يا ربیعة فقلت اسئلك مرافقتك في الجنة

فقال أو غير ذلك قلت هوذاك قال فاعني على نفسك بكثرة

السجود (مسلم شریف)

حضور نبی کریم ﷺ کے خادم فرماتے ہیں، اکثر طور پر میں رات حضور نبی اکرم ﷺ کے

ساتھ نوکری میں گزارتا تھا اور آپ کی ضروریات کے لئے وضو کا پانی مہیا کرتا اور دوسری

استعمال کی ضروری چیزیں مہیا کرتا تھا۔ ایک دن آپ نے ازراہ شفقت اور عطا کے لہجے میں

ارشاد فرمایا: یا ربیعة! تم مجھ سے مانگو، میں نے عرض کیا: میں آپ کے ساتھ جنت میں

رفاقت و سنگت چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اور کچھ؟ میں نے عرض کی: بس وہی جنت کی

رفاقت و سنگت چاہیے۔ اس پر آپ نے فرمایا اس سلسلہ میں اب تم کثرت سے نمازوں کو ادا کر کے میری اعانت کرو، یعنی کثرت سے نماز و نوافل سے میرے ساتھ جنت میں رہ سکو گے۔

صفت عقلمندی قال رسول الله ﷺ الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواه وتمنى على الله (ترمذی شریف ص ۱۷۲ ابن ماجہ ص ۳۲۴)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: درحقیقت عقل مند وہ ہوشیار وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس پر قابو رکھا اور موت کے بعد کی سہولت و راحت حاصل کرنے اور قبر کی زندگی سنوارنے میں لگ گیا اور بے وقوف وہ ہے جس نے اپنے آپ کو نفس کی ناجائز خواہشات کے پیچھے لگالیا اور اللہ کریم پر غلط توقع کر لی۔

یعنی فرائض اور واجبات کو ترک کر کے نفس کی حرام خواہشات کے درپے ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے توقع رکھے کہ جنت عطا فرمائے گا۔ قرآن مجید نے ایسی احمقانہ چالیں یہودیوں کی بیان کی ہیں۔ اگر مسلمان بھی یہی طریقہ خبیثہ اختیار کریں تو گویا یہودیوں جیسی خصائل و عادات میں گھرے ہوئے ہیں۔ اصل عمل صالح ہے عمل صالح سے زندگی اور آخرت بنتی اور سنورتی ہے۔

دنیا اور آخرت میں فرق: قال رسول الله ﷺ من أحب دنيا آخره باخرته ومن أحب آخرته آخر دنيا فآثر ما يبقى على ما يفنى (مشکوہ شریف ۴۴۱)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا کی عیش و عشرت سے محبت کرے گا، وہ اپنی عاقبت خراب کر دے گا اور جس شخص نے اپنی آخرت کو پسند کر لیا اور نیک عمل سے آخرت کو ترجیح دے دی، وہ اپنی دنیا کی زندگی اور آرام کو فنا کر دے گا۔

اصل مقصود نصیحت تھی کہ بندے کے سامنے دو ہی راہیں ہیں، عیش دنیا پسند کرے، تو آخرت میں خسارہ اور اگر کامیابی آخرت پسند کرے، تو دنیا کی لذتیں اور راحتیں خراب ہو جائیں گی، لیکن اگر عیش دنیا ترک کر کے راحت آخرت حاصل کرے، جو ابدی ہے، وہ بہت بھلی ہی بھلی ہے۔

ذکر موت و فکر فردا قال النبی ﷺ اکثرُوا اذْکَرَ المَوْتِ فَاِنَّهٗ یَمَحِّصُ

الدُّنُوْبَ وِیَزِّهْدُ فِی الدُّنْیَا (ابن ماجہ ص ۳۳۴)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگو! اکثر اوقات موت کو یاد کرو، کیونکہ ذکر موت گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، اور دنیا کی زندگی کو عبادت و مشقت میں ڈالتا ہے ماشاء اللہ آخرت سنور جاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں عجیب واقعہ آتا ہے

وَفِی الْحَدِیْثِ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَشْتَكَّتِ الْاَرْضُ اِلَى رَبِّهَا لَمَّا اخَذَ مِنْهَا فَوَعَدَهَا اَنْ یُّرَدَّ اِلَیْهَا مَا اخَذَ مِنْهَا فَمَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا یُدْفَنُ فِی التُّرْبَةِ الَّتِی خُلِقَ مِنْهَا

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو زمین نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں شکایت کی، جب کہ مٹی کو زمین سے لیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو وعدہ دیا تھا کہ جو کچھ کسی ٹکڑا زمین سے مٹی لی جائے گی، اسے واپس اسی جگہ لوٹا دیا جائے گا اور ہر فوت ہونے والا اسی جگہ میں دفن کیا جاتا ہے جس جگہ سے اسے پیدا کیا گیا تھا یعنی جس مٹی

سے اس کا خمیر تھا۔

عن ابی ہریرہ قال خرج علينا رسول الله ﷺ يطوف ببعض نواحي المدينة واذا بقبر يحفر فاقبل عليه فقال لمن هذا فقيل لرجل من الحبشة فقال لا اله الا الله سبق من ارضه وسماءه حتى دفن في الارض التي خلق منها

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ سے باہر ہمارے پاس تشریف لائے اور مدینہ منورہ سے باہر گئے۔ دیکھا کہ ایک قبر کھودی جا رہی تھی۔ آپ قبر پر جا کر کھڑے ہوئے۔ دریافت کیا یہ کس شخص کی قبر ہے عرض کیا گیا جسٹہ سے آئے ہوئے ایک شخص کی ہے۔ آپ نے فرمایا: معبود برحق صرف ایک ذات اللہ ہے اس شخص کی مٹی تقدیر پر سبقت کر گئی ہے، یہاں تک کہ بندے کو اسی زمین میں دفن کیا جاتا ہے جس سے اسے پیدا کیا جاتا ہے

منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى
(پ ۱۶ سورہ طہ، آیت ۵۵)

اسی زمین سے ہم نے پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے۔ اور روز حشر اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے دوسری بار پھر

چونکہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے تو اصل میں ابن آدم کا خمیر مٹی سے ہے یا وجہ یہ کہ نطفہ غذا سے تیار ہوتا ہے اور تمام غذائیں زمین سے آگتی ہیں تو گویا ہر انسان اپنی اصل و نطفہ کے لحاظ سے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ماں کے پیٹ میں ہرنے کی ناف میں اسی مٹی کے ذرات فرشتہ ڈالتا ہے جس میں اس نے

دفن ہونا ہوتا ہے۔

قال عطا الخراسانی فی تفسیرِ هذه الاية ان المَلِكِ يَنْطَلِقُ فَيَأْخُذُ مِنْ
تُرَابِ الْمَكَانِ الَّذِي يُدْفَنُ فِيهِ فَيَذَرُهُ عَلَى النُّطْفَةِ فَيَخْلُقُ مِنَ التُّرَابِ
وَالنُّطْفَةِ (نقل از نزہۃ الناظرین)

عطا خراسانی آیہ کریمہ تخلیق و اعادہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت کی قدرت
ہے، جب کسی انسان کے پیٹ میں پڑنے والے کی تخلیق کا وقت آتا ہے، تو فرشتہ جا کر
اسکی مٹی لے آتا ہے، جس میں اس شخص نے مرنے کے بعد دفن ہونا ہوتا ہے، پھر ان
ذرات کو پیٹ میں نطفہ پر چھڑکتا ہے، تو اسی مٹی اور نطفہ سے بچے کو پیدا کیا جاتا ہے اور
لوٹ کر انہیں ذرات والی جگہ دفن ہوتا ہے۔

اور بعض مرویات میں ہے يُقَالُ ان الارضَ تُنَادِي كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَاتٍ يَا ابْنَ
آدَمَ تَمْشِي عَلَى ظَهْرِي وَمَصِيرُكَ اِلَى بَطْنِي يَا ابْنَ آدَمَ تَأْكُلُ الْاَلْوَانَ
عَلَى ظَهْرِي وَتَأْكُلُ الْاَبْدَانَ فِي بَطْنِي يَا ابْنَ آدَمَ تَفْرَحُ عَلَى ظَهْرِي
فَسَوْتَ تَحْزَنُ فِي بَطْنِي يَا ابْنَ آدَمَ تَضْحَكُ عَلَى ظَهْرِي فَسَوْتَ تَبْكِي
فِي بَطْنِي يَا ابْنَ آدَمَ تُذْنِبُ عَلَى ظَهْرِي فَسَوْتَ تُعَذَّبُ فِي بَطْنِي

روایت ہے کہ ہر دن زمیں پانچ مرتبہ ندا دیتی ہے اور پکارتی ہے، اے بندہ! تو میری سطح
پر چلتا ہے حالانکہ تو نے میرے پیٹ کے اندر آنا ہے، اے بندہ! تو طرح طرح کی نعمتیں
کھاتا ہے میرے منہ پر حالانکہ میرے پیٹ کے اندر کیڑوں نے تمہیں کھانا ہے اے
بندہ تو بڑی فرحت و راحت سے مجھ پر چلتا پھرتا ہے عنقریب تو میرے پیٹ میں غمگین ہوگا
اے بندہ! تو میری پیٹھ پر ہنستا پھرتا ہے۔ عنقریب میرے پیٹ میں روئے گا اے بندہ!

مجھ پر تو دندنا تا پھرتا ہے، گناہ کرتا ہے۔ عن قریب تجھے میرے پیٹ کے اندر عذاب میں ڈالا جائے گا۔

زیارت قبر عن بُریدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فزُورُوهَا (مشکوہ)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اس سے پہلے میں نے تمہیں قبروں پر جانے سے روک دیا تھا، لیکن اب قبروں کی زیارت کیلئے جایا کرو کیونکہ قبریں موت کی یاد کو تازہ کرتی ہیں۔

ابتداء میں آنحضرت ﷺ نے قبروں پر جانا اسلئے منع فرمایا ہوا تھا، کہ غیر اللہ کو پوجنے والی عادت ختم ہو جائے اور تو حید راسخ ہو جائے، مگر اب جبکہ لوگ توحید اور ایمان پر پختہ ہو چکے ہیں، حکم دیا کہ قبروں پر جایا کرو اور ان کے لئے دعا کیا کرو اور ان کے لئے مغفرت کا سوال بھی کیا کرو۔

آداب قبور عن بُریدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوا إِلَى الْمَقَابِرِ أَنْ يَقُولَ فَائِلَهُمُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنِّي أُنَايِسُكُمْ بِمَا لَكُمْ مِنَ الْحَقِّ وَاللَّهِمَّ إِنَّا نَسئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ وَاسْتَغْفِرُكَ لِي وَلِسَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (مسلم شریف ص ۳۱۴)

ترجمہ: حضرت بریدہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو سکھاتے اور درس دیتے تھے جب کہ وہ قبرستان میں جاتے کہ زائر قبروں میں جا کر سلام کہے تم پر اللہ تعالیٰ کی سلامتیاں ہوں۔ اے قبور میں ٹھکانہ رکھنے والو! اے ایمان دارو اور اسلام قبول کرنے والو! انشاء اللہ ہم بھی تمہارے بعد یہاں آنے والے ہیں۔

روحِ ابحاث قل ان كنتم تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (پ ۳ سورۃ آل عمران آیت ۳۱)

اے جنیب! آپ فرمائیے انہیں اگر تم واقعی محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو محبت فرمائے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آیت کریمہ میں اگرچہ یہودیوں کا رد ہے، کیونکہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی دعوت اسلام کے جواب میں بڑھاری تھی کہ ہم تو پہلے ہی محبت الہی میں چنداں گم اور اطاعت سے سرشار ہیں، ہمیں کسی نئے دعویٰ اور نبوت کی اطاعت کی ضرورت نہیں ہے تو وحی خداوندی نے ان کا رد کیا ہے اور سید عالم ﷺ کی زبان مبارک سے انہیں متنبہ کرایا کہ انکو کہہ دو اگر تم دعویٰ محبت الہیہ میں صادق ہو تو پہلے تم میری اتباع و محبت کا طوق گلے میں ڈالو، ورنہ تمہارے سب دعوے اور اعمال رائیگاں جائیں گے، بغیر اتباع نبی آخر الزماں ﷺ کے تمہاری عبادات و اعمال اور ایمان باللہ کی ایک کوڑی بھی قیمت نہیں پڑے گی، بلکہ فاتبعونی میں سارا راز کامرانی و کامیابی اور سرخروئی مضمر ہے۔

اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فَاتَّبِعُونِي (ای فی جمیع ما جئت بہ) و المعنی اتّباع النّبی ()
فما جاء به دليل على محبة الانسان لربه وهي اقبال القلب نحوه
وايثار طاعته على هوى نفسه فيلزم من المحبة الطاعة

ترجمہ: فاتبعونی سے اصل مقصود یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی اتباع و اطاعت ان تمام امور و اعمال میں واجب ہے جو وہ اللہ کریم سے لے کر آئے ہیں اور وہی اتباع لیل ہے

کسی انسان کی اختیاری محبت کی اور محبت کا معنی ہے انسان کے دل کا میلان اور جھکاؤ
محبوب کی طرف اور تمام تر اطاعت و بندگی صرف اسی کی کرتے ہوئے اپنی تمام خواہشات
پر ترجیح دیتے ہوئے - واضح ہوا کہ محبت سے طاعت لازم ہے اگر طاعت نہیں اور صرف
اظہار محبت ہو تو وہ بے کار و بے ہودہ ہے - کسی عارف نے کہا تھا -

لَوْ كَانَ حَبَّكَ صَادِقًا لَاطَعْتَهُ

فَإِنَّ الْمَحَبَّةَ لِمَنْ يُحِبُّ مَطِيعٌ

اگر تو دوست و محبوب کی محبت میں سچا ہے تو اس کی کامل اطاعت بجالا۔ کیونکہ محب اپنے محبوب
کا مطیع ہوتا ہے۔

فمن ادعى المحبة من غير طاعة فدعواه باطله لا تقبل کیونکہ جو شخص بغیر
اطاعت و فرمانبرداری کے محبت کا دم بھرتا اور دعویٰ دیتا ہے اس کا دعویٰ محبت جھوٹا اور غیر
قابل قبول ہے۔

واضح ہوا کہ ہر زمانہ میں نبی آخر الزماں ﷺ کی اطاعت و محبت ہر انسان پر لازم و واجب
ہے۔ بغیر محبت و اطاعت اور نبی آخر الزماں ﷺ کی فرمانبرداری کے بندے کا کوئی عمل بھی
قابل قبول نہیں، بلکہ مثبت ایمان بھی نہیں، خواہ کسے باشد، اسمیں ہم مسلمانوں کے لئے درس
عبرت و نصیحت ہے کہ ہم مسلمانوں کا ایمان و محبت اسی صورت میں کامل اور قبول ہوگا جب
کہ ہم دل و جان سے نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی پوری پوری اطاعت کریں
اور صرف شریعت آخرہ پر عمل پیرا ہونا کافی نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ کی سیرت طیبہ اور آپ
کی زندگی کو عملی زندگی اور نمونہ زیست بنائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل
کر کے محبت کے دعویٰ میں صداقت پیدا کریں، چنانچہ علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اسی

سلسلہ میں یوں ارادت کا اظہار کرتے ہیں، ومن محبته نصرۃ سنته والذّب عن شریعتہ وتمنی حضورِ حیاتہ فی بذل مالہ ونفسہ

نبی آخر الزماں کی محبت کا تقاضا ہے کہ اس کی سنت طیبہ پر عمل پیرا ہو جائے اور اس کی شریعت پر عمل میں سرشار ہو جانا چاہیے اور آرزو و حاضری بارگاہ اقدس نبوی میں موجزن رہے پس اپنی جان و مال سب کو اسی ذات بابرکات پر فدا کر دیا جائے۔ و اذا تبین ما ذکرنا ان حقیقۃ الایمان لا تتم الا بذكر الله فلا یصح الایمان الا بتحقیق اعلی قدر النبی ﷺ ومنزلتہ علی کل والد وولد و محسن و مفضل و من لم یعتقد ذالک و اعتقد ما سواہ فلیس بمؤمن

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو کچھ اس سے ما قبل ہم نے بیان کیا ہے اس سے ظاہر اور واضح ہو گیا ہے کہ حقیقت ایمان بغیر اطاعت و محبت رسول اللہ ﷺ کے نامکمل اور بے کار ہے اور ایمان اسی صورت میں صحیح اور قابل قبول ہوگا جب کہ حضور ﷺ کی قدر و عزت کو اعلیٰ وارفع یقین کیا جائے اور تمام اقارب و محسنین پر آپ کی ذات بابرکات کو کامل فوقیت اور علو تمام کا اعتقاد رکھا جائے اور اصل مقصود ایمان و جان یقین رکھا جائے۔ جو شخص ایسا اعتقاد و یقین نہیں رکھے گا وہ ہرگز کامل مؤمن نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: من اٰحیی سنتی فقد اٰحیی من اٰحیی کان معی فی الجنۃ (نزہۃ الناظرین) جس شخص نے میری سنت کو زندہ کیا اور عمل کر کے لوگوں میں رائج کیا اس نے مجھے محبوب بنایا اور جو شخص مجھے محبوب بنا لیتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اسی حدیث مبارک پر تفریح

بٹھاتے ہوئے الشیخ علامہ تقی الدین عبد الملک لکھتے ہیں ومن علامۃ محبّتہ

الاقْتِدَاءُ بِهِ وَاسْتِعْمَالُ سُنَّتِهِ وَاتِّبَاعُ اقْوَالِهِ وَافْعَالِهِ وَامْتِثَالُ اوَامِرِهِ وَ

اجتنابِ نواہیہ (نزہۃ الناظرین ص ۱۹)

آنحضرت کریم ﷺ کی اقتداء و اتباع اور اطاعت علامتِ محبت ہے۔ المرزید آنحضرت کریم ﷺ کی محبت کی علامات سے ہے کہ آپ کی سنت مبارکہ پر عمل کیا جائے، آپ کے اقوال و افعال کی اتباع کی جائے، آپ کے تمام اوامر و احکام عمل میں لائے جائیں، آپ کی منع کردہ تمام چیزیں ترک کر دی جائیں اور منہا ہی سے پورا پورا اجتناب کیا جائے۔

قال القاضي عياض - المحبة ثلاثة اقسام - محبة اجلال واعظام
 كمحبة الوالد ومحبة شفقة كمحبة الولد ومحبة مشاكلة واستحسان
 كمحبة سائر الناس فجمع عليه وسلم اصناف المحبة في محبته كما قال عليه
 السلام لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس
 اجمعين (نزہۃ الناظرین)

ترجمہ: قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں محبت کی تین قسمیں ہیں (۱) محبتِ جلالت و عظمت اور بزرگی و فوقیت جیسے اباؤ و اجداد کہ اولاد اپنے اباؤ و اجداد و امہات کی شان میں بجا لاتے ہیں (۲) محبتِ شفقت و تلافی جیسے ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت (۳) محبتِ مشاکلہ و استحسان جیسے معاشرے میں لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن یہ محبت باعتبار فرق مراتب اور روابط و تعلقات ہوتی ہے۔ آنحضرت کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات تینوں اقسامِ محبت کی جامع ہے اور ما قبل کی مذکور حدیث مبارکہ میں آنحضرت کریم ﷺ نے ان کو تینوں اقسامِ محبت اپنے لئے اپنانے کا سبق دیا ہے۔

اللهم ارزقنا محبة النبي الكريم وشفاعته الى يوم الدين

نظم

محبت کے شر سے دل سراپا نور ہوتا ہے
 ذرا سے بیج سے پیدا بزیاض طور ہوتا ہے
 محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
 کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے
 بیابان محبت دشت غربت بھی وطن بھی ہے
 یہ ویرانہ قفس بھی آشیانہ بھی چمن بھی ہے
 جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
 غلامی ہے اسیر امتیاز ما تو رہنا
 مزید یہ کہ کسی صاحب دل نے یہ بھی کہا ہے

(۱) محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں = یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

بعض دانایاں امت نے آنحضرت کریم ﷺ کے ساتھ محبت کی دوسری بڑی شرط اور
 پہچان یہ بیان فرمائی ہے کہ پوری امت کے لئے لازم اور واجب ہے کہ حضور پر نور نبی
 اکرم ﷺ کی تمام سنتوں، طرز زندگی، آپ کے بتائے ہوئے تمام احکامات پر عمل
 کو اپنے تمام عقلی، رسمی اور رواجی فیصلوں پر ترجیح دے کر فقداستکمل الایمان کا شملہ سرور پہنچائے

دعائے کریم

خدائے رحیم ہم سب مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل پیرا رہنے کی توفیق

و شق عطا فرمائے و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مشعلِ راہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ
بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا

ترجمہ: اے نبی مکرم ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر اور خوش خبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے والا اللہ کی طرف اسکے اذن سے اور آفتاب روشن کر دینے والا

(تالیف معهود سراج السنۃ) کیونکہ آنحضرت کریم ﷺ کی سنن مقدسہ پر مشتمل ہے جو اصل مقصود تبلیغ نبی علیہ السلام ہیں گویا ہر حدیث و سنت خبر احوال اور تبلیغ اعمال کی صرف مشعر ہی نہیں بلکہ ایک نورانی قندیل ہے۔ چنانچہ آیت منقولہ مبارک فی الحقیقت جامع بنیاد سنت رسول اللہ ﷺ ہے (تفصیل) کلمہ یا ایہا النبی میں اللہ کریم نے نداء اعزاز بخش اور اپنے خطاب لطیف سے ہر امتی رسول کے لئے ہر سماعت میں نبی کریم کو غیب کی خبر دینے والا بروقت مطلع کرنے والا فرما کر آپ کی عظمت نبوت کو اجاگر کرتے ہوئے انا ارسلناک شہادا کا اعزاز دے کر صرف امت آخرہ پر ہی نہیں بلکہ ساری اقوام و امم کے احوال پر آپ کو شہاد حق ٹھہرایا کیونکہ آپ کی ہر خبر و حدیث اور سنت سنیہ کی تعمیل میں کامل اجر و ثواب عالمین یقینی ہے۔ نبی مکرم شفیع معظم ﷺ شہادت دے رہے ہیں کہ میرے بتائے ہوئے طریقہ تبلیغ و عمل پر اعمال صالحہ بروئے کار لانے میں اللہ کریم کی رضا و خوشنودی اور نعیم آخرت کی تحصیل پنہاں ہے (و مبشرا و نذیرا) کے القاب سے آنحضرت ﷺ کو عالمین حدیث و سنت مبارک

کے لئے صاحب تبشیر اور بشارت صادقہ کا حامل اور سنت و عمل سے روگردانی کرنے والوں کو ڈرسانے والا اور اللہ کی گرفت و مواخذہ سے بچانے والا اور محروم نصیب لوگوں کو عذابِ آخرت سے ڈرانے والا بنایا ہے۔ چنانچہ علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ

مبشرا لاهل الايمان والطاعة بالجنة ولاهل المحبة بالرؤية

(وداعيا الى الله باذنه) میں اللہ کریم نے اپنے حکم ربانی سے آنحضرت کریم

ﷺ کو داعی الی التوحید والرسالت کی ذمہ داری سے تمام آیات بینات اور احادیث و سنن پر

عمل کا داعی اور محبت و قبولیت کی طرف بلانے والا اور اہل محبت کو جنت کا وارث بنانے والا

ٹھہرایا ہے۔ آیت مبارکہ (وسراجا منیرا) میں آنحضرت کریم ﷺ کو مجسم قلم نور و ضیاء بنا کر حق

کے تمام راستوں کو روشن کر دینے والا بنایا ہے کہ آپ کی ہر حدیث و سنت ایک روشن چراغ

اور مشعل راہ ہے۔ کہ بصورت تعمیل اور عمل عبادت کے رنگ میں رنگے ہوئے آنحضرت کریم

ﷺ کے اسوہ حسنہ کی عملی تفسیر میں نور سنت و نور عبادت کی ضیاء پاشیوں سے عبادت گزاروں کا

دایاں، بائیں اور ارد گرد جگمگ ہوگا جو شاہراہ جنت کو چمکائے گا اور تمام تاریکیوں سے نجات

دلائے گا تا آنکہ عالمین و عابدین مخلصین نعیم جنت اور حور و قصور جنت میں مسرور پورے

اطمینان سے راحت پذیر ہوں گے (ان شاء اللہ)

چنانچہ آیت مبارکہ مفسرہ کی روشنی میں اس تالیف مبارکہ کو (سراج السنن) کے نام سے

موسوم کیا گیا ہے کہ قارئین کرام اس مجموعہ احادیث و سنن کو پڑھ کر بتوفیق الہی راہ عمل اختیار

کر کے عمل و ثواب کی روشنی میں جنت کی راہ عبور کرتے ہوئے ادخلوا الجنة لا خوف

علیکم ولا انتم تحزنون کے خطاب و نواز سے مسحور اور بشارت یافتہ دارالخلد الفردوس

میں قیام پذیر ہوں گے۔ (سورۃ اعراف آیت: ۴۹)

آخر میں عارف باللہ حضرت مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی کی تفسیر دہلیہ تفسیر مظہری شریف کی ایک انتہائی لطیف اور دلربا عبارت جو مومن مخلص کے دل و دماغ کو نور و نور کر دینے والی ہے ملاحظہ ہو لکھتے ہیں انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان بلسانہ داعیا الی اللہ وبقلبہ وقالہ کان مثل السراج یتلون المؤمنون بالوانہ ویتنورون بانوارہ ترجمہ: آنحضرت کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان فیض ترجمان سے داعی تھے اور اپنے دل مبارک اور جسم منور کی وجہ سے سراج منیر تھے۔ اہل ایمان اس آفتاب سے رنگوں میں رنگے جاتے ہیں اور اس کے انوار سے درخشاں و تاباں ہوتے ہیں۔ اللہ کریم ہم سب کو اس نور مجسم شفیع ام صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار نبوت و علم سے درخشاں و تاباں فرمائے۔

والحمد للہ و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

سیدہ دختر سید بحر العلوم مرحوم

فہرست

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۴	حضرت مجدد امام احمد رضا خان	۲	ابتدائیہ
۲۵	علامہ میر سید شریف جرجانی کی تصریح	۴	فکر اولین
۲۶	علامہ آلوسی حنفی کی تصریح	۱۲	التقدیم
۲۷	خلاصہ بحث و علامہ شامی کی توجیہ	۱۳	بحث ایمان و عیب
۲۸	جس غیب کی خبر دی جائے وہ غیب رہا یا نہیں	۱۷	ایمان کی عام مشہور تعریف
۲۹	اعمال حقیقت ایمان میں داخل نہیں	۱۹	غیب کا معنی غیب کا مصد
۳۱	ایمان کی کمی زیادتی کے جواز و عدم جواز کی بحث	۲۱	مخلوق کے علم پر غیب کا
۳۳	ایمان کی کمی اور زیادتی کے دلائل کا جواب	"	اطلاق جائز ہے / نہیں
۳۴	اسلام اور ایمان متغایر ہیں / متحد	۲۲	علامہ زحشری کی تفسیر
	آیت مبارکہ لقد کان لکم فی رسول اللہ	"	علامہ ابن جوزی حنبلی
۳۸	اسوۃ حسنہ کا شان نزول	"	حضرت علامہ قرطبی
۳۹	تحقیق لفظ اسوۃ	"	علامہ آلوسی حنفی
۳۹	تعریف السنۃ	"	علامہ ابوسعود حنفی
۴۲	سنت پر قرآن سے استدلال	"	علامہ بیضاوی
۴۴	سیرت الرسول فی القرآن	"	علامہ ابن حجر مکی ان علماء کا
۴۸	آخری فیصلہ	"	معنی و تفسیر غیب میں قول
۵۰	آیت اطاعتہ		حضرت ملا علی قاری و
۵۱	حدیث جامع عن عمر بن الخطاب	۲۳	حضرت علامہ شامی کی تفسیر غیب

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۹	نمونہ محبت رسول علیہ السلام	۵۳	اسلام کے اصلی معنی کیا ہیں
۸۰	اسوہ حسنہ رسول علیہ السلام	۵۴	الایمان
۸۴	نماز میں شرکت ملائکہ	۵۷	ایمان بکتاب اللہ
۸۵	فضیلت نماز باجماعت	۵۷	ایمان بالرسول
۸۶	نماز باجماعت کا اہتمام	۵۸	ایمان بالیوم الآخر
۸۷	سنت اقامت دین	۵۹	ایمان باللہ
۹۱	سنت و نصیحت	۵۹	احسان
۹۳	خلاصہ ایمان و اسلام	۶۱	قیامت
۹۵	تعریف خوف و تعریف حزن	۶۴	مزید بحث اثبات علوم آخرت
۹۶	زکوٰۃ و مقصد زکوٰۃ	۶۶	خلاصہ الکلام
۹۸	تشریح مزید	۶۷	اختتامی بحث در مسئلہ علم قیامت
۱۰۲	شرائع ماضیہ میں حکم زکوٰۃ و صدقات	۶۸	علامات قیامت
۱۰۴	ترغیب صدقہ	۶۹	ارکان دین تویم
۱۰۴	مسلمان امیر و غریب کے لئے حکم صدقہ		دین رسول پر ایمان و عمل
۱۰۵	صدقہ کا فائدہ خاصہ	۷۰	میں نجات
۱۰۶	موتی مسلمین کو صدقہ کا نفع	۷۱	نجات کی مدد شہادتین پر ہے
		۷۵	چند علامات ایمان و اسلام

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۶	ہر جاندار کو نفع دینا صدقہ ہے	۷۶	لطفِ خداوتِ ایمان
۱۱۲	رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ	۷۸	کسوٹی ایمان و اطاعت
۱۱۳	وضاحت مزید	۷۹	نمونہ محبت رسول علیہ السلام
۱۱۹	اعتدال فی العبادات	۸۰	اسوہ حسنہ رسول علیہ السلام
۱۲۰	صوم وصال سے ممانعت	۸۲	شرکت ملائکہ
۱۲۲	افطار کے لئے عمدہ چیز	۸۵	فضیلت نماز باجماعت
۱۲۳	دعائے افطار	۸۶	نماز باجماعت کا اہتمام
۱۲۳	روزہ افطار کرانے کا ثواب	۸۷	سنت اقامت دین
۱۲۴	مسافر کے روزے کا حکم	۹۱	سنت و نصیحت
۱۲۵	بلاعذر شرعی روزہ توڑنے پر کفارہ	۹۳	خلاصہ ایمان و اسلام
۱۲۷	تفصیل مسائل	۱۹۵	تعریف خوف و تعریف حزن
۱۲۹	تین عوارض سے روزہ نہیں ٹوٹتا	۹۶	زکوٰۃ و مقصد زکوٰۃ
۱۲۹	عبادۃ مجاہدہ، نقلی روزے	۹۸	تشریح مزید
۱۳۰	اعتکاف	۱۰۲	شراعی ماضیہ میں حکم زکوٰۃ و صدقات
۱۳۱	برکات لیلة القدر	۱۰۲	ترغیب صدقہ
۱۳۳	صیام شوال	۱۰۲	مسلمان امیر و غریب کے لئے حکم صدقہ
۱۳۴	صیام ایام بیض	۱۰۵	صدقہ کا فائدہ خاصہ
۱۳۴	صوم عاشورہ کی تاریخی اہمیت	۱۰۶	موتی مسلمین کو صدقہ کا نفع

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۷۰	تاویلات صادقہ حدیث	۱۳۸	سیام ایام مخصوصہ
۱۷۱	لا تجعلوا قبری عیدا	۱۳۹	روزہ بوجوہ افطار کیا جاسکتا ہے
۱۷۳	ترغیب صلوات	۱۴۰	حج بیت اللہ شریف
۱۷۶	فطرت ایمان اطفال مؤمنین	۱۴۲	فرضیت و افضلیت حج
۱۷۹	مختصر مقالہ	۱۴۵	میقات
۱۸۱	امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم عام	۱۴۷	میقات خمسہ کا تعارف
۱۸۵	سد باب منکر و برائی	۱۴۸	کیفیت احرام
۱۹۰	مسائل و احکام	۱۴۹	تلبیہ بآواز بلند پڑھا جائے
۱۹۱	بے علم کے وعظ کے متعلق اعلیٰ	۱۵۱	اہم افعال حج
۱۹۲	حضرت لکھتے ہیں	۱۵۲	غسل سنت احرام
۱۹۳	ہتھیاروں سے امر بالمعروف	۱۵۳	تطبیق روایات
۱۹۴	و نہی عن المنکر کو فتنہ کہنے کا بطلان	۱۵۴	دعائے خاص بعد از تلبیہ
۱۹۷	کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر	۱۵۵	رمل سنت ہے، عظمت حجر اسود
۱۹۸	بالمعروف ترک نہ کیا جائے	۱۵۶	قربانی سنت انبیاء کرام
۱۹۹	بنی اسرائیل کے اختلاف کی مذمت کا سبب	۱۵۸	عظمت مکہ معظمہ
۲۰۰	حوض کوثر پر وارد ہونے والے مرتدین	۱۶۰	عظمت مدینہ طیبہ اور اس کی محبوبیت
۲۰۱	کے متعلق علم رسالت اور بحث و نظر	۱۶۳	فضیلت مسجد نبوی ﷺ
۲۰۲	حیرت دروڑ طہ حیرت	۱۶۵	زیارت گنبد خضراء
۲۰۳	عذاب کا عدل اور ثواب کا فضل ہونا	۱۶۸	حیات النبی ﷺ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۲	ترغیب نکاح	۲۰۳	بحث دوم
۲۳۶	مسئلہ مہر	۲۰۴	رابط آیات، مناسبت اور شان نزول
۲۳۸	والدین کے حقوق	۲۰۵	تمام امتوں سے افضل امت ہونے کا مدار
۲۴۰	خدمت والدین میں جنت ہے	۲۰۵	صحیح صادق اور کامل ایمان کا معیار
۲۴۱	حق زوجہ	۲۱۰	امر بالمعروف
۲۴۲	اہل و عیال پر نفقہ صدقہ ہے	۲۱۵	نہی عن المنکر
۲۴۳	صفات زوجہ صالحہ و استحقاق جنت	۲۱۷	سید اور امیر کی ذمہ داری
۲۴۵	حقوق اولاد	۲۱۹	طرز معاش
۲۴۵	نیک اولاد صدقہ جاریہ ہے	۲۲۱	تجارت میں دیانت
۲۴۶	دختر نیک اختر کی تعلیم و تربیت کا صلہ	۲۲۳	تجارتی معاملہ میں جھوٹی قسم پر وعید
۲۴۸	اجر کفالت یتیم	۲۲۴	تجارتی لغزش پر کفارہ اور صدقہ
۲۴۹	رعایت حق ضعیف و حق مہمان	۲۲۴	ممانعت احتکار
۲۵۱	رعایت حق ہمسایہ	۲۲۵	تجارتی معاملہ میں عیب بیان کرنا
۲۵۱	ہمسایہ سے جنت یا دوزخ	۲۲۶	قرض میں حسن معاملت
۲۵۲	رعایت حق فقراء و مساکین	۲۲۸	وعید غصب و خیانت
۲۵۳	نگہداشت حاجت مند	۲۲۹	حقوق مزدور
۲۵۴	حق خادم و مملوک	۲۳۰	حق وراثت واجب ہے
۲۵۵	ماتحت سے حسن سلوک	۲۳۱	بحث دردمندانہ
۲۵۶	شریک سفر کا حق	۲۳۲	لعنت سود
۲۵۷	حق مریض	۲۳۳	معاشرت خاصہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۸۴	تحصیل علم و فہم دین	۲۵۹	حق مسلم بر مسلم
۲۸۵	تعلیم و تعلم نعمت خداوندی ہے	۲۶۰	باہمی رحمت و مودت
۲۸۶	موازنہ ذکر و عمل	۲۶۰	اخوت عمارت محکم ہے
۲۸۷	صبر و استقامت	۲۶۲	برا انجام غیبت
۲۸۸	توکل و رضا	۲۶۳	حقوق حیوانات
۲۹۰	درس شکر	۲۶۵	مطلقاً چہرے پر مارنا ممنوع ہے
۲۹۳/۲۹۲	باب السنن و سنن ہدی زوائد	۲۶۵	تکبر و جمال پسندی میں فرق
۲۹۴	سنن موکدات نماز مع تشریح	۲۶۷	غصہ پر قابو پانے کا طریقہ
۲۹۶	تصریحات قرآن اور احکام سنت	۲۶۸	قدرت کے باوجود عفو درگزر
۳۰۱	اہمیت اتباع سنت	۲۶۸	اخلاق مومنانہ
۳۰۳	اتباع سنت صراط مستقیم ہے	۲۶۹	جھوٹ بری عادت ہے
۳۰۵	دستور زندگی خلیفہ ثانی	۲۷۱	بری عادت پر وعید
۳۰۹	سنت ظاہرہ شریعت اسلامیہ	۲۷۲	غیبت بدتر گناہ
۳۱۱	میں داڑھی کی اہمیت	۲۷۲	وکفارہ غیبت
۳۱۲	طعام و غذا کھانے کی سنتیں	۲۷۳	فتیح حمایت اور سزا
۳۱۲	آداب بسم اللہ، مرویات کھانے	۲۷۴	قباحت وعدہ خلافی
۳۱۳	پر بیٹھنے کا طریقہ دایاں ہاتھ مبارک ہے	۲۷۷	دعوت النبی ﷺ
۳۱۳	دایاں ہاتھ مبارک ہے	۲۷۹	دین راہ آزمائش ہے
۳۱۴	نمکین شی سے کھانا شروع کیا جائے	۲۸۲	تنظیم و اجتماعیت
۳۱۴	روٹی ذی قدر اور محترم ہے		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۳۵	طریقہ استعمال نعلین	۳۱۵	کھانے کے برتن ڈھانک کر رکھنا
۳۳۷	سر اور بالوں میں تیل لگانا	۳۱۶	آنحضرت کریم ﷺ کی پسندیدہ خوراک
۳۳۹	سرمہ اور خوشبو	۳۱۷	گوشت خرگوش
۳۳۹	شریعت میں سلام کہنا	۳۱۹	کچھو اور جو کا آٹا
۳۴۱	مصافحہ اور معانقہ	۳۲۰	روغن زیتون اور سرکہ
۳۴۷	تالیف قلب	۳۲۱	سبزیاں اور متفرق پھل
۳۴۸	کمال شفقت	۳۲۳	مختلف میوے لکڑی، خر بوزہ
۳۴۹	پانچ چیزوں کو بہت زیادہ ملحوظ رکھو	۳۲۳	انگور کچھو، انجیر
۳۵۰	جامع نصیحت	۳۲۴	لباس میں سنتیں
	آداب تلاوت قرآن مجید	۳۲۶	چادر شرافت، کمبل، لوئی - دھسہ
۳۵۱	وحصول نور الہی	۳۲۷	آنحضرت کا استعمال شلوار
۳۵۳	تعلیم ذکر و دعا		عدم استعمال شلوار
۳۵۴	جامع دعائیں	۳۲۷	فضیلت لباس سفید مردوں کو
	سب سے بڑی سعادت کثرت	۳۲۸	ریشمی کپڑے کی مردوں کو ممانعت
۳۵۵	نماز ہے	۳۲۹	عمامہ میں سنت
۳۵۶	صفت عقل مندی	۳۳۰	تکیہ سے ٹیک لگانا
۳۵۷	ذکر موت و فکر فردا	۳۳۰	کھڑے ہوئے سہارا لینا
۳۶۰	زیارت و آداب قبور	۳۳۱	آنحضرت کریم کے سونے کا طریقہ مبارک
۳۶۱	روح البحاث	۳۳۳	طریقہ بستر سازی
۳۶۵	نظم و دعائے کریم		

دستور مصطفیٰ پہ کرو ناز دوستو
آئین ارتقاء پہ کرو ناز دوستو

عرفان و آگہی کے چمن مسکرائے ہیں
گفتار مصطفیٰ پہ کرو ناز دوستو

ہر سو محبتوں کے فروزاں کیے چراغ
محبوب کبریا پہ کرو ناز دوستو

وہ جن کی شان صاحب خلق عظیم ہے
ان کی ہر اک ادا پہ کرو ناز دوستو

روشن ہوئی ہے شمع مساوات و حریت
منشور مصطفیٰ پہ کرو ناز دوستو

ہیں راہنمائے منزل معراج آدمی
آقا کے نقش پا پہ کرو ناز دوستو

خوشا نصیب ہم کو در مصطفیٰ ملا
قدرت کی اس عطا پہ کرو ناز دوستو

پروا نہیں ہے گرمی محشر کی کچھ ہمیں
دامان مصطفیٰ پہ کرو ناز دوستو

جو عاصیوں پہ سایہ فلک ہوگی حشر میں
رحمت کی اس ردا پہ کرو ناز دوستو

طیقان کفر و شرک سے ہم کو بچا لیا
امت کے ناخدا پہ کرو ناز دوستو

کرتا ہوں رات دن میں مدینے کی گفتگو
ہے گفتگو یہی تو قرینے کی گفتگو

پھولوں کو گلستاں میں پسینہ سا آ گیا
جب چھڑ گئی نبی کے پسینے کی گفتگو

میں نے نبی کا نام لیا پار اتر گیا
جب لوگ کر رہے تھے سفینے کی گفتگو

دامن میں میرے دولت کو نین آ گئی
کرتا ہوں رحمتوں کے خزینے کی گفتگو

کرتا ہے ذکر جلوہ سینا کا جب کوئی
کرتا ہو میں بلال کے سینے کی گفتگو

طیبہ سے دور رہ کے جینا میرا حال
اے دوست کرنے مجھ سے توجینے کی گفتگو

ہر لفظ اس کا کیوں نہ دلوں پر اثر کرے
افضل یہ گفتگو ہے مدینے کی گفتگو

حبیب کبریا کی بات کیجئے

محمد مصطفیٰ کی بات کیجئے

جمال مصطفیٰ کی بات کیجئے

نخل ہوں گے مہ و خورشید و انجم

نبی کے خاک پا کی بات کیجئے

ہم اعجاز مسیحا سن چکے ہیں

مقام مصطفیٰ کی بات کیجئے

فراز طور کا قصہ بجائے

اسی خاک شفاء کی بات کیجئے

دوا ہے جو مریض لا دوا کی

مدینے کی ہوا کی بات کیجئے

ابھی پاتا ہے تسکین قلب محزون

کوئے خیر الوری کی بات کیجئے

عبث ہے ذکر حسن باغ رضواں

امام الانبیاء کی بات کیجئے

ابھی کھلتا ہے راز سیر اقصیٰ

کرم کی ابتداء کی بات کیجئے

کرم کی انتہا کیا ہوگی افضل

آ گیا ہے جس کے بھی دامان عالی ہاتھ میں
 نعمت کونین گویا اس نے پالی ہاتھ میں
 دل نے تسکین کی عجب صورت نکالی ہاتھ میں
 والہانہ تھام لی روضے کی جالی ہاتھ میں

جس کے سینے میں نہیں عشق حبیب کبریا
 دولت بخشش نہ پائے گا وہ خالی ہاتھ میں
 ہوں گدائے مصطفیٰ مفلس نہ تم سمجھو مجھے
 ہے عقیدت کا خزانہ میرے خالی ہاتھ میں

کوئی بھی محروم در سے آپ کے لوٹا نہیں
 گوہر مقصود دیکھا ہر سوالی ہاتھ میں
 کیمیا سے بڑھ کے کیا ہے جب ہوا مجھ سے سوال
 خاک پائے مصطفیٰ میں نے اٹھالی ہاتھ میں

مدینے کی فضائیں یاد آئیں سکوں پرور ہوا ئیں یاد آئیں

نگاہوں میں وہ دربار کرم ہے محمد کی عطا ئیں یاد آئیں

مشام جاں معطر ہو رہا ہے مدینے کی ہوا ئیں یاد آئیں

ملی ہے روشنی قلب و نظر کو وہ گنبد کی ضیا ئیں یاد آئیں

دل و جاں وجد میں آنے لگے ہیں درودوں کی صدا ئیں یاد آئیں

خیال آیا سنہری جالیوں کا مچلتی التجا ئیں یاد آئیں

چھڑا جب تذکرہ زلفِ نبی کا تو رحمت کی گھٹائیں یاد آئیں

ہوا جب ذکرِ خلقِ مصطفیٰ کا محبت کی ادا ئیں یاد آئیں

چلے جب قافلے سوئے مدینہ مجھے اپنی دعا ئیں یاد آئیں

ہے طاری کیف و مستی دل پہ افضل مدینے کی فضائیں یاد آئیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دور حاضر میں آج ہر طرف مادہ پرستی، خود غرضی، لہو و لعب اور نفسا نفسی کا راج ہے۔ ایسے میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ، قرآن و حدیث کی تعلیمات کے فروغ اور انفرادی و اجتماعی سطح پر نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے دینی مدارس و جامعات کا کردار روز روشن کی طرح عیاں ہے یہ ادارے اصل میں سرکار مدینہ حضور اکرم ﷺ کے نورانی دور میں دین کے فہم و ادراک میں شب و روز مصروف رہنے والے فاقہ کش، قناعت پسند اصحاب صفہ کا تسلسل ہیں۔ جامعہ قادریہ رضویہ (ٹرسٹ) بھی انہی میں سے ایک اہم ادارہ ہے۔ جو قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی ترویج و اشاعت کیلئے بھرپور انداز میں مصروف عمل ہیں۔

بنیاد: جامعہ کی بنیاد 1963 میں حضرت شہید اہلسنت نائب محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ الحاج ابوالشاه محمد عبدالقادر قادری رضوی اور حضرت معین الملت رفیق شہید اہلسنت مولانا ابوالمعالی علامہ محمد معین الدین قادری رضوی نوری نے رکھی۔

کیمپس: جامعہ کا پرسکون اور خوبصورت کیمپس فیصل آباد کے شہر کے تقریباً مرکزی علاقہ میں پنجاب میڈیکل کالج، الائیڈ ہسپتال اور زرعی یونیورسٹی کے قریب لاہور، اسلام آباد اور سرگودھا کو جانے والی شاہراہ کے سنگم پر بارونق اور مصروف ترین علاقہ میں واقع ہے یہ کیمپس تقریباً 9 کنال اراضی پر محیط ہے اس میں (انتظامی بلاک / Administrative Block) آئیڈمک بلاک (شعبہ تدریس) ہوسٹل، میس، خوبصورت جدید مسجد، وسیع لان، لائبریری، کمپیوٹر سنٹر اور طالبات کے تدریسی بلاک پر مشتمل ہے۔ حضرت شہید اہلسنت علامہ عبدالقادر اور حضرت علامہ معین الدین قادری کے مزارات بھی مسجد سے متصل واقع ہیں۔

شعبہ علوم اسلامیہ: اس شعبہ میں دین حق کی تعلیم کے فروغ کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ تدریسی تجربہ کے حامل اور جید علماء کرام کا بطور اساتذہ انتخاب کیا گیا ہے۔ اس جامعہ میں اچھے استاد کی تلاش سب سے مقدم فریضہ سمجھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اساتذہ اپنے فن اور تدریسی تجربہ میں اپنی مثال آپ ہیں۔

شعبہ علوم اسلامیہ میں طلباء کو مکمل آٹھ سالہ درس نظامی کا کورس کروایا جاتا ہے۔ فارغ التحصیل ہونے والا ایم۔ اے کی ڈگری کے مساوی سمجھا جاتا ہے دوران تعلیم تنظیم المدارس کے تحت عامہ خاصہ عالیہ اور عالیہ کے امتحانات دلوائے جاتے ہیں۔ جبکہ فائنل ڈگری بھی تنظیم المدارس کا امتحان پاس کرنے کے بعد جاری ہوتی ہے۔

شعبہ تحفیظ القرآن (Institute Of Tahfeez Ul Quran)
 اس شعبہ میں سات اساتذہ علمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں جنکی شب و روز کی محنت سے ہر سال متعدد حفاظ کرام فارغ التحصیل ہو کر خدمت دین میں سرگرم عمل ہیں۔ اس شعبہ میں پرائمری پاس طلباء کو داخلہ دیا جاتا ہے اور 2 سے 3 سال کی قلیل مدت میں قرآن پاک حفظ کروایا جاتا ہے۔

شعبہ علوم عصریہ: (Faculty of Modern Studies)
 نئے دور کا مقابلہ کرنے کے لئے جامعہ میں علوم عصریہ کی طرف بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے اس شعبہ میں مختلف کلاسز کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

المصطفائی ماڈل سکول: وہ طلباء اور طالبات جو قرآن پاک حفظ کر کے علوم اسلامیہ میں داخلے کے متمنی ہوں ان کو ایک سال میں چھٹی ساتویں اور آٹھویں کلاسز کی تیاری کروا کر فیصل آباد بورڈ کا امتحان دلویا جاتا ہے۔

انٹر میڈیٹ / گریجویشن / اور پوسٹ گریجویٹ کلاسز
 علوم اسلامیہ کے پہلے دو سال میں طلباء میٹرک کا امتحان دیتے ہیں ان کے لئے اختیار ہے کہ آرٹس اور سائنس میں سے جس شعبہ کا انتخاب کرنا چاہیں کر سکتے ہیں علوم اسلامیہ کے اگلے دو سال کے دوران ایف۔ اے اور پھر بی۔ اے کی کلاسز کے امتحانات کی تیاری کروائی جاتی ہے آخری دو سال (دورہ حدیث شریف) کے دوران پنجاب یونیورسٹی کے تحت ایم۔ اے کی تیاری کی خدمات بھی ادارہ انجام دے رہا ہے تاکہ طلباء دین اسلام کے ساتھ ساتھ دنیا کے علوم و فنون سے بھی آگاہ رہیں۔

شعبہ علوم جدید یہ: (Faculty of Computer Sciences)
 جدید دور سے ہم آہنگ جامعہ میں کمپیوٹر کی تعلیم کا خصوصی انتظام کیا گیا ہے تاکہ طلباء عصر حاضر کے تقاضوں کو احسن طریقہ سے پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں اس شعبہ میں سوفٹ ویئر، ہارڈ ویئر، شارٹ اور لونگ پرو فیشنل کورسز، انٹرنیٹ، ای کامرس وغیرہ پر مشتمل کورسز ماہر کمپیوٹر اساتذہ کی زیر نگرانی ہوتے ہیں جن میں جامعہ کے طلباء کے رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترجیحا داخلہ دیا جاتا ہے۔

شعبہ تعلیم نسوان: بچیوں کو قرآن و حدیث کی تعلیمات سے روشناس کرانا جدید اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اہم کڑی ہے۔ ایک اچھی ماں ہی ایک مثالی اسلامی

معاشرے کو جنم دے سکتی ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر ”جامعۃ البنات“ کی بنیاد ۱۹۸۷ء میں رکھی گئی اس وقت 300 سے زائد طالبات زیر تعلیم ہیں اور سینکڑوں طالبات فارغ التحصیل ہو کر ملک اور بیرون ملک خدمت اسلام میں مصروف ہیں۔

”جامعۃ البنات“ میں اس وقت 10 معلمات کی خدمات حاصل کی گئی ہیں یہاں پر طالبات کو حفظ القرآن اور درس نظامی کے کورسز کا بھی خاطر خواہ انتظام موجود ہے ہر سال طالبات کے لئے عامہ خاصہ عالیہ اور عالمیہ کے امتحانات منعقد کئے جاتے ہیں۔ طالبات کے لیے میٹرک، ایف۔ اے۔ بی۔ اے اور ایم۔ اے کی کلاسز کے علاوہ کمپیوٹر کی تعلیم کا بہترین انتظام ہے۔ ”جامعۃ البنات“ کی پندرہ سے زائد شاخیں اندرون اور بیرون شہر دن رات خدمت دین میں مصروف عمل ہیں جہاں 3000 سے زائد طالبات تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

نصاب: الحمد للہ جامعہ قادریہ رضویہ کا نصاب تعلیم مرتب کرتے وقت اس بات کو خاص اہمیت دی جاتی ہے کہ جامعہ سے فارغ ہونے والے طلباء میں وہ صلاحیتیں بیدار ہو سکیں جو ہمارے اسلاف کا خاصہ تھیں۔

امتحانات: بورڈز یونیورسٹیز اور تنظیم المدارس کے سالانہ امتحانات کے علاوہ جامعہ میں ہر شعبہ کے ششماہی اور نو ماہی امتحانات کا باقاعدہ انعقاد کیا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً ہفتہ وار ماہوار ٹیسٹ بھی لئے جاتے ہیں جنکی رپورٹ والدین کو بھجوائی جاتی ہے۔

طلباء کا داخلہ: شعبہ علوم اسلامیہ میں مڈل پاس طلباء کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ جبکہ شعبہ حفظ کے لئے پانچویں جماعت پاس ہونا ضروری ہے۔

دارالافتاء: مختلف فقہی اور دوسرے مسائل کے حل کے لئے جامعہ میں دارالافتاء بھی موجود ہے۔ اندرون شہر مقامی اور بیرونی احباب اپنے پیچیدہ مسائل کے جوابات کیلئے بالمشافہ اور بذریعہ ڈاک دارالافتاء میں موجود مفتی صاحب سے رابطہ کرتے ہیں۔

لائبریری: جامعہ میں طلباء کے مطالعہ کیلئے ایک وسیع لائبریری موجود ہے جس میں قرآن و حدیث، تفسیر، سیرت، فقہ، تاریخ اور مختلف علوم و فنون پر مشتمل حوالہ جاتی اور نصابی کتب کا وسیع ذخیرہ موجود ہے جامعہ میں طلباء کو فارغ اوقات میں مطالعہ کا موقع فراہم کیا جاتا ہے۔ ضرورت کے پیش نظر طلباء کو کتب بھی فراہم کی جاتی ہیں۔

مکتبہ جمعیت فیض رضا: دینی کتب کی ترویج و اشاعت کیلئے جامعہ کے طلباء کی طرف سے ایک مثالی مکتبہ قائم کیا گیا ہے جس میں طلباء اپنی طرف سے ماہانہ چندہ

جمع کر کے کتب شائع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اب تک کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور متعدد کتب اشاعت کے لئے زیر طبع ہیں۔ اس کے علاوہ انگریزی اور اردو کا سہ ماہی مجلہ ”اہلسنت“ کے نام سے جاری کیا گیا ہے۔

مسجد طیبہ: مسجد طیبہ کے نام سے جامعہ کے اندر ایک خوبصورت جامع مسجد موجود ہے جو زیر تکمیل ہے یہ مسجد انشاء اللہ جدید فن تعمیر اور روایتی اسلامی فن تعمیر کا حسین امتزاج ہو گی۔ اس عالی شان مسجد میں بیک وقت تقریباً تین ہزار افراد کے نماز پڑھنے کی گنجائش موجود ہے۔

قیام و طعام: جدید تقاضوں کے پیش نظر دو منزلہ خوبصورت ہاسٹل طلباء کی رہائش کیلئے ہے جو کہ مختلف بلاکوں میں منقسم ہے۔ ان میں ”محدث اعظم بلاک“ ”شہید اہلسنت بلاک“ اور معین ملت بلاک“ سرفہرست ہیں۔ اور اپنی بناوٹ اور سجاوٹ کے اعتبار سے امتیاز کے حامل ہیں۔ ہر کمرہ میں اوسطاً پانچ طلباء مقیم ہیں جامعہ کی طرف سے رہائش پذیر طلباء کیلئے کھانے کا بہترین انتظام کیا جاتا ہے طلباء کے کھانے اور جملہ اخراجات ادارہ برداشت کرتا ہے۔

میڈیکل کی سہولت:

طلباء کو فوری طبی امداد کی سہولت فراہم کرنے کیلئے فری ڈسپنسری کا انتظام کیا گیا ہے اور وقتاً فوقتاً مختلف اسپیشلسٹ ڈاکٹرز کی خدمات بھی حاصل کی جاتی ہیں۔

کھیل: طلباء میں تندرستی اور چستی پیدا کرنے کیلئے مختلف کھیلوں کے مقابلے بھی منعقد کئے جاتے ہیں جامعہ کی طرف سے طلباء کو کھیلوں کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔

جمعیت فیض رضاء: ہم نصابی سرگرمیوں کے فروغ کیلئے طلباء کی اپنی نمائندہ جماعت ”جمعیت فیض رضاء“ قائم کی گئی ہے جو طلباء کیلئے ہفتہ وار بزم ادب کے علاوہ وقتاً فوقتاً مختلف قسم کے پروگرام اور مقابلے کے پروگرام منعقد کرتی ہے۔

الغرض اس جدید دور کے مقابلے کیلئے اور کفار کے مذموم ارادوں کو خاک میں ملانے کیلئے آہنی ارادوں کے ساتھ خدمت دین اسلام میں مصروف عمل ہے اور یہ عزم صمیم کئے ہوئے ہے کہ شرق و غرب میں خدا اور اسکے رسول ﷺ کے غلام اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلام کا بول بالا کرنے میں پیچھے نہیں رہیں گے اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے حبیب مصطفیٰ کریم ﷺ کے صدقے جامعہ کی انتظامیہ اور اس کے ٹرسٹیز اور معاونین کی جدوجہد کو کامیابیوں سے ہمکنار کرے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

فیضانِ رضائیل کی شہین

جامعہ قادریہ رضویہ (ٹرٹ)
کی جملہ مطبوعات کا مختصر تعارف

عرشِ تمنا نعتیہ مجموعہ

کلام علامہ محمد افضل کوٹلوی
پہم ہال جامعہ قادریہ رضویہ

مقالات سیرت النبی ﷺ

مرکز تحقیق فیصل آباد

ایمان والدین مصطفیٰ ﷺ

مصنف علامہ ساجد الہاشمی

ازواجِ مطہرات

مصنف علامہ باغ علی رضوی

سیرت خاتم النبیین ﷺ

مصنف علامہ ریاض احمد سعیدی

عقائدِ نفسی

مترجم علامہ ریاض احمد سعیدی

آوازِ ایمان

مصنف علامہ محمد نواز ہزاروی

نماز سنتِ مصطفیٰ کریم کی روشنی میں

مرتبہ: الحاج محمد صادق بٹ

کتاب الحج والعمرة

صاحبزادہ الحاج علامہ عطاء المصطفیٰ نوری مہتمم جامعہ قادریہ رضویہ

متعہ اور اسلام

مصنف علامہ محمد اشرف سیالوی

عظمتِ علماء

تحقیق تسوید و تخریج پروفیسر ڈاکٹر محفوظ احمد

جامعہ قادریہ رضویہ ٹرٹ - مصطفیٰ آباد - سگر وڈھاروٹ - فیصل آباد فون نمبر: 041-8860777